

اسلامی فتویٰ فی ابطال الطغویٰ

صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

شقاعتِ مصطفیٰ

www.MATSEISLAM.COM

تصنیف

علامہ محمد عبدالحکیم شریعت قادری برکاتی

ادارتہ کلام عامہ محمد رسول اللہ خیر الکلی

الممتاز پبلی کیشنز لاہور

تحقیق الفتویٰ فی إبطال الطغویٰ

شفاعتُ مصطفىؐ

صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ

مع ضمیمہ

تحریرِ اول از علامہ محمد فضل حق خیر آبادی

برء عبارت "تقویۃ الایمان"

تسلیف: امام حکمت و کلام علامہ محمد فضل حق خیر آبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ

تقریر و تصدیق: شرف ملت علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری

WWW.NAFSEISLAM.COM

الممتازیہ کیشنز لاہور

جمال حق و حق

نام کتاب تحقیق الفتوی فی ابطال الطغوی

ترجمہ شفاعت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

تصنیف علامہ محمد فضل حق خیر آبادی رحمہ اللہ تعالیٰ

اردو ترجمہ علامہ محمد عبد الحکیم شرف قادری

پروف ریڈنگ جناب محمد عالم مختار حق صاحب

سن تصنیف ۱۸ رمضان المبارک ۱۴۳۰ھ / ۱۸۲۵ء

اشاعت سوم رمضان المبارک ۱۴۳۱ھ / 2000ء

کتابت مولانا شاہ محمد چشتی نظامی

تعداد ایک ہزار

صفحات 258

مطبع

WWW.NAFSEISLAM.COM

حافظ نثار احمد قادری

باہتمام

قیمت

سنتے کا پتہ

مکتبہ قادریہ، جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

مکتبہ قادریہ، داتا دربار مارکیٹ، لاہور

فہرست (اردو ترجمہ)

۷	کلمہ افتتاح
۶۷	استغفار
۷۱	جواب
۷۲	مقام اول
۷۷	شفاعت کے اقسام
۷۸	شفاعتِ وجاہت
۷۹	شفاعتِ محبت
۸۰	شفاعت اور دعا
۸۱	انبیاء اولیاء کی دعاؤں کی قبولیت
۸۲	شفاعتِ بالافضل
۸۳	ایک شبہ کا ازالہ
۸۵	محبوبِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شفاعت
۸۶	مقامِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
۸۷	آیاتِ مبارکہ
۹۶	احادیثِ طیبہ
۱۱۱	شفاعتِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
۱۲۲	تقویتِ الایمان کی عبارت پر گفتگو (چودہ وجوہ سے)
۱۳۶	ایک سوال اور اس کا جواب
۱۵۲	مقامِ ثانی (تقویتِ الایمان کی گستاخانہ عبارت کے رویں)

- ۱۵۲ امکانِ نظیر کا مطلب
- ۱۵۳ وجہ اول (سے تردید)
- ۱۵۵ اقتناعِ نظیر پر دلیل
- ۱۵۶ امکانِ کذب کی دلیل اور اس کا رد
- ۱۵۸ محمد قاسم نانوتوی کا عقیدہ منہمکتوبات سے انحراف (حاشیہ)
- ۱۵۹ محمود حسن کا اللہ تعالیٰ کے لئے تمام قبائح کا امکان ماننا (حاشیہ)
- ۱۶۲ وحشیانی (اقتناعِ نظیر کی دوسری دلیل)
- ۱۶۳ متنع بالذات قدرت کے تحت داخل نہیں {
اس قاعدہ پر ایک شبہ اور اس کا جواب
- ۱۶۶ "ان اللہ علی کل شئی قدير" کا مطلب
- ۱۶۷ امکانِ نظیر کی عقلی دلیل اور اس کا جواب
- ۱۶۹ ایک اعتراض کا جواب
- ۱۷۰ امکانِ نظیر کی نقلی دلیل اور اس کا جواب
- ۱۷۳ امکانِ نظیر کی دوسری نقلی دلیل اور اس کا رد
- ۱۷۵ ایک شبہ کا ازالہ
- ۱۷۷ مقامِ ثمانت (تقویۃ الایمان کی عبارت تنقیصِ شان ہے)
- ۱۷۸ تعظیمِ یاتوہین پر کلام کی دلالت کا معیار
- ۱۷۹ تقویۃ الایمان کی عبارت میں توہین کے چودہ پہلو
- ۱۸۶ عذر گناہ اور اس کا رد
- ۱۷۷ ایک اور قلابازی اور اس کا علاج
- ۱۹۹ اہل ایمان کا عقیدہ
- ۲۰۶

مقامِ رابع

۲۹

۲۱۰

حبِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر ایمان متصور نہیں

۲۱۱

علاماتِ محبت

۲۱۳

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بے ادبی کفر ہے

۱۱

امام مالک کا ابو جعفر منصور سے مکالمہ

۲۱۵

ذکرِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم

۲۱۶

صحابہ کرام اور تعظیمِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

۲۲۰

تابعین اور تعظیمِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

۲۲۱

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے نسبت رکھنے والی انبیاء کا احترام صحابی کی نظریں

۲۲۵

سنگ و شجر کی سلامی

۲۲۸

استن خانہ کی فراق میں آہ و زاری

۲۳۱

نبی رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

۲۳۲

انبیاء رسول تقاضائے محبت ہے

۲۳۷

بے حبِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اتباع معتبر نہیں

۱۱

تتقیص شان کے ترکیب کا حکم

۲۳۹

بلا ارادہ تتقیص کے ترکیب کا حکم

۲۴۲

اغتراض اہل قبلہ کی تکفیر ممنوع ہے اور اس کا جواب

۲۴۶

خلاصہ فتویٰ

۲۴۸

خاتمہ

۲۵۰

علمائے اعلام کی تائیدی مہر

بِسْمِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

کلمہ افتتاح

سرزمین ہند (متحدہ پاک و ہند) وہ مردم خیز خطہ ہے جہاں سے پیدا ہونے والے عظیم رجال کے افکار و تعلیمات نے ایک عالم کو روشنی بخشی، ان کے علوم و معارف بہت سی دنیا تک قلوب و اذہان کو تابندہ کی اور ایمان و عمل کو تازہ کی بنختے رہیں گے۔ متحدہ پاک و ہند کی تاریخ میں دانش و حکمت کے مینار بھی دکھائی دیں گے، علم و عرفان کے پھر سیکڑاں بھی ملیں گے اور حریت و آزادی کے پکیر بھی نظر آئیں گے اور بعض ایسی جامع الصفات ہستیاں بھی سامنے آئیں گی کہ انہیں جس پہلو سے بھی دیکھا جائے، منفرد اور بیگانہ معلوم ہوں گے۔ شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی، امام ربانی مجدد الف ثانی، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی، شاہ فضل حق خیر آبادی، امام احمد رضا بریلوی، مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی، پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی اور پیر سید جماعت علی شاہ علی پوری (قدس سرار ہم) وہ حضرات ہیں جن کی علمی فضیلت اور قائدانہ بصیرت سے کوئی باخبر شخص انکار نہیں کر سکتا اور کوئی انصاف پسند مؤرخ ان حضرات کی دینی و سیاسی خدمات کو نظر انداز نہیں کر سکتا۔

درج ذیل سطور میں بطلِ حریت، امام منطق و حکمت مولانا شاہ محمد فضل حق خیر آبادی کی مختصر تعارف پیش کیا جاتا ہے اس کے بعد پیش نظر کتاب تحقیق الفتویٰ کے باب میں کچھ عرض کیا جائے گا۔

شاہ فضل حق خیر آبادی

۱۲۱۲ء، ۱۷۹۷ء میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ آپ کا سلسلہ نسب بتیس واسطوں سے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچتا ہے اسی لئے آپ کفارِ مبتدعین اور بد مذہبوں سے کسی قسم کی رواداری کے قائل نہ تھے۔ آپ کے والد ماجد مولانا فضل امام خیر آبادی، شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے ہم عصر دراکا بر علماء میں شمار ہوتے تھے۔ دہلی میں صدر الصدور تھے، ہاتھی کی پاکی پر کچری آتے جاتے، شاہ فضل حق خیر آبادی کی تعلیم کا سلسلہ جاری رکھتے۔ جب ان کی تعلیم مکمل ہو گئی تو انہیں درسِ حدیث کے لئے شاہ عبدالقادر محدث دہلوی کے سپرد کر دیا، علامہ نے ان کے علاوہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی سے بھی استفادہ کیا۔

جب مولانا فضل امام خیر آبادی، علامہ کو شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے سپرد کرنے گئے تو انہوں نے دورانِ گفتگو فرمایا: فضل حق کو شعر و شاعری کا بھی شوق ہے، شاہ صاحب نے فرمایا: کچھ اپنا کلام سناؤ، علامہ نے امرِ اقیس کی زمین میں ایک قصیدہ سنایا، شاہ صاحب نے ایک لفظ کے بارے میں فرمایا: یہ غریب ہے، میں کلامِ عرب میں کم استعمال ہوتا ہے۔ علامہ نے جربستہ کلم شعرا کے میں ایسے اشعار سنائے جن میں وہی لفظ استعمال کیا گیا تھا، ابھی کچھ اور سننے کا ارادہ تھا کہ والد ماجد نے منع کر دیا اور فرمایا: بس خدا دے! علامہ نے عرض کیا یہ تفسیر و حدیث کا کوئی مسئلہ نہیں ہے، یہ شعر و شاعری ہے اس میں بے ادبی کا کیا سوال؟ حضرت شاہ صاحب نے فرمایا: صاحبزادے تم صحیح کہتے ہو مجھے سو ہوا ہے۔

اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز واقعہ اس وقت پیش آیا جب شاہ عبدالعزیز

محدث دہلوی نے شیعہ کے رد میں تحفہ اشاعہ شریعہ لکھا تو ہندوستان سے ایران تک دنیا سے رخصت میں زلزلہ آگیا، میر باقر داماد کی اولاد سے ایک شیعہ بکتا پول کا انبار لے کر شاہ صاحب سے مناظرہ کرنے کے لئے ایران سے دہلی پہنچا اور شاہ صاحب کے ہاں فروکش ہوا۔ علامہ فضل حق خیر آبادی کو پتہ چلا تو وہ بھی مجتہد صاحب سے ملاقات کرنے پہنچ گئے۔ خیر و عافیت دریافت کرنے کے بعد جو باہم گفتگو ہوئی وہ کچھ اس طرح تھی :-

مجتہد : صاحبزادے ! (اس وقت علامہ کی عمر بارہ سال تھی) کیا پڑھتے ہو؟
 علامہ : شرح اشارات اور افق المبین وغیرہ کتب کا مطالعہ کیا کرتا ہوں۔
 مجتہد : (حیرت سے) کیا تم افق المبین کے فلاں مقام کی تقریر کر سکتے ہو؟
 علامہ : ہاں ! اور نہ صرف اس مقام کی تقریر کر دی بلکہ اس پر چند اعتراض بھی کر دئے۔

مجتہد : جواب دینے کی کوشش کرتا ہے۔
 علامہ : جواب کو کئی وجہ سے رد کر دیتے ہیں اور پھر افق المبین کی ایسی تقریر کرتے ہیں کہ تمام اعتراضات کا جواب بھی اس میں آجاتا ہے۔
 مجتہد : تعجب سے اس نوع منطقی کو دیکھتا رہ جاتا ہے۔

علامہ : (رخصت ہوتے ہوئے) میں شاہ صاحب کے ادنیٰ نامزد میں سے ہوں۔
 ایرانی مجتہد نے سوچا کہ جہاں نوعمر بچوں کا مبلغ علم یہ ہے وہاں شیخ مکتب کا حال کیا ہوگا اور پھر صبح سویرے ہی اپنا ساز و سامان سمیٹ کر رخصت ہو گیا۔ صبح ہوئی تو شاہ صاحب نے خادم بھیج کر مہمان کے بارے میں دریافت کیا تو پتہ چلا کہ وہ رات ہی کو جا چکا ہے، جب صورت حال معلوم ہوئی تو علامہ کو شفقت آمیز عتاب سے فرمایا کہ تمہیں مہمان سے ایسا سلوک نہیں کرنا چاہئے تھا، وہ بیمار مہمان تھا بہر

خود سمجھ لیتے لے

۱۲۲۵ء/۱۸۰۹ء میں علامہ فضل حق خیر آبادی، تیرہ سال کی عمر میں تمام علوم و فنون سے فارغ ہو گئے، بعد ازاں، چار ماہ اور کچھ دنوں میں قرآن پاک حفظ کیا اور عالمی حیثیت میں حضرت دھرم شن شاہ دہلوی کے دست مبارک پر بیعت ہوئے۔

علامہ فضل حق خیر آبادی علوم عقلیہ و نقلیہ میں تمام معاصرین پر فوقیت رکھتے تھے۔ علم کلام، اصول فقہ اور علوم ادبیہ میں انہیں تخصص حاصل تھا، منطق و حکمت میں درجہ اولیٰ اور پر فائز تھے اور کوئی معاصر ان کا ہم پل نہ تھا۔ سرسید کہتے ہیں :-

”جمیع علوم و فنون میں کیتائے روزگار ہیں اور منطق و حکمت کی تو گویا انہیں کی فکر عالی نے بنا ڈالی ہے، علمائے عصر بل فصلائے دہر کو کیا طاقت ہے کہ اس سرگرم وہ اہل کمال کے حضور میں بساط مظہر آراستہ کر سکیں۔ بارہا دیکھا گیا کہ جو لوگ آپ کو یگانہ فن سمجھتے تھے، جب ان کی زبان سے ایک حرف سنا، دعوائے کمال کو فراموش کر کے نسبت شاگردی کو اپنا فخر سمجھ لیتے۔“

منشی محمد جعفر تھانیسری لکھتے ہیں :-

”مولوی فضل حق معقولی خیر آبادی جو اس زمانے میں حاکم اعلیٰ شہر دہلی کے سرشتہ اور علم منطق کے پتلے اور افلاطون و سقراط و

بقراط کی غلطیوں کی تصحیح کرنے والے تھے“ ۱۷

حکیم عبدالحی لکھنوی مؤرخ لکھتے ہیں :-

”احد الاساتذة المشهورين لم يكن له

نظير في زمانه في الفنون الحکمیة و العلوم

العربیة“ ۱۸

علامہ فضل حق خیرآبادی (مشہور استاد تھے فنون حکمیہ اور علوم عربیہ

میں ان کا کوئی ہم پلہ نہ تھا۔

علامہ فضل حق خیرآبادی علوم دینیہ کے متبحر عالم ہونے کے ساتھ ساتھ شعر و ادب کا نہایت گہرا ذوق رکھتے تھے، ان کے چار ہزار سے زائد اشعار عربی اور کافیتی سرمایہ ہیں، اگرچہ خود اردو میں طبع آزمائی نہیں فرماتے تھے تاہم بحیثیت نقاد کے آپ کی رائے سند کا درجہ رکھتی تھی، مرزا غالب ان کے مشوروں کو تسلیم کی نگاہ سے دیکھتے تھے، غالب کا موجودہ اردو دیوان علامہ فضل حق خیرآبادی اور مرزا غانی بی کا انتخاب ہے۔

مولانا محمد الدین فوق لکھتے ہیں :

”قصائد نغزِ آپ کے امرا لقیس اور لبید کے قصائد پر فوقیت

رکھتے ہیں نظم و نثر میں آپ کو اس قدر مہارت تھی کہ بلا مبالغہ شاید

سلف و خلف میں چند آدمی آپ کے ہم پلہ ہوئے ہوں گے“ ۱۹

پروفیسر لوبیف سلیم حقی لکھتے ہیں :-

۱۷ محمد جعفر نقائیری، نقی : حیات سید احمد شہید (سوانح احمدی) مطبوعہ نفیس کیڈمی کراچی، ص ۳۴

۱۸ عبدالحی لکھنوی، حکیم مؤرخ : نزہۃ الخواطر (مطبوعہ حید آباد دکن) ج ۷، ص

۱۹ محمد الدین فوق : روضۃ الادب، ص ۱۳۸

”ادب و حکمت کی ان بندہ یوں پر مولانا فضل حق خیر آبادی پہنچے،
غالب ان کا قصہ بھی نہیں کر سکتے تھے، ان کی حیثیت مولانا کے سامنے
سلسلے طفل مکتب سے زیادہ نہیں۔ ہے غ
چہ نسبت خاک را با عالم پاک
سچ تو یہ ہے کہ جب تک فضل حق شامل نہ ہوا انسان مولانا

کے مرتبہ سے آگاہ نہیں ہو سکتا۔“

خود غالب نے علامہ کی جلا وطنی اور غریب الوطنی کی شہادت پر
جس رنج و غم اور عقیدت کا اظہار کیا ہے، دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔
”فخر ایجاد و تکوین مولانا فضل حق ایسا دوست مر جا۔ کیے غالب
نیم مردہ، نیم ہاں رہ جائے۔“

مرتے ہیں آرزو میں مرنے کی

موت آتی ہے پر نہیں آتی

مگے آتی تھی حال دل پر نہیں

اب کسی بات پر نہیں آتی

علوم و فنون سے فراغت کے بعد علامہ نے بی، اے، ایم اے اور الود میں بلند
مناصب پر فائز رہے، لکھنؤ اور رامپور میں منصبِ صدارت کو زینت بخشی، اس
کے باوجود فارغ اوقات میں تشنگانِ علم کو سیراب کرتے۔ آپ کے فیض یافتہ بیشمار
علماء آسمانِ علم و فضل پر مہر و ماہ بن کر چمکے اور ایک عالم کو فیضیاب کیا۔ آج ہندوپاک کا

علامہ یوسف علیم چشتی، پروفیسر: مقدمہ شرح دیوانِ غالب، ص ۲-۱۶۱

علامہ، ایم سینا پوری: غالب نام آورم (مطبوعہ لاہور)، ص ۹۴

شاید ہی کوئی مدرسہ ہوگا جہاں آپ کا فیض جاری نہ ہو۔

آپ کے چند تلامذہ کے اسماء پیش کئے جاتے ہیں :-

- ۱۔ علامہ عبدالحق خیر آبادی (فرزند)
- ۲۔ مولانا علامہ بدایت اللہ خاں جونپوری (استاذ صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی صاحب بہار شریعت)
- ۳۔ محب الرسول مولانا شاہ عبدالقادر بدایونی
- ۴۔ مولانا فیض الحسن بہارنپوری
- ۵۔ مولانا بدایت علی بریلوی
- ۶۔ مولانا محمد عبداللہ بلگرامی
- ۷۔ مولانا عبدالعلی رامپوری (استاذ امام احمد رضا بریلوی)
- ۸۔ نواب یوسف علی خاں رامپوری
- ۹۔ نواب کلب علی خاں رامپوری

علامہ فضل حق خیر آبادی نے مختلف مناصب کی مصروفیات اور درس و تدریس کے اشغال کے باوجود تصانیف کا قابل قدر ذخیرہ یادگار چھوڑا۔ یہ تصانیف اپنے مصنف کے علمی تجربہ، قوت استدلال، ذور بیان اور کمال فصاحت و بلاغت پر شاہد عادل ہیں۔ انہوں نے اپنی نگارشات میں ایسی تحقیقات پیش کی ہیں جن کے مطالعہ سے اہل علم کو وجد آئے، پھر لطف یہ کہ وہ زیادہ تر اپنے ذہنِ رفیع کے نتائج قلم بند کرتے ہیں، بعض لوگوں کی طرح یہ نہیں کرتے کہ دوسروں کی عبارتیں نقل کر کے پیچھے اپنا نام لکھ دیں۔

علامہ اسماعیل ہاشم آبادی فرماتے ہیں :-

الخیر آبادی : محمد فضل الحق العمری

الخیر آبادی الہندی الحنفی الجشتی الماتریدی
ولدہ سنہ ۱۲۱۳ھ و توفی سنہ ۱۲۷۸ھ شمان و سبعین
و مائتین و الف۔

من تالیفاتہ تاریخ فتنۃ الہند فارسی (بل
عربی)، الجنس الغالی فی شرح الجوہر العالی، حاشیۃ
علیٰ افق المبین لباقر داماد، حاشیۃ علیٰ تلخیص
الشفار لابن سینا، حاشیۃ علیٰ شرح القاضی مبارک
للسلم، رسالۃ فی تحقیق الاجسام، رسالۃ فی تحقیق
الکلی الطبعی، الروض الموجود فی تحقیق حقیقۃ
الوجود، الہدیۃ السعیدیۃ فی الحکمۃ الطبعیۃ لہ
ان کی تصانیف یہ ہیں :-

۱: تاریخ فتنۃ الہند (فارسی) : جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے اسباب و واقعات
پر عربی میں الثورۃ الہندیۃ، نثر اور قصائد فتنۃ الہند، نظم میں، یہ دونوں کتابیں
ترجمہ اور مبسوط مقدمہ کے ساتھ باغی ہندوستان کے نام سے مکتبہ تدریۃ
لاہور کی طرف سے چھپ چکی ہیں (شرف قادری)

۲: الجنس الغالی فی شرح الجوہر العالی۔

۳: حاشیۃ فی المبین، مصنفہ میر باقر داماد۔

۴: حاشیۃ تلخیص الشفار لابن سینا۔

۵: حاشیۃ قاضی مبارک شرح سلم۔ (سیال شریعت سے چھپ چکا ہے)

۶ : رسالہ فی تحقیق الاجسام -

۷ : رسالہ فی تحقیق الکلی الطبعی -

۸ : الروض المجود (مسئلہ وحدۃ الوجود پر یہ معرکہ الارادہ کتاب مع ترجمہ مکتبہ قادریہ سے چھپ چکی ہے)

۹ : النہدیر السعیدیہ . حکمت طبعیہ میں (بلکہ حکمت طبعیہ و النہدیر و فنیہ پر مشتمل ہے) شرف قادری

ان کے علاوہ یہ تصانیف ہیں :-

۱۰ : تحقیق الفتویٰ فی البطلان الطغویٰ ، فارسی (تفصیل تعارف آئندہ صفحات میں ہے)

۱۱ : اقتناع النظیر (فارسی)

حضرت علامہ ، ظاہری شان و شوکت اور علمی فضیلت کے باوجود بشریعت مطہرہ اور سنت مبارکہ پر عمل پیرا اور عابد شب زندہ دار تھے ۔ مولانا عبد اللہ بلگرامی فرماتے ہیں :-

” اللہ تعالیٰ کے دئے ہوئے طاقتور ہاتھ کی اور عمدہ گھوڑے

انہیں اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی کی اطاعت سے باز نہیں رکھ سکتے

تھے ، وہ ان لوگوں میں سے تھے جنہیں بیع اور تجارت اللہ تعالیٰ

کے ذکر سے نہیں روک سکتی ، ان کا جسم بادشاہ کی صحبت میں اور دل یاد الہی

میں مصروف ہوتا تھا ۔

علامہ باقاعدگی سے ہر سہفتہ قرآن پاک ختم کیا کرتے تھے ، رات

کے وقت نوافل میں مصروف ہوتے ، جب دوسرے لوگ سو رہے ہوتے

تھے جس شخص کا نوافل میں یہ حال ہو اس کے فرائض کا اندازہ کیا جاسکتا ہے ”

سید عبد اللہ بلگرامی ، مولانا : خطبہ حاشیہ پر یہ سعیدیہ

علامہ فضل حق خیر آبادی کو اللہ تعالیٰ نے دل دردمند اور عقل بیدار
عطا فرمائی تھی۔ وہ چشم بصیرت سے تفسیرِ مذہبِ حالات میں آئندہ پیدا ہونے والے
حوادث اور واقعات دیکھ لیتے تھے۔ سرزمینِ ہند پر انگریز کے مکارانہ تسلط
اور مسلمانوں کی شوکت کے زوال کو تشویش کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور اس امر
کو شہرت سے محسوس کرتے تھے کہ اگر نہ طرح طرح کے جیسے بہانے مسلمانوں
کو عیسائی بنانے کے درپے ہیں۔ علامہ نے التورۃ السندیہ میں ان کی بعض سازشوں
کی نشاندہی کی ہے۔

۱: انگریزوں نے مسلمان بچوں کو عیسائیت کی تعلیم دینے کے لئے مشہروں اور
دیہاتوں میں سکول کھولے اور اسلامی مدارس کو تباہ کرنے کی پوری سعی کی۔
۲: نقدِ قیمت ادا کر کے تمام غلام اور اجناس خرید لیتے تاکہ لوگ ایک ایک دانے
کے لئے ان کے محتاج ہو جائیں اور کسی کو مجالِ سرکشی نہ رہے۔

۳: بچوں کے فتنہ باز ہندی عائد کر دی اور غور توں کا پردہ ختم کر دیا اور
اس طرح اہل ایمان کو فتنہ میں ڈالنے اور احکامِ اسلامیہ کے مٹانے کی
یومِ کوشش کی۔

۴: کارنوس استعمال کرتے وقت مسلمان فوجیوں کو موکہ کی چربی اور ہندوؤں
کو کالے کی چہ بی چکھنے پر مجبور کیا۔

نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمان اور ہندو فوجی مشغول ہو گئے اور انگریز کے
غلام اٹھ کھڑے ہوئے، ابتداء میں محمد چھاؤنی سے ہوئی، بہت سے انگریزوں کو
قتل کر کے تمام فوجی دہلی پہنچے اور سلطنتِ مغلیہ کے آخری تاجدار سراج الدین بہادر شاہ ظفر کو

بادشاہ بنالیا اور استعلاص وطن کے لئے انگریزی افواج سے ٹکرائے۔

علامہ اس وقت الوری میں تھے وہاں سے دہلی پہنچنے اور جہادِ آزادی میں قائدِ شان سے حصہ لیا، بادشاہ سے سابقہ و رابطہ کی بنا پر خصوصی مشوروں میں شریک ہوتے اور اپنی موافقہ کے مطابق راہنمائی کرتے۔ علامہ کی تجویز کے مطابق مختلف والیان ریاست کو خطوط لکھے گئے۔ آپ کے صاحبزادے مولانا عبدالحق خیر آبادی گورگانہ کے کلکٹر مقرر کئے گئے، بہت سے حکام براہِ راست علامہ نے مقرر کئے۔ علامہ آپ کے حکم سے لال قلعہ کے دارالانشاء (میکریٹریٹ) سے چلنے جاری ہوتے۔ علامہ آپ نے سلطنت کا دستور العمل مرتب کیا۔ اور فوجیوں اور شہریوں کو حکومتِ برطانیہ کے خلاف بھڑکاتے رہے۔ بلکہ بعض اوقات شاہی فوج کی کمان بھی کی، بادشاہ نے ایک کنگ کونسل قائم کی جو تین ارکان پر مشتمل تھی، جنرل بخت خاں، مولوی سرفراز علی اور مولوی فضل حق۔

۱۹ ستمبر ۱۸۵۷ء کو دہلی پر انگریزوں کا مکمل تسلط ہو گیا تو علامہ اہلِ دعیال کو خیر آباد چھوڑ کر سینا پور (کھنؤ) پہنچ گئے جہاں ملکہ عالیہ حضرت محل انگریزی فوجوں سے نبردِ آواز مانتیں، یہاں بھی علامہ مجاہدین کی مجلسِ شوریٰ (پارلیمنٹ) کے خصوصی

علامہ عبدالحق خیر آبادی : باغی ہندوستان ، ص ۱-۱۳۰

علامہ محمود احمد برکاتی، حکیم سید : فضل حق خیر آبادی اور سن سادون ، ص ۳۰-۳۹

علامہ ایضاً : ص ۴۱

علامہ ایضاً : ص ۴۴

علامہ ایضاً : ص ۴۹

علامہ ایضاً : ص ۶۲

رکن تھے، حضرت محل کے وزیر مموخاں سے آپ کے خصوصی مراسم تھے، علامہ کو مموخاں کا شیر سمجھا جاتا تھا، مجاہدین آپ کے مدبرانہ مشوروں سے مستفید ہوتے رہے۔ تمام ترکوشٹوں کے باوجود مجاہدین کو ہر محاذ پر ناکامی کا سامنا کرنا پڑا لہذا جہاں کسی کا سینک سپاہی، چلا گیا اور انگریز اپنا اقتدار بحال کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ انہی دنوں ملکہ برطانیہ نے عام معافی کا اعلان کر دیا۔ علامہ اس اعلان پر اعتماد کرتے ہوئے خیر آباد چلے گئے، ابھی چند دن بھی نہ گزرے تھے کہ آپ کو گرفتار کر لیا گیا، مقدمہ چلا اور فیصلہ یہ دیا گیا کہ ان کی تمام جائیداد ضبط اور انہیں تازلیست جزیرہ انڈیا (کالے پانی) بھیج دیا جائے چنانچہ حضرت علامہ نے ۱۲ صفر، ۲۰ اگست ۱۲۷۸ھ / ۱۸۶۱ء کو انڈیا میں جام شہادت نوش کیا۔

مشہور فاضل عمر رضا کا حال لکھتے ہیں :

محمد فضل الحق العمری الخیر آبادی
الہندی الخنفی الجشتی الماتریدی حکیم، ولد
فی خیر آباد وقاوم الحكومة الانجليزية فاعتقلته
وارسلته الى جزيرة سرنکون فتوفي بها۔

”محمد فضل حق عمری خیر آبادی ہندی خنفی جشتی ماتریدی حکیم (فلسفی)
خیر آباد میں پیدا ہوئے، انگریزی حکومت سے مقابلہ کیا تو حکومت
نے آپ کو گرفتار کر کے جزیرہ رینگون (بلک انڈمان) بھیج دیا، آپ نے
وہیں وفات پائی۔“

علامہ محمود احمد برکاتی، حکیم سید : فضل حق خیر آبادی اور سن سادون ، ص ۵۶۲

کہ ایضاً : ص ۵-۶۳

علامہ عمر رضا کا لہ : معجم المؤلفین (مطبوعہ بیروت) ج ۱۱ ، ص ۱۳۰

پنجاب یونیورسٹی کی طرف سے شائع ہونے والے اردو دائرہ معارفِ اسلامیہ میں بزمی انصاری لکھتے ہیں :-

” ۱۸۵۷ء میں انگریزوں کے خلاف مسلح بغاوت ہوئی تو

مولوی فضل حق نے اس بغاوت میں نمایاں حصہ لیا، بغاوت کے

الزام میں ان پر مقدمہ چلا اور عمر قید کی سزا پائی۔“ لہ

سعید احمد اکبر آبادی فاضل دیوبند لکھتے ہیں :-

” اس وقت ہمارے سامنے فتوے کی جو نقل ہے اس

پر ۳۸ دلی کے علماء و مشائخ کے دستخط ہیں، مولانا فضل حق خیر آبادی

کے اس پر دستخط نہیں ہیں لیکن ان کا ایک الگ مستقل فتوے جہاد

مقا جس کا ذکر ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کی اسلامی تاریخوں میں تفصیل

کے ساتھ کیا گیا ہے۔

مولانا بلند پایہ عالمِ دین ہونے کے ساتھ ریسانہ طور طریق

زندگی رکھتے تھے لیکن اس کے باوجود ان کی ایمانی جرأت و جسارت

اور دینی حمیت و غیرت کا یہ عالم تھا کہ انہوں نے ہر چیز سے بے نیاز

ہو کر دلی کی جامع مسجد میں نماز جمعہ کے بعد جہاد کے واجب ہونے

پر ایک نہایت دلورہ انگیز تقریر کی اور اس کے بعد جہاد کے ایک اور

فتوے کا اعلان ہوا جس پر صدر الصدور مفتی صدر الدین خاں آزاد،

مولانا فیض احمد بدایونی، ڈاکٹر مولوی وزیر خاں اکبر آبادی اور دوسرے

علماء کے دستخط تھے۔“ لہ

لہ بزمی انصاری : اردو دائرہ معارفِ اسلامیہ (مطبوعہ پنجاب یونیورسٹی) ج ۱۵ ص ۳۷۵

لہ سعید احمد اکبر آبادی : ہندوستان کی شرعی حیثیت (مطبوعہ علی گڑھ ۱۹۶۸ء) ص ۲-۳۱

یہ امر مسلم ہے کہ ”الکولڈ میسٹر لائسنس“ انگریزوں سے علامہ کی نفرت و عداوت اور ان کے ناپاک قدموں سے سرزمین ہند کے پاک ہونے کی آرزو کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ آپ کے فرزند جلیل علامہ عبدالحق خیرآبادی نے یہ وصیت فرمائی تھی کہ جب انگریز چلے جائیں تو میری قبر پر آپ کو اطلاع دے دینا۔
مولانا عبدالشہید خاں شروانی لکھتے ہیں :-

”مولانا (عبدالحق خیرآبادی) نے آخر وصیت بھی فرمائی کہ جب انگریز ہندوستان سے جائیں تو میری قبر پر خبر کر دی جائے چنانچہ ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کو رفیق محترم مولوی سید نجم الحسن صاحب رضوی خیرآبادی نے مولانا کے مدفن (درگاہ مخدومیہ) پر ایک جم غفیر کے ساتھ حاضر ہو کر میلاد شریف کے بعد قبر پر فاتحہ خوانی کی اور اس طرح پورے پچاس سال کے بعد انگریزی سلطنت کے خاتمہ کی خبر سنا کر وصیت پوری کی،
جنازہ اللہ خیر الجزار“

علامہ فضل حق خیرآبادی کے مجاہدانہ کارناموں کی تفصیلات معلوم کرنے کے لئے درج ذیل کتابیں خاص طور پر ملاحظہ کی جائیں :-

۱ : فضل حق خیرآبادی اور سن ستاون : مطبوعہ برکات اکبڑی کراچی ۱۹۷۵ء

از حکیم سید محمود احمد برکاتی (مکتبہ قادریہ لاہور سے دستیاب ہے)

۲ : باغی ہندوستان : (مطبوعہ مکتبہ قادریہ لاہور) تصنیف علامہ فضل حق

خیرآبادی ، ترجمہ و تقدیم عبدالشہید خاں شروانی -

۳ : امتیاز حق : (مکتبہ قادریہ لاہور، ۱۹۷۹ء) از راجا غلام محمد

علامہ عبدالشہید خاں شروانی : مقدمہ زبۃ الکلمہ مطبوعہ علی گڑھ ۱۹۴۹ء، ص ۱۲

ذیل میں مولانا عبدالحق شروانی (مؤلف باغی ہندوستان)
 کے مکتوب کا عکس پیش کیا جاتا ہے جو امتیاز حق پران کے تاثرات کے علاوہ
 نہایت دقیق معلومات پر مشتمل ہے۔

۱۹۲۹ء زاویہ علمیہ محمد علی رودا علی گڑھ
 ۷۸۶

محترم المقام دام لطفکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ
 مرحلہ کتابوں کا پیکٹ ۶/۲۹ء کو اور مکتبہ نامہ مورخہ ۲۹/۲ء کا ایک لکھ
 پیکٹ میں باغی ہندوستان اور امتیاز حق کی دو جلدیں تھیں۔ آپ نے باغی ہندوستان کی
 ۲ جلدیں خط میں لکھی ہیں۔ غالباً مسوا باغی ہندوستان کے بجائے امتیاز حق کی ۲ جلدوں
 رکھ دی گئی۔

میری ملازم شوکت علی صاحبہ ایک خط عرصہ پہلے آیا تھا انہوں نے ہزار علامہ کی
 نشاندہی کی تھی وہ خود ہزار پر حاضر ہوئے ہیں۔ علامہ کے ہزار کے ساتھ مولوی
 لیاقت علی صاحب کی قبر بھی ہے۔
 یہ ہزار سمندر کے کنارے ساؤتھ پاسٹ میں ہے جو عرف عام میں نمک جھٹ
 کہلاتا ہے۔ یہ لیبٹی Ross جزیرہ کے قریب ہے جہاں لاکھ لاکھ کو جاز سے
 اتارا جاتا تھا۔

اب تک میں رائٹنگ کی طرف آپ کی توجہ مبذول نہیں کرائی تھی کیونکہ ہر وقت تھی
 اب ریٹائر ہونے کے بعد ضرورت محسوس ہوئی۔ کیا آپ توجہ کریں گے؟
 میں نے گزشتہ سال رامپور وصالا پری میں علامہ کا وہ خط دیکھا جہاں

وہی وجہ نے اپنی مہم میں دیا تھا۔ اس پر نہ تو علامہ کے دستخط ہیں نہ ان کا رسم
میں رسم خط (مچی طرح پہچانتا ہوں)۔ مولانا آزاد لائبریری میں خود نوشت
نسخہ موجود ہیں۔

المبین کی اشاعت بڑی علمی خدمت ہے۔ علامہ اقبال اپنی اپنی کتابوں میں
استاذ الفکر کے ساتھ ہی تھے۔

استاذ حق، راجہ مہاراج کی شہرت و تلاش کا شہکار ہے۔ تاریخ تہذیب و ادب میں
پیش قدمی کر دیا تھا۔ استاذ حق، نے یہ پہلو بھی منظرِ فکر دیا کہ وہ انگریزوں کے
نہیں بلکہ موافق و حامی تھے۔ شہر کے دستِ دراز ہو کر مکتوب لکھتا تھا کہ جیوٹ اتنی بار
ہو کہ سچ معلوم ہو۔

بلاشبہ باغی نندوستان کا جدِ بڑا ایشیائی

نقاش نقش ثانی بہتر کشدِ راول کا ہمدان ہے۔ جزاء اللہ

تاخیر جو ایک علامہ رستخواہ ہوں۔ سفرِ حج کی چار ماہ کی غیر حاضری نے
کام بہت بڑھ دیا پھر واپسی پر شدید بیماری نے ڈیڑھ ماہ سطل رکھا۔
رفقاء کی خدمت میں سلام شوق۔

ہرمائی ہوگی اگر دونوں کا و دوں پیر ٹکٹ لگا کر پوسٹ فرما دیں۔
دونوں حکومتوں نے ڈاک وصول آتا ہے عادی ہے کہ خط لکھنے کے لئے کئی بار
سوچا پڑتا ہے۔ والسلام

خیر اندیش

شاہد شریانی ۱۹۵۷ء

مصنف تہذیب الایمان

مولوی اسماعیل دہلوی، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے پوتے،
حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے بھتیجے ۱۲ ربیع الثانی ۱۱۹۳ھ / ۱۷۷۹ء
کو دہلی میں شاہ عبدالغنی کے گھر پیدا ہوئے۔ تعلیم اپنے والد اور شاہ عبدالعزیز
محدث دہلوی سے حاصل کی۔ صراطِ مستقیم، تہذیب الایمان، تنویر العینین، رسالہ
اصول فقہ، رسالہ توحید، ایضاح الحق، منصب امامت، رسالہ نماز اور
رسالہ یحکوزی وغیرہ کتابیں لکھیں۔

مولوی اسماعیل دہلوی نے سید احمد بریلوی کے ہاتھ پر بیعت کی اور
انہیں سائق لے کر "جہاد" کا منصوبہ بنایا، ہندوستان پر انگریز کی حکومت تھی
پنجاب پر سکھ حکومت کر رہے تھے، ان میں سے کسی ایک سے حکم لے بغیر
صوبہ سرحد کا رخ کیا اور سب سے پہلے یاغستان کے مسلمان حکمران یار محمد خاں
سے "جہاد" کیا۔ کچھ کھوں کے سب سے بڑے مخالف سرحد کے
جیلے مسلمان بھٹان پانڈہ خاں سے محاذ آرائی کی، اسے اپنی بیعت پر مجبور کیا۔

۱۔ مرزا حیرت دہلوی : حیات طیبہ (مکتبہ السلام، لاہور، ۱۹۵۸ء) ص ۳۲

۲۔ رحمن علی، مولانا : تذکرہ علماء ہند اردو ترجمہ (مطبوعہ کراچی ۱۹۶۱ء) ص ۴۱۲

۳۔ عاشق الہی میرٹھی : تذکرۃ الرشید، ج ۲، ص ۲۷۰

اور جب اس نے بیعت سے انکار کر دیا تو اس پر کفر کا فتوے لگا کر اس پر پڑھ دوڑا۔
 پابندہ خاں نے (جو تمام سرسکھوں سے جنگ کرتا رہا) مجبوری کی حالت میں سکھوں
 سے صلح کر لی اور دو ملین فوج بے کر مجاہدین کو شکست فاش دی اور اپنے
 علاقے سے نکال باہر کیا، چنانچہ مولوی اسماعیل دہلوی، سید صاحب اور ان کے
 ساتھیوں نے پختار کا رخ کیا۔

سرحدی مسلمان سکھوں کے ساتھ جہاد کے نام پر مجاہدین کا ساتھ
 دے رہے تھے۔ مولوی اسماعیل دہلوی اور ان کے ساتھیوں کے وہ بیانہ عقائد،
 بات بات پر کفر کے فتوے اور مجاہدین کے ساتھ پھٹان خواتین کے جبری نکاح
 وغیرہ، وہ امور تھے جنہوں نے سرحد کے غیر متدبیحانوں کو مشتعل کر دیا،
 چنانچہ پشاور میں مجاہدین کی خاصی بڑی جماعت کو تہ تیغ کر دیا گیا۔ سرسید تو
 یہاں تک کہتے ہیں کہ ۱۲۴۶ھ/ ۱۸۳۱ء میں انہی کے ہاتھوں بالا کوٹ میں مولوی
 اسماعیل دہلوی، سید صاحب اور ان کے ساتھیوں کا خاتمہ ہوا،

سرسید لکھتے ہیں :

”۱۸۲۴ء میں وہابیوں نے پہاڑوں میں جا کر قیام کیا
 اور انہوں نے اس بات کا قصد کیا کہ سکھوں پر ہم لوگ جہاد کریں
 اور شہید ہوں لیکن چونکہ پہاڑی قومیں ان کے عقائد کے مخالف تھیں
 اس لئے وہ وہابی ان پہاڑیوں کو ہرگز اس بات پر راضی نہ کر سکے
 کہ وہ ان کے مسائل کو بھی اچھا سمجھتے مگر چونکہ وہ سکھوں کے جوہر و ستم

لہ مراد علی، سید : تاریخ تاولیاں، (مکتبہ قادریہ، لاہور) ص ۴۷ تا ۵۲

لے حیرت دہلوی، مرزا : حیات طیبہ، ص ۳۵۶

سے نہایت تنگ تھے اس سبب سے وہابیوں کے اس منصوبہ میں
 شریک ہو گئے کہ سکھوں پر حملہ کیا جاوے اور آخر کار وہابیوں اور
 پہاڑیوں نے متفق ہو کر سکھوں پر حملہ بھی کیا لیکن چونکہ یہ قوم مذہبی
 مخالفت میں نہایت سخت ہے اس سبب سے اس قوم نے اخیر
 میں وہابیوں سے دغا کر کے سکھوں سے اتفاق کر لیا اور مولوی

محمد اسماعیل صاحب اور سید احمد صاحب کو شہید کیا۔

اسی لئے امام احمد رضا بریلوی فرماتے ہیں کہ

وہ جسے وہابیہ نے دیا ہے لقب شہید ذبیح کا

وہ شہید لیلے نجد تھا وہ ذبیح تیغ جبار ہے

مولوی اسماعیل دہلوی کے ”جہاد“ کا مقصد متعین کرتے ہوئے مولوی

حسین احمد مدنی لکھتے ہیں :-

”سید صاحب کا اصل مقصد چونکہ ہندوستان سے

انگریزی تسلط اور اقتدار کا قلع قمع کرنا تھا جس کے باعث ہندو

اور مسلمان دونوں ہی پریشان تھے، اس بنا پر آپ نے اپنے

ساتھ ہندوؤں کو بھی شرکت کی دعوت دی اور صاف صاف

انہیں بتا دیا کہ آپ کا واحد مقصد ملک سے بدیسی لوگوں کا اقتدار

ختم کرنا ہے، اس کے بعد حکومت کس کی ہوگی؟ اس سے آپ کو

غرض نہیں ہے، جو لوگ حکومت کے اہل ہوں گے ہندو یا مسلمان

یادوؤں، وہ حکومت کریں گے۔“ (نقش حیات ج ۲، ص ۱۳)

اس پر علامہ ارشد القادری نے یہ نوٹ لکھا :

”آپ ہی انصاف سے بتائیے کہ مذکورہ حوالہ کی روشنی میں سید صاحب کے اس لشکر کے معلق سوا اس کے اور کیا رہتے قائم کی جاسکتی ہے کہ وہ ٹھیک انڈیز نیشنل کانگریس کے رضا کاروں کا ایک دستہ تھا جو ہندوستان میں کیکولرا سٹیٹ (لا دینی حکومت) قائم کرنے کے لئے اٹھا تھا۔“ (ص ۱۰۰)

اس پر عامر عثمانی ایڈیٹر ماہنامہ تجلی دیوبند نے کھلے دل سے اعتراف کیا ہے،
 لکھتے ہیں :-

”ہم کتنی ہی جانب داری سے کام لیں، زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس رہبرِ کار میں لفظاً تلخی آگئی ہے لیکن معنوی او منطق اعتبار سے بھی اس میں کوئی نقص ہے؟ کوئی افتراء ہے؟ کوئی زیادتی ہے؟

کوئی شک نہیں اگر استاد محترم حضرت مدنی کے ارشاد گرامی کو درست مان لیا جائے تو حضرت اسماعیل کی شہادت محض افسانہ بن جاتی ہے، مادی پریشانیوں کو رفع کرنے کے لئے غیر ملکی حکومت کے خاتمے کی کوشش کرنا ذرا بھی مقدس نصب العین نہیں، اس نصب العین میں کافر و مومن سب یکساں ہیں، اس طرح کی کوشش کے دوران مارا جانا اس شہادت سے بھلا کیا تعلق رکھے گا جو اسلام کی ایک معزز ترین اور مخصوص اصطلاح ہے اور اس طرح کی کوششوں کے نتیجے میں قید و بند کی مصیبتیں اٹھانا اجراءِ آخرت کا موجب کیوں ہوگا؟“ (تبصرہ برآمدہ، ص ۱۸۷)

مولوی اسماعیل دہلوی کے مزاج میں ابتداء ہی سے آزاد خیالی اور لا ابا لی بن
 پایا جاتا تھا، تعلیم کے دوران بقول مرزا حیرت دہلوی یہ عالم تھا کہ :
 ”آپ مطالعہ کرتے، نگاہ میں جا کے سبق یاد کرتے تھے
 تو اکثر یہ ہو جاتا تھا کہ جب آپ دوسرے دن سبق پڑھنے کیلئے
 کتاب کھولتے تھے تو یہ بھول جاتا کرتے تھے کہ کل سبق کہاں تک
 پڑھا تھا۔“

اپنے آباء و اجداد جو علم و فضل اور تقویٰ و دیانت میں مسلم الشہوت
 تھے، کے مذہب کے خلاف رفع یدین کیا کرتے تھے، حضرت شاہ عبدالعزیز
 میرٹھ دہلوی کے ایماء پر حضرت شاہ عبدالقادر نے مولوی محمد یعقوب کے
 ذریعے پیغام دیا کہ رفع یدین چھوڑ دو، اس سے خواہ مخواہ فتنہ پیدا ہوگا، مولوی
 اسماعیل دہلوی نے جواب دیا کہ اگر عوام کے فتنہ کا خیال کیا جائے تو اس حدیث
 کا کیا مطلب ہوگا کہ جو شخص میری امت کے فساد کے وقت میری سنت پر عمل
 کرے گا اُسے شوشید کا ثواب ملے گا۔

اس پر شاہ عبدالقادر نے فرمایا :-

”بابا ہم تو سمجھتے تھے کہ اسماعیل عالم ہو گیا مگر وہ تو ایک حدیث
 کے معنی بھی نہ سمجھا، یہ حکم تو اس وقت ہے جبکہ سنت کے
 مقابل خلاف سنت ہو اور مانحن فیہ (جس مسئلہ کے متعلق گفتگو
 ہے) میں سنت کا مقابل خلاف سنت نہیں بلکہ دوسری سنت
 ہے کیونکہ جس طرح رفع یدین سنت ہے یونہی اس سال (رفع یدین

ذکر، بھی سنت ہے۔“ لے

اس جواب پر مولوی اسماعیل دہلوی خاموش ہو گئے مگر رفع یدین ترک نہ کیا اور جب پٹ اور میں پٹھان علماء نے اعتراض کیا تو رفع یدین ترک کر دیا اور شہید کے ثواب سے دستبردار ہو گئے۔

آزاد روی اور دین سے بے نیادی یہاں تک بڑھی کہ جب محمد بن عبد الوہاب نجدی کی تصانیف مطالعہ سے گزریں تو دل و جان سے ان پر فریفتہ ہو گئے اور ان انکار و نظریات کو اردو میں ڈھال کر تقویت الایمان کے نام سے فتنہ عوام کے لئے پیش کر دیا، دونوں ہی ہم آہنگی معلوم کرنے کے لئے سیف اللہ المسلول مولانا شاہ فضل رسول بدایونی قدس سرہ کی تصنیف سیف الجبار کا مطالعہ مفید رہے گا۔

قرآن و حدیث کی تعلیم کے مطابق راہِ راست وہ صحیح طریقہ ہے جس پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام اور سلف صالحین چلتے رہے۔ مولوی اسماعیل دہلوی نے پوری کوشش کی کہ امت مسلمہ کا تعلق سلف صالحین اور بارگاہ رسالت سے منقطع کر دیا جائے اور جو مسلمان اس تعلق کا تحفظ کرنا چاہیں انہیں بدیہی سے کافر و مشرک قرار دے دیا جائے۔

آج اگر مسلمان اس ظلم و ستم کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرتے ہیں تو اسے ”فرقہ واریت“ قرار دیا جاتا ہے۔ یہ کہاں کا انصاف ہے کہ جو شخص اپنے اور عامۃ المسلمین کے ایمان کے تحفظ کی کوشش کرے وہ گردن زدنی قرار دیا جائے اور جو بیک جنبشِ قلم تمام امت مسلمہ کو کافر و مشرک قرار دے ڈالے،

اللہ تعالیٰ، تمام انبیاء، ملائکہ اور اولیاء کی تنقیصِ شان کا ترکب ہو، اس پر کوئی قدغن نہ ہو، اس سے کوئی باز پرس کرنے والا نہ ہو، اس کا مطلب یہ ہے کہ پہلے اندر غیرت ایمانی نام کی کوئی چیز باقی نہیں ہے۔

محبوبانِ الہی کی شان میں تقویۃ الایمان کی گستاخانہ عبارات پڑھنے سے پہلے دل پر مائع رکھ کر صراطِ مستقیم کی ایک عبارت ملاحظہ کیجئے :

” صرف بہت بسوئے شیخ و امثالِ آلِ اعظمین کو جناب رسالت مآب باشند بخندیں مرتبہ بدتر از استغراق در صورتِ گاد و غیر خود است “

(ترجمہ) شیخ اور اس جیسے بزرگ حضرات کی طرف توجہ لگا دینا اگرچہ جناب رسالت مآب ہی ہوں، اپنے گدھے اور گائے کی صورت میں غرق ہونے سے بدرجہا بدتر ہے۔

معاذ اللہ! ثم معاذ اللہ! کیا ایسے کلمات نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ وسلم کی اذیت کا سبب نہ ہوں گے؟ کیا ایسے نازیبا کلمات استعمال کرنا غضبِ الہی کو دعوت دینے کے مترادف نہیں ہے؟ ارشادِ الہی ہے :

وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِينًا۔

” بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو ایذا دیتے ہیں اللہ نے ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت فرمائی اور آخرت میں ان کے لئے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے “

خدا و محبوبانِ خدا کی شان میں خوفناک حیرت

۱: سو اس طرح غیب کا دریافت کرنا اپنے اختیار میں ہو کہ جب چاہے کر لیجئے
یہ اللہ صاحب ہی کی شان ہے لہ

اس عبارت کا صاف مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو بھی ہمیشہ غیب کا
علم نہیں ہوتا، البتہ اس کے اختیار میں ہے کہ جب چاہے دریافت کر لے،
حالانکہ اللہ تعالیٰ کا علم اور دیگر صفات حقیقیہ قدیم ہیں، کبھی معدوم نہیں ہوتیں
اس عبارت میں واضح طور پر اللہ تعالیٰ کے علم کو حادث قرار دیا گیا
ہے جو کھلم کھلا گمراہی ہے۔ "اللہ صاحب" کا استعمال بھی قابلِ توجہ ہے
کیونکہ تمام مسلمان اللہ تعالیٰ یا اللہ جل مجدہ العظیم کہتے ہیں۔

۲: یہ یقین جان لینا چاہئے کہ ہر مخلوق بڑا ہو یا چھوٹا، اللہ کی شان کے
آگے چار سے زیادہ ذیل ہے لہ
استغفر اللہ! ایک ہی جملے میں تمام انبیاء، اولیاء اور ملائکہ کی منہ بھر کر
توبہ کی گئی ہے کیا توحید کا یہی تقاضا ہے؟

۳: دوسری جگہ تو اس سے زیادہ صراحت کے ساتھ کہتا ہے:

"اللہ کی شان بہت بڑی ہے کہ سب انبیاء اور اولیاء اس کے
روبرو ایک ذرہ ناچیز سے بھی کمتر ہیں" لہ

۱۔ انیل دہوی: تقویۃ الایمان (رکن ٹائل پرنٹنگ دہلی)، ص ۲۳

۲۔ ایضاً، ص ۱۶

۳۔ ایضاً، ص ۶۳

جس شخص کے دل میں رائی کے برابر بھی ایمان ہوگا، اللہ تعالیٰ کے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور دیگر محبوبانِ الہی کی بارگاہ میں اس قدر دریدہ دہنی کی جڑ نہیں کر سکتا، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے :-

يٰۤاَيُّهَا الْعَرَبَةُ وَلِيَسْئُلِيْكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ

”اللہ ہی کے لئے عزت ہے اور اس کے رسول اور ایمانداروں کیلئے“

عَسَىٰ اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّخْمُومًا

”قرب ہے کہ تمہارا رب تمہیں مقامِ محمود پر فائز فرمائے“

اللہ تعالیٰ قیامت کے دن جنہیں مقامِ محمود پر فائز فرمانے کا وعدہ کرے اور جن کے طفیل دنیا و آخرت میں غلاموں کو بھی عزت عطا فرمائے اس ذاتِ کریم کے بارے میں خدا کی پناہ ”ذرهٴ ناچیز سے بھی کمتر“ اور ”چار سے زیادہ ذل“ ایسے الفاظ استعمال کرنا ایسی جسارت ہے جس کا نتیجہ ایمان کی بردباری کے علاوہ کچھ نہیں ہو سکتا۔

رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی نے ایک موقع پر کہا تھا :

لَسِيْنٌ سَا جَعَلَنَا اِلَى الْمَدِيْنَةِ لِيُخْرِجَنَا

الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلُّ -

”اگر ہم لوٹ کر مدینہ گئے تو عزت والا وہاں سے ذلت والے

کو نکال دے گا“

”تقویۃ الایمان میں اس سے بھی زیادہ شدت اختیار کی گئی ہے۔ اس نے اذل“ کا لفظ استعمال کیا جس کا معنی ہے بہت ذلیل، اور تقویۃ الایمان میں ”چار سے زیادہ ذلیل“ اور ”ذرهٴ ناچیز سے بھی کمتر“ کہا ہے، اس نے صرف نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے

بارے میں وہ ناپاک الفاظ کہے تھے اور تقویۃ الایمان میں تمام انبیاء، ملائکہ، صحابہ اور اولیاء کرام کے بارے میں غلیظ الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں ۵
وہ جسے دباہیہ نے دیا ہے لقب شہید و ذبیح کا
وہ شہید کیلئے رنجیدہ تھا وہ ذبیح تیغِ خبیار ہے
یہ ہے دیں کی تقویت اس کے گھر یہ ہے مستقیم صراطِ شری
ہو شقی کے دل میں گاوِ سنہ، تو نہ باں پہ چوڑا ہوا چار ہے
وہ حبیبِ پیارا تو عمر بھر کرے فیض وجود تو سر بر سر
ارے تجھ کو کھائے شپِ مقرر تے دل میں کس سے بجا رہے ۷

۴: ”جو کچھ کہ اللہ اپنے بندوں سے معاملہ کرے گا خواہ دنیا میں
خواہ قبر میں خواہ آخرت میں، سو اس کی حقیقت کسی کو معلوم نہیں،
نہ نبی کو، نہ ولی کو، نہ اپنا حال، نہ دوسرے کا۔“ (ص ۳)

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام جانوں کے لئے رحمت ہیں و ما
اس سئلک الا رحمة للعالمین، رب کائنات نے وعدہ فرمایا کہ
اے حبیب! ہم تمہیں اتنا دیں گے کہ تم راضی ہو جاؤ گے ولسوف يعطيك
ربك فترضى، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم امت کے لئے ذریعہ مغفرت
ہیں انا فتحنا لك فتحا مبينا ليغفر لك الله ما تقدم
من ذنبك وما تأخر ”بے شک ہم نے تمہارے لئے روشن فتح فرمادی
تاکہ اللہ تمہارے سبب سے تمہارے اگلوں اور پچھلوں کے گناہ بخشے“ حدیث

شریعت میں ارشاد ربانی ہے انسان سز ضلیک ف، امتک ولا نسوہک
 ”ہم تمہیں تمہاری امت کے بارے میں راضو کر دیں گے اور تمہیں تکلیف نہیں
 گے“ قیامت کے روز جب تمام انبیاء نفسی نفسی فرما رہے ہوں گے تمام
 انسانیت کی شکل کشائی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی فرمائیں گے جس کے
 دل میں رٹی برابر ایمان ہوگا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شفاعت کی برکت سے
 عذاب جہنم سے نجات پائے گا۔ پہلی امتوں پر عام عذاب نازل ہوتا رہا لیکن یہ
 امت اپنے آقا کی برکت سے عام عذاب سے محفوظ رہی یہاں تک کہ کافر بھی
 عذاب سے پناہ میں رہے و ما کان اللہ لیعذبہم و انت فیہم
 عشرہ مبشرہ کے جنتی ہونے کی بشارت دی، اہل بدر کے جنتی ہونے کا اعلان فرمایا۔
 اس ذات کریم، امام الانبیاء، محبوب خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
 کے بارے میں یہ کہنا کہ انہیں بھی معلوم نہ تھا کہ دنیا قبر اور آخرت میں میرے
 ساتھ کیا ہونے والا ہے، انتہائی شقاوت اور دین و ایمان سے بے بہرہ ہونے
 کی بڑی دلیل ہے۔

۵ : جس کا نام محمد یا علی ہے وہ کسی چیز کا مختار نہیں ہے

کہا کوئی کھلم کھلا غیر مسلم نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرت
 علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام اس طریقہ سے لے گا اور اس بے باکی سے ان کے
 اختیارات کی یکسر نفی کی جرأت کرے گا؟

۶ : سارا کاروبار جہاں کا اللہ ہی کے چاہنے سے ہوتا ہے، رسول

کے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا ہے

۱۔ اسماعیل دہلوی : تقویۃ الایمان ، ص ۴۷

۲۔ ایضاً : ص ۶۶

امام احمد رضا بریلوی فرماتے ہیں ۷

سورج اٹھے پاؤں پیٹے چاند اشارے سے ہو چاک
اندھے نجدی دیکھ لے قدرت رسول اللہ کی

۷ : جیسا ہر قوم کا چودھری اور گاؤں کا زمیندار، سوران معنوں پر ہر پیغمبر
اپنی امت کا سردار ہے ۷

۸ : کسی بزرگ کی تعریف میں زبان سنبھال کر بولو اور جو بشر کی سی تعریف
ہو سو ہی کرو سحران میں بھی اختصار ہی کرو ۷

۹ : اولیاء و انبیاء و امام زادہ، پیر شہید یعنی جتنے اللہ کے مقرب بندے
ہیں وہ سب انسان ہی ہیں اور بندے عاجز اور ہمارے بھائی مگر انکو
اللہ نے بڑائی دی، وہ بڑے بھائی ہوئے، ہم کو ان کی فرمانبرداری
کا حکم ہے، ہم ان کے چھوٹے ہیں ۷

گویا ان لوگوں کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلالت اتنی ہی ہے
کہ اگر انبیاء و اولیاء کی تعریف و تعظیم عام انسانوں، گاؤں کے چودھری اور بڑے
بھائی سے زیادہ کر دی تو خدا کی خدائی خطرے میں پڑ جائے گی۔

جب تقویۃ الایمان کی تصریح کے مطابق تمام انسان بھائی بھائی ہیں اور
جسے اللہ تعالیٰ نے کوئی بڑائی عطا کی وہ بڑا بھائی اور دوسرا چھوٹا بھائی ہوا تو یہ بھی
کہہ دینا چاہئے تھا کہ فرعون، ہامان اور ابو جہل سب انسان ہی ہیں اور بندے عاجز

۷ اسٹیل دہلی : تقویۃ الایمان، ص ۷۲

۷ ایضاً : ص ۷۱، ۷۲

۷ ایضاً : ص ۹۸

اور ہمارے بھائی مسکے ہیں اللہ تعالیٰ نے بڑائی دی، وہ چھوٹے بھائی ہوئے اور ہم ان کے بڑے، ظاہر ہے اس طرح کہنے سے اپنی انا کو ٹھیس پہنچتی تھی جو کسی صورت گوارا نہیں، رسالت کی عظمت و تقدس مجروح ہوتی ہے تو ہوتی رہے۔

۱۰ : حضرت قیس بن سعد مقام حیرہ تشریف لے گئے، وہاں دیکھا کہ وہ لوگ اپنے سردار کو سجدہ کرتے تھے، انہوں نے واپس آکر بارگاہ رسالت میں عرض کی کہ حضور آپ اس بات کے زیادہ مستحق ہیں کہ آپ کو سجدہ کیا جائے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم میری قبر کے پاس سے گزرو تو کیا اسے سجدہ کرو گے عرض کیا نہیں، فرمایا پھر مجھے بھی سجدہ نہ کرو۔
یہ حدیث نقل کر کے اپنی طرف سے یہ اضافہ کیا :-

اپنے سردار کو سجدہ کرتے تھے، انہوں نے واپس آکر بارگاہ رسالت میں عرض کی کہ حضور آپ اس بات کے زیادہ مستحق ہیں کہ آپ کو سجدہ کیا جائے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم میری قبر کے پاس سے گزرو تو کیا اسے سجدہ کرو گے عرض کیا نہیں، فرمایا پھر مجھے بھی سجدہ نہ کرو۔
یہ حدیث نقل کر کے اپنی طرف سے یہ اضافہ کیا :-

”یعنی میں بھی ایک دن مگر مٹی میں ملنے والا ہوں تو کب سجدہ کے لائق ہوں“ لہ

حالانکہ حدیث شریف کے کسی جملہ کا یہ معنی نہیں اور نہ ہی حدیث سے یہ مطلب سمجھا آتا ہے، جو شخص قصدًا غلط بات حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرتا ہے، اس کے لئے صاف وعید ہے فَلْيَتَّبِعُوا مَقْعَدَ كَايْنِ النَّاسِ لَمْ (وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے)۔

حدیث شریف میں ہے :

إِنَّ اللَّهَ حَدَّمَ عَلَى الدَّرْجَةِ أَنْ تَأْكُلَ

”بے شک اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام فرمایا کہ انبیاء کے اجساد

مبارکہ کو کھائے۔“

پھر کس قدر جرأت ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں یہ کہا جائے کہ ”میں بھی ایک دن مکر مٹی میں ملنے والا ہوں“ اور ستم یہ کہ اسے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان قرار دیا جائے۔

تقویۃ الایمان میں متعدد مقامات پر وہ آیات، انبیاء اور اولیاء پر چسپاں کی گئی ہیں جو بتوں کے بارے میں وارد تھیں، اسی لئے حضرت پیر سید مر علی شاہ گولڑوی قدس سرہ فرماتے ہیں :

”الحاصل ما بین اصنام و ارواح کمل فرقیست بتین و انبیاء لیست باہر، پس آیات واردہ فی حق الاصنام و ابراہیم و اولیاء صلوات اللہ وسلامہ علیہم جمعین حمل نمودن کما فی تقویۃ الایمان تحریفیے است قبیح و تخریبیے است شنیع“ ۱

الحاصل بتوں اور کاملین کی ارواح میں فرق ظاہر و باہر ہے لہذا بتوں کے بارے میں نازل ہونے والی آیات کو انبیاء اور اولیاء پر چسپاں کرنا جیسا کہ تقویۃ الایمان میں ہے قبیح تحریف اور بدترین تحریف ہے۔

مذکورہ بالا عبارات میں تاویل و توجیہ سے بات بنانے کی کوئی گنجائش نہیں ہے، خود مولوی اسماعیل دہلوی نے کہا ہے :

”یہ بات محض بے جا ہے کہ ظاہر میں لفظ بے ادبی کا بولے

اور اس سے کچھ اور معنی مراد لے کہ معما اور پہیلی بولنے کی درست جگہ میں“ ۲

۱۔ مر علی شاہ گولڑوی، حضرت پیر سید : اعلا کلمۃ اللہ، ص ۱۷۱

۲۔ اسماعیل دہلوی : تقویۃ الایمان، ص ۶۳

مولوی حسین احمد مدنی نے لکھا ہے :

”حضرت مولانا گنگوہی۔۔۔۔۔۔ فرماتے ہیں کہ جو اہل فاضل

موسیٰ بن محمد بن حضور سرور کائنات علیہ السلام مہول، اگرچہ کہنے والے نے

نیت حقارت مذکی ہو مگر ان سے بھی کہنے والا کافر ہو جاتا ہے“ لہ

غرض یہ کہ جسے اپنا دین و ایمان عزیز ہو اسے ان لوگوں سے دور

اور الگ رہنا چاہیے۔ ہمدردی نقشبندیہ مجددیہ کے مقتدر بزرگ حضرت شاہ احمد

نقشبندی مجددی قدس سرہ کا ارشاد ملاحظہ ہو، بیان کرنے والے میں ان کے

فرزند گرامی حضرت شاہ محمد مظہر نقشبندی مجددی مہاجر مدنی قدس سرہ فرماتے ہیں:-

ولم يذكر احدا بالسوء الا الفقرة الضالة

الوهابية لتحذير الناس من قباحت افعالهم

واقوالهم ۛ

پھر اسی صفحہ پر چاشنیہ میں لکھتے ہیں :-

وكان قدس سرہ يقول ادنى ضرر صحبتهم

ان محبة النبي صلى الله عليه وسلم التي هي

من اعظم اسرار كان الايمان تنقص ساعة فساعة

حتى لا يبقى منها غير الاسرار والرسم فكيف

يكون اعلاؤه فالحذر الحذر عن صحبتهم

ثم الحذر الحذر عن رؤيتهم اذ فاحفظه (منہ)

ۛ حسین احمد مدنی : الشہاب الثاقب ، ص ۵۷

ۛ محمد مظہر مہاجر مدنی، حضرت مولانا شاہ : المناقب احمدیہ والمقامات السعیدیہ (مطبوعہ قرآن ۱۸۹۶ء) ص ۱۷۶

حضرت شاہ احمد سعید قدس سرہ کسی کی برائی نہیں کرتے تھے سوائے وہابیہ کے گمراہ فرقہ کے، تاکہ لوگوں کو ان کے افعال و اقوال کی قباحت سے ڈرائیں، حضرت فرمایا کرتے تھے کہ وہابیوں کی صحبت کا معمولی نقصان یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت جو ایمان کے بڑے ارکان میں سے ہے، لحظہ بہ لحظہ کم ہوتی جاتی ہے یہاں تک کہ نام و نشان کے علاوہ کچھ بھی نہیں رہ جاتا، جب معمولی ضرر کا یہ حال ہے تو بڑے نقصان کا کیا عالم ہوگا؟ لہذا ان کی صحبت سے بچو، ضرور بچو بلکہ ان کی صورت تک دیکھنے سے ضرور بالضرور اجتناب کرو۔

NAFSE ISLAM



WWW.NAFSEISLAM.COM

امت مسلمہ تقویۃ الایمانی شریات بدعاتی میں

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی قدس سرہ العزیز کے زمانہ تک متحدہ پاک و ہند میں دو ہی گروہ تھے، اہل سنت اور اہل تشیع، لیکن اسماعیل دہلوی نے محمد بن عبدالوہاب نجدی کی تعلیمات سے متاثر ہو کر بے دھڑک امت مسلمہ کو کافر و مشرک قرار دیا اور وہابیت کا ایسا فتنہ چھوڑا جو آج تک تفریق و انتشار کا سبب بن رہا ہے۔

مولوی اسماعیل دہلوی کے عام سوانح نگار ماننے سے گریزاں دکھائی دیتے ہیں کہ انہوں نے محمد بن عبدالوہاب نجدی کی پیروی کی ہے لیکن نواب وحید الزمان (غیر مقلد) بڑی صفائی سے اس کا اعتراف کر گئے ہیں، بدیۃ المسدسی میں لکھتے ہیں :-

”ہمارے بعض متاخرین بھائیوں نے شرک کے بارے میں بہت شدت اختیار کی ہے اور اسلام کا دائرہ تنگ کر دیا ہے اور مکروہ یا حرام امور کو شرک قرار دے دیا ہے۔“ (ترجمہ عجبت) پھر اس کے حاشیہ میں بنایا کہ وہ کون لوگ ہیں :-

”وہ شیخ عبدالوہاب ہیں جنہوں نے ان امور کو شرک قرار دیا ہے کہ اہل مکہ کی طرف ارسالِ ردہ اس کے بیٹے محمد اور پوتے عبداللہ کے مکتوب سے معلوم ہوتا ہے اور مولانا اسماعیل شہید نے تقویۃ الایمان

میں اکثر امور میں اس کی پیروی کی ہے۔ لے
تقویۃ الایمانی شرک و کفر کے چند نمونے آپ بھی ملاحظہ فرمائیں اور تلاش
کریں کہ دنیا میں کون سا خوش نصیب ہے جو ان کی زد میں نہیں آتا۔

”ادل سننا چاہئے کہ شرک لوگوں میں بہت پھیل رہا ہے اور اصل
توحید نایاب لیکن اکثر لوگ شرک و توحید کے معنی نہیں سمجھتے اور ایمان
کا دعویٰ رکھتے ہیں حالانکہ شرک میں گرفتار ہیں۔“ (ص ۵)
یعنی جب تقویۃ الایمان نامی کتاب لکھی گئی، اکثر لوگ (مسلمان) مشرک تھے
اور توحید نایاب تھی، اب ذرا اس شرک کی تفصیل بھی دیکھئے :-

”مشکل کے وقت پیروں، پیغمبروں، اماموں، شہیدوں اور
فرشتوں کو پکارنا شرک، ان سے مرادیں مانگنا شرک، ان کی منتیں
مانگنا شرک، حاجت برآی کے لئے ان کی نذر و نیاز شرک، بلا کے
ٹلنے کے لئے اپنے بیٹوں کی نسبت ان کی طرف کہنا شرک،
عبدالنبی، علی بخش، حسین بخش، پیر بخش، غلام محی الدین، غلام الدین
نام رکھنا شرک“ (مختصاً) (ص ۵)

صاحب تقویۃ الایمان کو مسلمانوں کی یہ وضاحت بھی مطمئن نہیں کرتی
کہ ہم ان حضرات کو اللہ تعالیٰ کے برابر نہیں سمجھتے، ہم انہیں اللہ تعالیٰ کا بندہ
اور مخلوق سمجھتے ہیں، یہ حضرات اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ہمارے سفارشی ہیں، ان کے
ٹلنے سے خدا ملتا ہے، اس قسم کی وضاحت کو یہ کہہ کر کہ ”اسی طرح کی خرافاتیں
کہتے ہیں“ (ص ۶) رد کر دیتا ہے۔

ارشاد الہی وَیَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا یَنْفَعُهُمْ
وَلَا یَنْصُرُهُمْ ۚ الْآیۃُ نَفْلٌ كَرِهُوا ۚ

”یہ بھی معلوم ہوا کہ جو کوئی کسی کو سفارشی بھی سمجھ کر پوجے وہ بھی شرک

ہوتا ہے“ (ص ۷)

حالانکہ یہ آیت صراحتاً ان لوگوں (مشرکوں اور کافروں) کے بارے میں ہے جو اللہ
ملائے کے ماسوا کسی کی عبادت کرتے ہیں اور دنیا کا کوئی مسلمان کسی مخلوق کی عبادت
(پوجا) نہیں کرتا، صاف پتا چلتا ہے کہ وہ بھی نے تمام مسلمانوں ہی کو پہلے کافر اور
مشرک قرار دے رکھا ہے، پھر جتنی آیات کافروں کے بارے میں وارد ہیں، مسلمانوں
پر چسپاں کر دی ہیں ورنہ قرآن کریم کی کسی آیت سے ثابت نہیں ہوتا کہ مقبولانِ بارگاہِ
الہی کو سفارشی ماننے والا کافر ہے۔

”جو کوئی کسی سے یہ معاملہ (پیکارنا، منت ماننا، نذر و نیاز کرنا،

وکیل اور سفارشی ماننا) کرے، گو کہ اس کو اللہ کا بندہ و مخلوق ہی سمجھے،

سوالِ جہل اور وہ شرک میں برابر ہے“ (ص ۸)

”پھر خواہ پول سمجھے کہ یہ بات ان کو اپنی ذات سے ہے خواہ اللہ

کے دینے سے، غرض اس عقیدے سے ہر طرح شرک ثابت ہوتا

ہے“ (ص ۱۱)

یعنی اللہ تعالیٰ کی عطا سے علم و قدرت ماننا بھی شرک ہے، اب خود ہی سوچئے کہ

اَسْتِیْنَاکُمْ مِنْ لَدُنَّا عَلِمًا ۚ وَ عَلِمَکَ مَا لَمْ تَعْلَمَ

وَ کَانَ فَضْلُ اللَّهِ عَلَیْکَ عَظِیْمًا، بزرگانِ دین کا غلاف پکڑ کر دعا مانگنا

شرک اور اگر درویشی کرنا شرک، مجاور بن کر خدمت کرنا مثلاً حجاز و دینا شرک، روشنی

کرنا شرک، فرش بچھنا شرک، پانی پلانا شرک، وضو غسل کا لوگوں کے لئے سامان

درست کرنا شرک (ص ۱۱)

”پھر خواہ یوں سمجھے کہ یہ آپ ہی اس تعظیم کے لائق ہیں یا یوں سمجھے کہ ان کی اس طرح کی تعظیم کرنے سے اللہ خوش ہوتا ہے اور اس تعظیم کی برکت سے اللہ مشکلیں کھول دیتا ہے، ہر طرح شرک ثابت

ہوتا ہے۔“ (ص ۱۲)

”یہ کہنا کہ اللہ و رسول چاہے گو تو میں آؤں گا، شرک، کسی کو

دانا کہنا شرک، کسی کو شہنشاہ کہنا شرک۔“ (ص ۱۳)

تقویۃ الایمان کے مطابق موحّد بن بلعیہ پھر چاہے فرعون، ہامان بلکہ شیطان جتنے گناہ بھی کر لیجئے، سب معاف بلکہ گناہوں کے مطابق رحمت ملے گی چلو چھٹی ہوئی :-

”اس دنیا میں سب گنہگاروں نے گناہ کئے ہیں کہ فرعون بھی

اس دنیا میں تھا اور ہامان بھی اس میں، بلکہ شیطان بھی اسی میں ہے

پھر یوں سمجھے کہ جتنے گناہ ان گنہگاروں سے ہوئے ہیں سو ایک

آدمی وہ سب کچھ کرے لیکن شرک سے پاک ہو تو جتنے اس کے

گناہ ہیں اللہ صاحب اتنی ہی اس پر بخشش کرے گا۔“ (ص ۲۲)

”یہ جو بعض لوگ اگلے بزرگوں کو دور دور سے پکارتے ہیں اور

اتنا ہی کہتے ہیں کہ یا حضرت تم اللہ کی بناب میں دعا کرو کہ وہ اپنی

قدرت سے ہماری حاجت روا کرے۔۔۔۔۔۔ یہ بات غلط ہے

اس واسطے کہ گو اس مانگنے کی راہ سے شرک ثابت نہیں ہوتا بلکہ

پکارنے کی راہ سے ثابت ہو جاتا ہے۔“ (ص ۲۴)

گو یاد دور سے پکارنا اللہ تعالیٰ کے ساتھ منحصر ہے اور یہ اتنی قوت ہوگا

جب اللہ تعالیٰ کو دور مانا جائے گا، مقبولانِ بارگاہِ الہی کو دور سے پکارا تو شرک لازم آئے گا، معاذ اللہ!

حصنِ حصین میں حدیث ہے :-

وَاِنْ اَسْرَا دَعَوْنَا فَلَیْقُلْ یَا عِبَادَ اللّٰهِ اَعِیْنُوْنِیْ
 یَا عِبَادَ اللّٰهِ اَعِیْنُوْنِیْ یَا عِبَادَ اللّٰهِ اَعِیْنُوْنِیْ۔

”اگر مدد طلب کرے تو کہے اے اللہ کے بندو! میری مدد کرو“
 اے اللہ کے بندو! میری مدد کرو، اے اللہ کے بندو! میری مدد کرو“
 نواب قطب الدین ظفر جلیل شرح حصنِ حصین میں لکھتے ہیں :-

”میرک شاہ نے بعض علماءِ ثقات سے نقل کیا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے اور محتاجِ میں طرف اس کے تمام مسافر اور مشائخ سے روایت کی گئی ہے کہ یہ مجرب ہے اس مقدمہ میں“۔

تقویۃ الایمان کے مطابق اس حدیث پر نہ صرف پکارنے کے اعتبار سے بلکہ مانگنے کے اعتبار سے بھی شرک کا حکم عائد ہوگا، نعوذ باللہ تعالیٰ من ذلک۔
 ”سواب بھی جو کوئی کسی مخلوق کا عالم میں تصرف ثابت کرے اور اپنا وکیل سمجھ کر اس کو مانے سواب اس پر شرک ثابت ہو جاتا ہے گو کہ اللہ کی برابر نہ سمجھے اور اس کے مقابلہ کی طاقت اس کو ثابت نہ کرے“

(ص ۳۲)

مشرک گری کا شوق کس قدر شدید ہے کہ جو شخص کسی مخلوق کے لئے جہان میں تصرف ثابت کرے یا کسی کو اپنا وکیل مانے اس پر شرک کا فتوے جاری

کر دیا جائے گا اگرچہ وہ اس مخلوق کو اللہ تعالیٰ کے برابر نہ جانے، اللہ تعالیٰ فرشتوں کے بارے میں فرماتا ہے: **فَالْمَلَائِكَةُ سَاجِدَاتٌ آمَنَاتٌ** "قسم ہے ان فرشتوں کی جو امورِ بر عالم کا انتظام کرنے والے ہیں" قرآن پاک کے مطابق بنی اسرائیل عرض کرتے ہیں: **يَا مُوسَىٰ اِذْ عَلِمْنَا مَا سَأَلَكَ** "اے موسیٰ! (علیہ السلام) اپنے رب سے ہمارے لئے دعا کیجئے۔"

حدیث شریف میں ہے کہ قیامت کے روز تمام مخلوق انبیاءِ کرام کی خدمت میں حاضر ہوگی اور سرورِ عالم محبوبِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہو کر عرض کریں گے کہ بارگاہِ الہی میں تیری شفاعت کیجئے اور میں اس مصیبت سے نجات دلائیے جس میں ہم مبتلا ہیں، یہ وکالت نہیں تو اور کیا ہے؟ تقویۃ الایمان کے مطابق تو قرآن و حدیث پر بھی شرک کا الزام آئے گا اور جب قرآن و حدیث ہی الزام سے بری نہ ہوئے تو اور کسی کے لئے کہاں گنجائش ہوگی؟

صفحہ ۳۵ سے ۳۷ تک شفاعت کا کھلم کھلا انکار کیا ہے جس کی تفصیل آپ تحقیق الفتویٰ میں ملاحظہ فرمائیں گے۔
ملف صالحین سے برگشتہ کرنے کے لئے لکھا ہے :-

"کسی کی راہ و رسم کو ماننا اور اس کے حکم کو اپنی سند سمجھنا یہ بھی انہی باتوں میں سے ہے کہ خاص اللہ نے اپنی تعظیم کے واسطے ٹھہرائی پھر جو کوئی یہ معاملہ کسی مخلوق سے کرے تو اس پر بھی شرک ثابت ہوتا ہے۔" (ص ۴۷)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فَسْئَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ

”اگر تم نہیں جانتے تو علم والوں سے پوچھو“

اب سوال یہ ہے کہ اہل علم کے قول پر اعتماد کیا جائے گا یا نہیں؟ اگر اعتماد نہیں تو پوچھنے کا کیا فائدہ؟ کیا معاذ اللہ! اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو عبث کا حکم دیتا ہے؟ اور اگر ان کے قول پر اعتماد کیا جائے تو تقویۃ الایمان کے مطابق شرک ٹھہرے گا، اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی تعمیل ہو تو کیونکر؟ یہ بات پیش نظر رہے کہ کوئی ایماندار عالم کتاب و سنت کے مقابل قول کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا وہ وہی حکم لیا کرے گا جو خدا و رسول کا ہو۔

پھر اللہ تعالیٰ نے سورۃ فاتحہ میں ہمیں دعا مانگنے کا طریقہ یہ بتایا ہے کہ اے اللہ! ہمیں راہِ راست کی ہدایت عطا فرما، چونکہ ہر گمراہ اور غلط کار یہ کہتا ہے کہ جس راہ پر میں چل رہا ہوں وہی راہِ راست ہے، اس لئے صراطِ مستقیم کی نشانی یہ بیان فرمادی صراط الذین انعمت علیہم یعنی جو شخص انعام یافتہ حضرات (انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین) کی راہ اختیار کرے گا وہ راہِ راست پر ہے اور جو ان کی راہ سے برگشتہ ہو غلط کار اور گمراہ ہے، مگر مولوی اسماعیل کو اصرار ہے کہ کسی کی راہ درست سمجھ کر ماننا اور اسی کے حکم کو اپنی سند بھجنا شرک ہے۔
ع۔ بہ یہی تفاوت راہ از کجاست تا بہ کجاست

معاملہ سلف صالحین تک ہی نہیں رہ جاتا بلکہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حکم کو واجب الاطاعت ماننا بھی شرک قرار دیا ہے :

”یا خود پیغمبر سی کو یوں سمجھے کہ شرع انہیں کا حکم ہے، ان کا جو

جی چاہتا تھا اپنی طرف سے کہہ دیتے تھے اور وہی بات انکی امت پر لازم ہو جاتی تھی، سو ایسی باتوں سے شرک ثابت ہوتا ہے بلکہ اصل حکم اللہ ہے اور پیغمبر خبر دینے والا ہے۔“ (ص ۴۷)

ارشادِ ربانی ہے **اطِيعُوا اللَّهَ وَاطِيعُوا الرَّسُولَ** اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو۔ اگر رسول کے حکم کی اطاعت لازم نہیں ہے تو **اطِيعُوا الرَّسُولَ** کی کیا گنجائش رہ جاتی ہے؟

حضرت اقرع بن حابس نے پوچھا کیا حج ہر سال فرض ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سکوت فرمایا، جب انہوں نے دوسری اور تیسری بار یہی سوال کیا تو فرمایا **لَوْ قُلْتُ نَعَمْ لَوَجَبَتْ** اگر میں ہاں کہہ دیتا تو حج ہر سال فرض ہو جاتا۔ مولوی اسماعیل دہلوی کا تہرہ دیکھئے کہ جو شخص یہ سمجھے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اپنے فرمان سے کوئی بات واجب ہو جاتی ہے تو دہلوی کے نزدیک شرک واجب ہو جاتا ہے۔ اہل سنت کا عقیدہ یہ ہے کہ وہ اشیا جن کے بارے میں نص وارد نہیں ہوئی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کا حکم فرمادیں تو واجب اور اگر منع فرمادیں تو ممنوع، **مَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا**۔

علامہ شریعت الدین بوصیری قدس سرہ فرماتے ہیں

نَبَيْنَا الْأَمِيرُ لَنَا هِيَ فَلَا أَحَدٌ

أَبَتْ فِي قَوْلٍ لَا مِثْلَهُ وَلَا نَعَم

”ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حکم دینے والے، منع فرمانیوالے

ہیں، کوئی شخص نعم اور نہی (ہاں اور نہیں) کہنے میں آپ سے سچا نہیں ہو سکتا“

امتِ مکہ کو جس بے دردی سے مشرک قرار دیا ہے وہ بڑا ہی خوفناک انداز ہے، یوں معلوم ہوتا ہے کہ ایک دیوانہ یا سویا ہوا آدمی جو وہاں ہی تباہی مٹنے میں آتا ہے کہے جاتا ہے، ملاحظہ ہو:-

”اور کسی کی قبر پر یا چتہ پر یا کسی کے مقان پر جانا اور دور سے

قصد کرنا اور سفر کی رنج و تکلیف اٹھا کر میٹھے کھیلے ہو کر وہاں پہنچنا اور وہاں جا کر جانور چڑھا نے اور منتیں پوری کرنی اور کسی قبر یا مکان کا طواف کرنا اور اس کے گرد و پیش کے جنگل کا ادب کرنا، دھواں شکار نہ کرنا، درخت نہ کاٹنا، گھانس نہ اکھاڑنا اور اسی قسم کے کام کرنے اور ان سے کچھ دین و دنیا کے فائدے کی توقع رکھنی، یہ سب شرک کی باتیں ہیں، ان سے بچنا چاہئے کیونکہ یہ معاملہ خالق ہی سے کیا چاہئے، کسی مخلوق کی یہ شان نہیں کہ اس سے یہ معاملہ کیجئے۔“ (ص ۳۵)

اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ معاف اللہ! اللہ تعالیٰ کی قبر بھی ہے جہاں دور سے قصد کر کے جانا چاہئے اور اس کا طواف کرنا چاہئے کیونکہ بقول تقویۃ الایمان یہ معاملہ خالی ہی سے کیا چاہئے۔

ان امور پر تفصیلاً گفتگو تو صدر الافاضل حضرت مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی قدس سرہ کی تصنیف لطیف الطیب البیان میں کی گئی ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

”میں نے تمہیں قبروں کی زیارت سے منع کیا تھا، خبردار! تم قبروں کی زیارت کیا کرو کہ یہ زیارت آخرت کی یاد دلاتی ہے اور دنیا سے بے رغبت کرتی ہے۔“

لیکن تقویۃ الایمان کے مطابق قبر پر جانا شرک ہے، خاص طور پر روضہ مبارکہ کی زیارت کے بارے میں متعدد حدیثیں وارد ہیں۔ ایک حدیث میں ہے مَنْ حَجَّ وَلَمْ يَزُرْنِي فَقَدْ جَفَانِي جس نے حج کیا اور میری زیارت نہ کی اس نے مجھ پر ظلم کیا، تقویۃ الایمان کی رو سے دور سے قصد کر کے جانا شرک ہے۔

طوافِ قبر کے متعلق شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا ارشاد ملاحظہ ہو :-
 ” بعدہ ہفت کرت طواف کند، وراں بجیر بخواند و آغاز از راست
 بجذ بعدہ طرف پایاں رخسارہ ہند و بیاید نزدیک روئے میت
 بنشیند بگوید یا رب، بست و یک بار :-“

(الانتباه فی سلاسل اولیاء اللہ)

تقویۃ الایمانی دین کے مطابق حضرت شاہ صاحب مشرک ٹھہرے
 کہ وہ طوافِ قبر کا حکم دے رہے ہیں کہ دائیں جانب سے شروع کرے،
 سات چکر لگائے، ان میں بجیر کہے، میت کے پاؤں کی طرف رخسارہ رکھے
 پھر میت کے چہرے کے سامنے آکر ۲۱ مرتبہ یا رب کہے۔

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں :-

إِنِّي أَحَرِّمُ مَا بَيْنَ لَا بَتِّي الْمَدْيَنَةِ
 أَنِّي طَعَمَ عِصَاهُهَا أَوْ يُقْتَلَ صَيِّدُهَا۔

(مشکوٰۃ شریف، ص ۲۲۹)

” میں نے یہاں کے دونوں سنگستانوں کے درمیان حصہ
 کو حرام کر دیا ہوں، اس کے درختوں کا کاٹنا اور اس کا شکار کرنا۔“
 اسی کو تقویۃ الایمان میں شرک قرار دیا گیا ہے۔

تذکیر الاخوان، تقویۃ الایمان کا دوسرا حصہ عربی میں تھا، مولوی اسماعیل
 دہلوی کا ارادہ تھا کہ اس کا اردو ترجمہ کیا جائے لیکن مہلت نہ ملی، اس کے مرید
 محمد سلطان نے اردو ترجمہ کیا، اس میں جن امور کو بدعت اور گمراہی قرار دیا ہے
 ان کی فہرست طویل ہے، چند مثالیں ملاحظہ ہوں :-

” پھران میں کوئی قادری، کوئی سہروردی، کوئی نقشبندی، کوئی چشتی

بنے حکم یہی ہے کہ سب مل کر قرآن و حدیث پر عمل کرو اور سنت
کے طریقے کے موافق مسلمان رہو اور یہود و نصاریٰ کی طرح کئی
فرقے مت بوجاؤ۔ (ص ۷۹)

یعنی چشتی، نقشبندی، قادری اور سہروردی بننا، یہود و نصاریٰ
کی تفرقہ بازی کی طرح ہے۔

نئے نئے فرقوں اور بدعتوں کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا :-

” ایک فرقے نے گونہ نشینی اور ترک امر بالمعروف و نہی عن
المنکر اختیار کر کے شغل بربذخ (تصویر شیخ) اور نماز معکوس اور ختم
اور توشے اور طرح طرح کے درود و وظیفہ اور فالنامے اور گنڈے
تعوذ اور اُتارے اور حاضر تہیں اور غرس اور قبروں پر مراقبہ اور
باجہ راگ سننا اور حال لانا ایجاد کیا اور مشائخ اور پیر کہلاتے، پھر
کسی نے آپ کو چشتی مقرر کیا اور کسی نے قادری اور کسی نے نقشبندی
کسی نے سہروردی، کسی نے رفاعی ٹھہرا لیا۔“ (ص ۸۱)

تقویۃ الایمان کے مطابق تمام سلاسل کے مشائخ اور مریدین بدعتی ٹھہرے۔

” شادی میں سہرا باندھنا، عید میں بے لگیا ہو کر ملنا، شہرات میں
روشنی کرنا، تیجہ، دسواں، چالیسواں، برسی مردوں کی کرنا، نساں قدم
رسول وغیرہ کی تعظیمیں کرنا، یہ سب ہندوؤں کی اور اپنے عالموں اور
مولویوں اور درویشوں کی نکالی ہوئی ایجادیں بات کو خدا اور رسول
کے فرمودے کے برابر سمجھنا اور اس کی تحقیق نہ کرنا۔“ (مختصاً ص ۸۳)

لڑکاپیدا ہونے پر جھپٹی کرنا، بسم اللہ کے واسطے چار برکس اور
چار مینے کی قید کرنا اور بسم اللہ کی شادی کی محفل کرنا، ربیع الاول میں لودی

محل ترتیب دینا اور جب وہاں ذکر حضرت کے پیدا ہونے کا آوے
 کھڑے ہو جانا، ربیع الثانی کو گیارہویں کرنا، شعبان میں حلو اچکانا، شوال
 میں عید کے روز سوتیاں پکانا اور بعد نماز عیدین بغلیں ہو کر ملنا یا مسنا
 کرنا اور ذیقعدہ کے مہینے میں نکاح کرنا، کفنی پر کلمہ وغیرہ لکھنا اور
 قبر میں قل کے ڈھیلے رکھنا اور شجرہ رکھنا اور تیجہ دسواں چالیسواں
 اور چھ ماہی اور برسی عرس مردوں کے کرنا اور اسقاط مروجہ کرنا،
 حافظوں کو قبروں پر بٹھلانا، قبروں پر چادریں ڈالنا، مقبرے
 بنانا، قبروں پر تاریخ لکھنا، وہاں چلاخ جلانا اور وردِ نادِ علی اور
 ختم بزرگوں کے نام کے اور مقلد کے حق میں تقلید ہی کافی جاننا
 (مختصاً) (ص ۸۶ تا ۸۸)

غرض یہ کہ ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت عامۃ المسلمین کو
 مشرک اور بدعتی قرار دے کر ایک نئے فرقے کی بنیاد رکھی گئی ہے اور مشرک ساز
 کاجنوں اس حد تک پہنچا کہ جو نظر کے سامنے آیا اسے مشرک قرار دے دیا،
 یہ بھی مشرک وہ بھی مشرک، تم بھی مشرک اور میں بھی مشرک، تقویۃ الایمان
 کے مطابق مولوی اسماعیل دہلوی سمیت دنیا کے تمام افراد مشرک ہیں۔
 مشکوٰۃ شریف کے حوالے سے دہلوی صاحب نے ایک حدیث
 نقل کی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ قیامت کے اللہ تعالیٰ ایک پاکیزہ ہوا بھجے گا
 جو ہر اس شخص کو قبض کر لے گی جن کے دل میں رائی کے برابر ایمان ہوگا، وہی
 لوگ باقی رہ جائیں گے جن میں کچھ خیر نہ ہوگی تو وہ اپنے آباء کے دین کی طرف
 لوٹ جائیں گے۔

اس کے بعد مولوی اسماعیل دہلوی نے بے فائدہ ایک فائدہ کا اضافہ

کرتے ہوئے لکھا :-

” اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آخر زمانہ میں قدیم شرک بھی رائج ہوگا
سو پیغمبر خدا کے فرمانے کے موافق ہوا“ (ص ۵۰)

لیجئے وہ ہوا (دہلوی کی قسمت کے لئے) چل چکی اور دنیا میں کوئی ایسا
شخص باقی نہیں رہا جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان ہو، تو خود دہلوی
اسمعیل دہلوی کا کیا حال ہوگا؟

حضرت علامہ قاضی عیاض قدس سرہ شفا شریف میں فرماتے ہیں :-
نَقَطَ بِتَكْفِيرِ كُلِّ قَاتِلٍ قَاتِلٍ قَالَ قَوْلًا يَتَوَصَّلُ
بِهِ إِلَى تَضَلُّلِ الْأُمَّةِ -

” جو کوئی ایسی بات کہے جس سے تمام امت کو گمراہ ٹھہرانے
کی طرف راہ نکلے وہ یقیناً کافر ہے“ -

چونکہ تقویۃ الایمان میں عامۃ المسلمین کو مشرک اور بدعتی قرار دیا گیا تھا
اس لئے علماء اہل سنت نے سختی سے اس کا نوٹس لیا یہاں تک کہ شاہ عبدالغفر نے
محدث دہلوی نے بھی اس سے برارت اور سب زاری کا اظہار فرمایا۔ مولانا محمد مخصوص الشہ
مولانا محمد موسیٰ، حضرت شاہ احمد سعید مجددی، مفتی صدر الدین آزاد دہ، شاہ
فضل حق خیر آبادی، شاہ عبدالمجید بدایونی اور شاہ فضل رسول بدایونی قدس سرہ
ایسے اکابر معاصرین نے تقریر و تحریر کے ذریعے ردِ بلیغ کیا۔ کچھ لوگوں نے ان نظریات
کو اپنا کر حمایت کا راستہ اختیار کیا، پھر فریقین میں وہ معرکہ آرائی ہوئی کہ پورا ہند
میدان کارزار دکھائی دینے لگا۔

آج غیر مقلدین، دیوبندی، جماعت اسلامی تبلیغی جماعت، تقویۃ الایمانی عقائد و نظریات پر کاربند ہیں اور اسی رشتے کی بنا پر پرنسپل کی تمام تر مالی، علمی اور اخلاقی امداد ان جماعتوں کو حاصل ہے، صرف اہل سنت و جماعت (جن کا پاک و سبند میں امتیازی نشان بریلوی ہے) سلف صالحین کے مسلک پر عمل پیرا ہیں اور ان عقائد کے حامل ہیں جو تقویۃ الایمان سے پہلے تمام مسلمانان عالم کے عقائد تھے اور آج بھی مسلمانوں کی اکثریت انہی عقائد پر ہے، ان کی خصوصیت یہ ہے کہ دنیا و آخرت کی نجات نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سچی محبت اور اتباع میں مضمر مانتے ہیں، فریقین کے درمیان اصولی (اعتقادی) اختلافات کی خلیج اتنی وسیع ہے جسے پٹا نہایت مشکل ہے، پہلا فرق تقویۃ الایمانی معتقدات سے دستبردار ہونے کے لئے ہرگز تیار نہیں ہوگا اور دوسرا فرق انبیاء و اولیاء کی محبت و عقیدت اور سلف صالحین کی روش سے منحرف ہونا گوارا نہیں کرے گا اور یہ سب کچھ مولوی ہمدانی دہلوی کا کیا دھرا ہے جس نے دیدہ دانستہ اختلاف و انتشار کی تخم ریزی کی اور حجازیہ پیش کیا کہ خود لڑ بھڑ کر ٹھیک ہو جائیں گے، چنانچہ ایک مقام پر اعتراف کرتے ہوئے لکھا :-

”میں نے یہ کتاب لکھی ہے اور میں جانتا ہوں کہ اس میں بعض جگہ ذراتیز الفاظ بھی آگئے ہیں اور بعض جگہ تشدد بھی ہو گیا ہے مثلاً ان امور کو جو مشرک خفی تھے شرک جلی لکھ دیا گیا ہے، ان وجوہ سے مجھے اندیشہ ہے کہ اس کی اشاعت سے شورش ضرور ہوگی۔۔۔۔۔ مگر توقع ہے کہ لڑ بھڑ کر خود ٹھیک ہو جائیں گے“ لہ

کیا کوئی ذی ہوش یہ فارمولہ تسلیم کر لے گا کہ چونکہ طوائف بھڑائی کے بعد خود مصالحت ہو جائے گی اس لئے افراق کا بیج بونیا چاہئے، یہ تو ایسا ہی ہے کہ کسی شخص کو اس توقع پر نہ ہر دے دیا جائے کہ خود الٹ پلٹ ہونے کے بعد صحیح ہو جائے گا، کاش کہ مولوی اسماعیل دہلوی یہ کتاب لکھ کر شیرازہ امت کو بکھیرنے کا سبب نہ بنتا۔

مجاہد اسلام مولانا حسین حلمی بن سعید مدظلہ کو اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت کی برکتوں اور سعادتوں سے مالا مال فرمائے کہ انہوں نے مکتبہ الشیخ، استنبول ترکی سے اہل سنت و جماعت کی حمایت اور وہابیت کے رد میں بے اندازہ لٹریچر شائع کر کے بین الاقوامی سطح پر سنت تقسیم کیا ہے، ان کی کوششیں پیرانہ گائی مشائخ عظام اور علماء دین کے لئے بہترین مثال کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ہم سب عزت و عافیت مسکاب اہل سنت کی بقا سے وابستہ ہیں اس لئے مسکاب اہل سنت و جماعت کا تحفظ اور اس کی اشاعت کا فریضہ ہم سب پر عائد ہوتا ہے۔

نفس اسلام

WWW.NAFSEISLAM.COM

تحقیق الفتوے فی ابطال الطغویٰ

مولوی اسماعیل دہلوی نے ۱۵ محرم ۱۲۴۰ھ کو تقویۃ الایمان لکھی، کسی شخص نے اس کی ایک عبارت نقل کر کے شہ فضل حق خیر آبادی کی خدمت میں پیش کی جس میں شفاعت کا انکار کیا گیا تھا۔ علامہ نے ۱۸ رمضان المبارک ۱۲۴۰ھ/۱۸۲۵ء میں تحقیق الفتوے فی ابطال الطغویٰ (سرکشی کے ابطال میں فتوے کی تحقیق) لکھی اور جواب کا حق ادا کر دیا۔

تقویۃ الایمان (مطبوعہ مکنسائل پرنٹنگ دہلی) کے ص ۳۵ سے ۳۸ تک مسئلہ شفاعت پر گفتگو کی گئی ہے جس کا خلاصہ درج ذیل ہے :

شفاعت کی تین قسمیں ہیں :-
(۱) شفاعت وجاہت، مثلاً بادشاہ کے پاس کسی مقتدر وزیر نے ایک مجرم کی سفارش کی، بادشاہ اس خطرے کے پیش نظر اس کی سفارش مان لیتا ہے کہ نہ ماننے کی صورت میں وزیر ناراض ہو جائے گا اور نظام مملکت میں خلل پڑ جائیگا۔ اس اعتبار سے بارگاہِ الہی میں شفاعت نہیں ہو سکتی کیونکہ کسی بھی بزرگ شخصیت کو بارگاہِ الہی میں یہ مرتبہ حاصل نہیں ہے۔

”اس شہنشاہ کی تو یہ شان ہے کہ ایک آن میں ایک حکم کن سے چاہے تو کروڑوں نبی اور ولی اور جن و فرشتہ جبریلی اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی برابر پیدا کر ڈالے“ (ص ۳۵)

- ۲ : شفاعت بالمحبّت : مثلاً بادشاہ کا محبوب سفارش کرے اور بادشاہ اس کی سفارش اس لئے قبول کر لے کہ کہیں محبوب رُوٹھ نہ جائے اور اس کے رُوٹھنے سے مجھے رنج لاحق نہ ہو۔ یہ شفاعت بھی بارگاہِ الہی میں نہیں ہو سکتی۔
- ۳ : شفاعت بالاذن : مثلاً چور گرفتار ہو کر بادشاہ کے سامنے پیش ہوتا ہے وہ ہمیشہ کا چور نہیں ہے، اپنے کئے پر نادم ہے اور کسی امیر و وزیر کی پناہ نہیں لیتا، بادشاہ اسے معاف کرنا چاہتا ہے لیکن آئین بادشاہت کا خیال کر کے بے سبب درگزر نہیں کر سکتا، کوئی امیر و وزیر اس کی مرضی پا کر اس تقصیر وار کی سفارش کرتا ہے اور بادشاہ اس امیر کی عزت بڑھانے کو ظاہر میں اس کی سفارش کا نام کر کے اس چور کی تقصیر معاف کر دیتا ہے سو اللہ کی جناب میں ایسی قسم کی شفاعت ہو سکتی ہے اور جس نبی و ولی کی شفاعت کا قرآن و حدیث میں ذکر ہے، سو اس کے معنی یہی ہیں (مختصاً) چونکہ قرآن و حدیث سے انبیاء و اولیاء کی شفاعت ثابت ہے اس لئے پہلی دو قسموں کا کھلم کھلا انکار کیا اور تیسری قسم کے انکار میں حیلہ بہانہ سے کام لیا کیونکہ نفوذ الایمان کے مطابق تیسری قسم میں محض بظاہر شفاعت ہے، درحقیقت اللہ تعالیٰ خود مجرم کو معاف کرنا چاہے گا لیکن آئین بادشاہت کا خیال کر کے بے سبب درگزر نہیں کر سکے گا اس لئے نبی و ولی، اللہ تعالیٰ کا منشا معلوم کر کے شفاعت کریں گے اور اللہ تعالیٰ برائے نام اس شفاعت کو قبول کر کے از خود مجرم کو معاف کر دے گا۔
- دیکھا آپ نے کہ کس طرح اللہ تعالیٰ کا عجز ثابت کیا کہ بے سبب درگزر نہیں کر سکے گا اور کس عیاری سے انبیاء و اولیاء سے شفاعت کی اس قسم کی بھی نفی کر دی۔

سائل نے یہ عبارت نقل کر کے علامہ فضل حق خیر آبادی سے درج ذیل سوال دریافت کئے :-

(۱) یہ قول حق ہے باطل؟
(۲) یہ کلام حضور سید الانام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تنقیصِ شان پر مشتمل ہے یا نہیں؟

(۳) اگر یہ کلام تنقیصِ شان ہے تو اس قائل کا شرعی طور پر کیا حکم ہے؟
حضرت علامہ نے جواب کو چار مقامات پر تقسیم کیا ہے :-
پہلا مقام : شفاعت کی حقیقت اور اس کے اقسام اور بالخصوص سید الشافعیین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شفاعت کا بیان۔

دوسرا مقام : قائل مذکور کے کلام کا ابطال۔
تیسرا مقام : یہ کلام حضور سید المقربین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تنقیصِ شان پر مشتمل ہے۔

چوتھا مقام : علامہ شریعت کے نزدیک اس جرم کے نزدیک کا حکم۔
ہر مقام میں عقلی و نقلی دلائل تفصیل سے بیان کئے اور آخر میں سوال نمبر ۱ کے ہر جز کا جواب بیان کیا جس کا خلاصہ یہ ہے :-

(۱) یہ کلام سراپا جھوٹ اور فریب ہے کیونکہ اس میں گناہگاروں کی نجات کے لئے شفاعت کے سبب ہونے کا انکار ہے اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام انبیاء و اولیاء اور ملائکہ کی شفاعت و جاہلیت اور شفاعت محبت کی نفی ہے اور یہ عقیدہ قرآن و حدیث اور اجماع امت کے خلاف ہے جیسا کہ تفصیلاً پہلے مقام میں بیان ہوا۔

(۲) بے شک اس کا یہ کلام حضرت محبوب رب العالمین تمام انبیاء، ملائکہ

اور ادلیا کر کام کی تقصیر شان پر مشتمل ہے جیسا کہ تیسرے مقام میں بیان ہوا۔
 (۳) اس بے فائدہ کلام کا قائل شریعت مبارکہ کی رو سے بلاشبہ کافر و بدعتین
 ہے، اگر نہ مسلمان نہیں ہے اور شرعاً اس کا حکم قتل اور تکفیر ہے۔
 یہ فتوے بعد کے علماء کے لئے مشعل راہ ثابت ہوا اور اکابر علماء
 نے بطور حوالہ اس کی عبارتیں نقل کی ہیں۔

حضرت مولانا شاہ فضل رسول بدایونی قدس سرہ فرماتے ہیں :-
 ”مولوی فضل حق خیر آبادی نے (جزاۃ اللہ خیراً) کہ علم و فضل
 میں مولوی اسماعیل وغیرہ کو ان سے کچھ نسبت نہیں، علوم عقیدہ و نقلیہ
 اپنے والد ماجد سے کہ یکجا نہ عصر تھے، حاصل کئے، مولوی اسماعیل
 کے دو بیروان کا رد و ابطال کیا اور تکفیر کی، نوبت تحریر کی آئی، مسئلہ
 شفاعت میں مولوی اسماعیل نے حرکت مذکور کی کچھ جواب میں کی، آخر کو
 عاجز و ساکت ہو گئے اور تحقیق الفتوے فی رد اہل الطغویٰ کمال
 شرح و بسط سے مولوی فضل حق صاحب نے لکھا، لہ
 اس کے بعد تحقیق الفتوے کے آخر سے فتوے کا خلاصہ نقل
 کیا اور بعد میں فرمایا :-

”مہر میں وہ تحت خط اکثر علماء کی اس پر نسبت ہوئی، لہ

حضرت مولانا غلام قادر بھیروی (جنہوں نے اردو میں اسلام کی
 گیارہ کتابیں لکھیں اور بے شمار ضلّی خدا ان سے مستغفیر ہوئی) نے بحر الحقیقت

(مطبع مجوبی، دہلی ۱۰۶۶ھ ص ۱۲) کے حوالہ سے فتوے کا خلاصہ نقل کیا ہے اور خلاصہ نقل کرنے سے پہلے فرماتے ہیں :-

”یہ آج کی بات نہیں بلکہ ایسے مباحثے و مذاکرہ مصنفِ تقویۃ الایمان سے دہلی میں علماء و فضلاء اہل سنت و جماعت نے کئے تھے اور اس وقت مصنف مذکور مغلوب ہو گیا تھا لیکن اب ہوائے نقسانی کو کام فرما کر اپنی عادت سے باز نہ آیا، اس پر کئی فتوے تکفیر کے باعث تصنیف کتاب مذکورہ کے تحریر ہوئے“ ۱

فتوے نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں :-

”اور اکثر علماء شاہ جہان آباد کی مہر اس پر ثبت ہیں“ ۲ علامہ فضل حق خیر آبادی نے تقویۃ الایمان کی اس عبارت پر ”اس شہنشاہ کی تو یہ شان ہے الخ“

گرفت فرماتے ہوئے مسئلہ اقتناع النظیر پر بھی بحث کی تھی کہ اوصافِ کاملہ میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نظیر ممتنع بالذات ہے اور اس پر ایک دلیل یہ دی کہ :-

”اگر ایک بادشاہ کو تین کا تعلق اوصافِ کاملہ میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نظیر کے ساتھ صحیح ہو تو اللہ تعالیٰ کے جھوٹ کا صحیح ہونا لازم آئے گا کیونکہ اوصافِ کاملہ میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نظیر اور آپ کا رُوی نبی ہی ہو گا اور حضور

۱ علامہ غلام قادر سمیروی، امام علامہ : اسلام کی آکٹوئی کتاب (جے این سنت گنگوہی لاہور ۱۹۳۹ء) ص ۵-۴

کی بھی تقلید نہ کی جاوے جیسا اپنے زعم میں آوے، گو آیاتِ قطعیہ اور جہودِ عقلاء کے مخالف ہو، درست ہے جیسے مولوی اسماعیل صاحب نے کذب کا امکان کلامِ ربانی میں مخالفتِ ادلہ نقیہ و عقلیہ کے جائز رکھا کہ مع متبعین موردِ آیہ فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا لِّيُضِلَّ النَّاسَ بِغَيْرِ عِلْمٍ اِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ کے ہوئے، لہ

البتہ مولوی محمد لدھیانوی نے مسئلہ امتناعِ نظیر میں شاہِ فضلِ حق خیر آبادی کی مخالفت کی ہے اور لکھا ہے :

”مولوی فضلِ حق صاحب اور متبعین ان کے مثل مولوی غلام دستگیر صاحب قصوری وغیرہ نظیر خاتم النبیین کو ممتنع بالذات قرار دینے میں سخت غلطی پر ہیں، دلائلِ عقلیہ و نقلیہ بالکل ان کے مخالف ہیں“ ۷۷

معلوم ہوتا ہے کہ علامہ فضلِ حق خیر آبادی کی کوئی تصنیف مولوی محمد لدھیانوی کے سامنے نہیں تھی اس لئے علامہ کی کسی دلیل کو نقل کر کے اس کا جواب نہیں دیا۔ امکانِ کذبِ باری تعالیٰ کے رد میں اعلیٰ حضرت امامِ اہل سنت مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہ نے متعدد رسائلِ تحریر فرمائے ہیں جو سب سے استبوع میں چھپ چکے ہیں، آج تک بفضلمِ تعالیٰ کسی کو ان کے جواب دینے کی ہمت نہیں ہوئی۔

مولانا احمد حسن کانپوری نے رسالہ مبارکہ تنزیہ الرحمن عن شائتہ
الکذب والنقصان لکھا اور اس میں منظرہ بہاولپور کے دیوبندی استبدالات
پر بھی کلام کیا ہے

مولوی محمد حسن دیوبندی نے اس کے جواب میں الجہد المقل
لکھی جس میں اللہ تعالیٰ کے لئے جھوٹ کا امکان ثابت کرتے کرتے
تمام افعال قبیحہ قدرت باری تعالیٰ کے تحت داخل ہونے کا اعتراف کر گئے
ہیں، چنانچہ لکھتے ہیں :-

” افعال قبیحہ کو مثل دیگر ممکنات ذاتیہ مقدور باری جملہ اہل حق
تسلیم فرماتے ہیں کیونکہ خرابی ہے تو اول (ان) کے صدور میں ہے
نفس مقدوریت میں اصل کوئی خرابی نظر نہیں آتی :-
چند سطور کے بعد لکھتا ہے :-

” بالجملہ قبائح کے صدور کو ممکن بالذات کہنا بجا اور مذہب
اہل سنت ہے البتہ بوجہ امتناع بالغیر ان کے تحقق و فعلیت
صدور کے کبھی لزوم نہیں آسکتی “

مولانا حکیم سید برکات احمد ٹونکی نے الصمصام القاضی لہذا
المفتی علی اللہ الکذب اور مولانا مفتی محمد عبدالشہ ٹونکی نے عجالة الراكب
فی امتناع کذب الواجب لکھ کر عقیدہ اسکا ان کذب کا ردِ بلیغ فرمایا۔

حضرت پیر سید مر علی شاہ گولڑوی قدس سرہ نے ۱۹ محرم ۱۳۳۱ھ

۱۔ محمود احمد قادری، مولانا شاہ : تذکرہ علمائے اہل سنت (مطبوعہ کانپور ۱۳۹۱ھ) ص ۲۸

۲۔ محمود حسن دیوبندی : الجہد المقل (مطبع بلالی، ساڈھوہ) ۱۷، ص ۲۱

۱۹۱۲ء کو انجمن نسیمانیہ، لاہور کے پچیسویں سالانہ جلسہ میں تقریر فرمائی، مشہور محدث حضرت مولانا شاہ وحی احمد محدث سورتی قدس سرہ بھی تشریف فرما تھے، حضرت نے اپنے خطبہ میں مسئلہ امتناع نظیر اس عمدگی سے بیان کیا کہ اہل علم غش غش کراٹھے، فرمایا :-

و اول ظہورات حین الرحمن علی
 العرش استوی، ثانی شیونات المبشر بما
 امر سلتك الامر حمة للعلمین کما ان اخر
 اخر رحمت (مینبغی ان یکون کما ان اخر
 رحمت) اذا ما یشفع عندہ الا باذن
 اول اذنا تہ، فهو صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
 اول ما خلق اللہ نورہ کما ان اخر بخاتم
 النبیین ظہورہ و من ہنا امتنع مسئلہ و
 نظیرہ، فان الاول لیس بشان و کما ان الثانی
 لیس باول، فامتناع شریک الباری عز
 اسمہ من ذات کما ان عدم امکان نظیرہ
 صلی اللہ علیہ وسلم من حیث بعض صفات
 فظاہر ان المقدورات غیر محیطہ بالمعلومات
 فاتضح الامر باوضح الدلالات بغير مدخل
 مسئلہ امکان الکذب و امتناع اللہ امرنا حقیقۃ
 الاشیاء کما ہی لہ

” اس کا پہلا ظہور الرحمن علی العرش استوعب

کے وقت تھا، اس کی دوسری شان وہ ہے جس کی بشارت و ما

اس سلسلہ الامرحمة للعلمین میں دی گئی ہے جس طرح

اللہ تعالیٰ کی آخری رحمت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں جنہیں

سب سے پہلے شفاعت کی اجازت دی جائے گی، نبی اکرم صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلم کا نور اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے پیدا فرمایا جیسے

کہ خاتم النبیین ہونے کی حیثیت سے آپ کا ظہور سب سے آخر میں

ہے، اس بنا پر آپ کی مثل اور نظیر ممتنع ہے کیونکہ اول ثانی نہیں

ہو سکتا جیسے کہ ثانی اول نہیں ہو سکتا، شریک الباری، ذات الہی کے

اعتبار سے ممتنع ہے اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نظیر

آپ کے بعض اوصاف کے اعتبار سے ممتنع ہے کیونکہ ظاہر ہے

کہ تمام معلومات، قدرت کے تحت داخل نہیں (واجب اور ممتنع،

معلوم ہیں لیکن قدرت کے تحت داخل نہیں) مسئلہ اسکا کذب

اور امتناع کذب کو داخل دئے بغیر مسئلہ (امتناع نظیر) نہایت واضح

طور پر ثابت ہو گیا، اے اللہ! ہمیں اشیاء کی حقیقت واقف رکھا۔

سبب الجبار کے حوالہ سے اس سے قبل بیان ہو چکا ہے کہ

علامہ فضل حق خیر آبادی کا مولوی اسماعیل دہلوی سے تحریری مناظرہ بھی ہوتا رہا جس

میں مولوی اسماعیل دہلوی عاجز و ساکت ہوئے، تحقیق القوتوں کے جواب مولوی

اسماعیل دہلوی کے شاگرد مولوی حیدر علی ٹوٹکی نے ایک رسالہ لکھا جس کے

رد میں حضرت علامہ نے امتناع النظر ایسی شہرہ آفاق کتاب فارسی میں لکھی

جس کا جواب آج تک کسی سے نہ بن سکا۔ حضرت مولانا سید سلیمان اشرف

بہاری سابق صدر شعبہ دینیات مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ کی کوشش سے اس مقالہ کی نظر
ایک دفعہ چھپی، کوئی صاحب ہمت اگر اس کی دوبارہ اشاعت کا اہتمام کرے
تو یہ بڑی علمی و دینی خدمت ہوگی۔

تحقیق الفتوے، مسئلہ شفاعت پر بے نظیر کتاب ہے اس میں
اگر مباحث ہیں تو اہل محبت کے لئے فضائل و مناقب کا خاصا ذخیرہ بھی موجود
ہے، اس کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت علامہ صرف منطق و حکمت
اور ادب عربی پر ہی کامل دسترس نہیں رکھتے تھے بلکہ علوم دینیہ تفسیر،
حدیث اور اصول فقہ میں بھی گہری نظر رکھتے تھے، بلاشبہ یہ کتاب باب
نظر اور اہل محبت کے لئے ارمغانِ عظیم ہے۔ اصل کتاب چونکہ فارسی زبان
میں تھی اس لئے فارسی کے ساتھ ساتھ اردو ترجمہ بھی پیش کیا جا رہا ہے۔
ہماری معلومات کے مطابق یہ کتاب اس سے پہلے نہیں چھپی

حیرت کی بات ہے کہ اتنی اہم کتاب ایک سو ساٹھ سال تک منظر عام پر
نہ آسکی جب کہ تقویۃ الایمان کے بیسیوں ایڈیشن چھپ گئے، دراصل
جنگ آزادی، ۱۸۵۷ء کے بعد سب سے زیادہ مصائب و آلام کا شکار علماء
اہل سنت ہوئے۔

انگریز کی نظر میں قابلِ عتاب اہل سنت ہی تھے، پھر جب پریس
پر ہندوؤں کا اثر و نفوذ بڑھا تو بھی ان کے قہر و غضب کا ہدف علماء اہل سنت
ہی تھے، نتیجہ یہ ہوا کہ لٹریچر کی اشاعت کے میدان میں وہ کام نہ ہو سکا جو
ہونا چاہئے تھا اگرچہ تصنیف و تالیف کے میدان میں اہل سنت نے بڑا کام
کیا لیکن اس کی خاطر خواہ اشاعت نہ ہو سکی، گھٹن زدہ ماحول میں اشتعال
ادارے بھی کچھ زیادہ قائم نہ ہو سکے، اسی سبب سے اہل سنت کا لٹریچر ضرورت

کے مطابق دستیاب نہ ہوتا تھا، اب بخدمہ تعالیٰ پاکستان میں متعدد اشاعتی ادارے قائم ہو چکے ہیں اور ان کی طرف سے بڑی مقدار میں لٹریچر سامنے آ رہا ہے۔ یہ ادارے اگر منظم طریقے پر کام کریں تو ان کی کارکردگی میں بے پناہ اضافہ ہو سکتا ہے۔

تحقیق الفتوے کا ایک مخطوطہ مولانا عبدالقادر شہید بانی جامعہ قادریہ فیصل آباد کے پاس تھا۔ برادر محترم مولانا محمد عبدالغفار ظفر صابری مدظلہ استانہ عالیہ حضرت محدث اعظم پاکستان مولانا سر دار احمد شتی قادری قدس سرہ نے ۱۹۵۸ء میں ان سے لے کر نقل کیا۔

مولانا قاضی عبدالنبی کو کب رحمہ اللہ تعالیٰ کی معرفت معلوم ہوا کہ اس کا ایک مخطوطہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری، لاہور میں موجود ہے، انہی کے توسط سے دونوں نسخوں کے مقابلہ کا موقع ملا، ۲۱ نومبر ۱۹۷۳ء کو راقم الحروف تقابل سے فارغ ہوا۔

گزشتہ سال ۱۳۹۸ھ/۱۹۷۸ء رمضان المبارک کی تعطیلات میں اس کا ترجمہ کرنے کا موقع ملا، اتنے مراحل کے بعد اب یہ کتاب قارئین کی خدمت میں پیش کی جا رہی ہے، پہلے اردو ترجمہ در آخر میں اصل کتاب فارسی رکھی گئی ہے تاکہ عام قارئین کے لئے آسانی رہے۔ فارسی نسخہ کے حواشی میں دونوں نسخوں کا اختلاف دکھایا گیا ہے۔ پنجاب یونیورسٹی لائبریری کے نسخہ کے لئے (پ) اور ذاتی نسخہ کے لئے (ذ) علامت استعمال کی گئی ہے۔

ان دونوں نسخوں کے علاوہ ایک تیسرا قلمی نسخہ قاضی صدر الدین ہزاروی (ہری پور) کے کتب خانہ میں موجود ہے، مولانا قاضی عبدالنبی کو کب رحمہ اللہ تعالیٰ

نے راقم کو بتایا تھا کہ وہ نسخہ ناقص الآخر ہے۔ ایک نسخہ مولانا صاحبزادہ عبدالصبور صاحب (گنگوٹھ منڈی) کے پاس ہے۔ افسوس کہ راقم الحروف آخر الذکر نسخوں کی زیارت نہیں کر سکا۔

تحقیق الفتوے کی اہمیت کے لئے علامہ فضل حق خیر آبادی کا نام ضمانت کی حیثیت رکھتا ہے، کتاب کے آخر میں دہلی کے مشہور اکابر کی تصدیقی مہریں ثبت ہیں جن سے کتاب کی ثقاہت میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے۔

محمد عبدالحکیم شرف قادری

یکم رمضان المبارک ۱۴۹۹ھ

نَفْسِ اِسْلَام

WWW.NAFSEISLAM.COM

چور سے درگزر کر جانا بہتر ہے اس سے کہ اتنے بڑے امیر کو خوش کر دیجئے
 کہ بڑے بڑے کام خراب ہو جائیں اور سلطنت کی رونق گھٹ جائے، اس کو
 شفاعت و حاجت کہتے ہیں یعنی اس امیر کی وجاہت کے سبب سے اس کی
 سفارش قبول کی، اس قسم کی سفارش اللہ کی جناب میں ہرگز ہرگز نہیں ہو سکتی
 اور جو کوئی نبی و ولی کو یا امام اور شہید کو یا کسی فرشتے کو یا کسی پیر کو اللہ کی جناب
 میں اس قسم کا شفیع سمجھے وہ اصلی مشرک ہے اور بڑا جاہل کہ اس نے خدا کے
 کچھ معنی ہی نہیں سمجھے اور اس مالک الملک کی قدر کچھ بھی نہ پہچانی، اس شہنشاہ
 کی تو یہ شان ہے کہ ایک آن میں ایک حکم کُن سے چاہے تو کہہ وڑوں نبی
 اور ولی اور جن اور فرشتہ جبریل اور محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے برابر
 پیدا کر ڈالے اور ایک ہی دم میں سارا عالم عرش سے فرش تک اُلٹ
 پیٹ کر ڈالے اور ایک اور ہی عالم اس جگہ قائم کرے کہ اس کے تو مخن
 ارادے ہی سے ہر چیز ہو جاتی ہے کسی کام کے واسطے کچھ اسباب اور
 سامان جمع کرنے کی کچھ حاجت نہیں۔

اور جو سب لوگ پہلے اور تکھلے اور آدمی اور جن بھی سب مل کر
 جبریل اور پیغمبر ہی سے ہو جائیں تو اس مالک الملک کی سلطنت میں ان کے
 سب کچھ رونق بڑھ نہ جائے گی اور جو سب شیطان اور دجال ہی سے
 ہو جائیں تو اس کی کچھ رونق گھٹنے کی نہیں، وہ ہر صورت میں بڑوں کا بڑا ہے
 اور بادشاہوں کا بادشاہ، اس کا نہ کوئی کچھ بگاڑ سکے اور نہ کچھ سنوار سکے۔
 دوسری صورت یہ ہے کہ کوئی بادشاہ زادوں میں سے یا
 بیگمات میں سے یا کوئی بادشاہ کا معشوق اس چور کا سفارشی ہو کر کھڑا
 ہو جاوے اور چور کی منزلہ دینے دے اور بادشاہ اس کی محبت سے

لاچار ہو کر اس چور کی تقصیر معاف کر دے تو اس کو شفاعتِ محبت کہتے ہیں،
یعنی بادشاہ نے محبت کے سبب سے سفارش قبول کر لی اور یہ بات بھی
کہ ایک بار غصہ پی جانا اور ایک چور کو معاف کر دینا بہتر ہے اس سبب سے
کہ جو اس محبوب کے روٹھ جانے سے مجھ کو ہوگا۔ اس قسم کی شفاعت بھی اس
در بار میں کسی طرح ممکن نہیں اور جو کوئی کسی کو اس جناب میں اس قسم کا شفیع
سمجھے وہ بھی ویسا ہی مشرک ہے اور جاہل جیسا کہ اول مذکور ہو چکا، وہ
مالک الملک اپنے بندوں کو بہتر اہی نواز ہے اور کسی کو حبیب کا اور کسی
کو خلیل کا اور کسی کو کلیم، اور کسی کو روح القدس و جبریل کا خطاب بخشے اور کسی
کو رسولِ کریم اور مکیں اور روح القدس اور روح الامین فرما دے مگر
پھر مالک مالک ہے اور غلام غلام، کوئی بندگی کے رتبے سے قدم باہر
نہیں رکھ سکتا اور غلامی کی حد زیادہ نہیں بڑھ سکتا جیسا کہ حضرت نوح علیہ السلام سے ہو گیا تھا
اس کی بیعت سے رات دن زہرہ پھٹتا ہے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ چور پر چوری ثابت ہو گئی مگر وہ ہمیشہ
نکا چور نہیں اور چوری کو اس نے کچھ اپنا پیشہ نہیں ٹھہرایا مگر نفس کی شامت
سے قصور ہو گیا، اس پر شرمندہ ہے اور رات دن ڈرتا ہے اور بادشاہ
کے آئین کو سزاؤں پر رکھ کر اپنے تئیں تقصیر وار سمجھتا ہے اور لائق
سزا کے جانتا ہے اور بادشاہ سے بھاگ کر کسی امیر و وزیر کی پناہ نہیں
ڈھونڈتا اور اس کے مقابلہ میں کسی کی حمایت نہیں جاتا اور رات دن اس کی
منہ دیکھ رہا ہے کہ دیکھتے میرے حق میں کیا حکم فرما دے؟ اس کا یہ حال
دیکھ کر بادشاہ کے دل میں اس پر زور آتا ہے مگر آئین بادشاہت کا
خیال کر کے بے سبب درگزر نہیں کرنا کہ کہیں لوگوں کے دلوں میں اس

آئین کی قدر گھٹ جائے، کوئی امیر و وزیر اس کی مرضی پا کر اس تقصیر وار کی سفارش کرتا ہے اور بادشاہ امیر کی عزت بڑھانے کو ظاہر میں اس کی سفارش کا نام کر کے اس چور کی تقصیر معاف کر دیتا ہے، اس امیر نے اس چور کی سفارش اس لئے نہیں کی کہ اس کا قرباتی ہے یا آشنا یا اس کی حمایت اس نے اٹھائی بلکہ محض بادشاہ کی مرضی سمجھ کر کیونکہ وہ تو بادشاہ کا امیر ہے نہ چور کا تھا لہٰذا جو چور کا حمایتی بن کر اس کی سفارش کرتا ہے تو آپ بھی چور ہو جاتا ہے، اس کو شفاعت بالاذن کہتے ہیں، یعنی یہ سفارش خود مالک کی پرہیزگاری سے ہوتی ہے، اللہ کی جناب میں ایسی قسم کی شفاعت ہو سکتی ہے اور جس نبی ولی کی شفاعت کا قرآن و حدیث میں مذکور ہے اس کے معنی یہی ہیں۔

برہمندی کو چاہئے کہ ہر دم اللہ ہی کو پکارے اور اسی سے ڈرتا رہے اور اسی کی التجا کرتا رہے اور اسی کے رو برو اپنے گناہوں کا قائل رہے اور اس کو اپنا مالک بھی سمجھے اور حمایتی بھی اور جہاں تک خیال دوڑے اللہ کے سوائے کہیں اپنا بچاؤ نہ جانے اور کسی کی حمایت پر بھروسہ نہ کرے کیونکہ وہ خود بڑا غفور الرحیم ہے، سب مشکلیں اپنے ہی فضل سے کھول دے گا اور سب گناہ اپنی ہی رحمت سے بخش دیگا اور جس کو چاہے اپنے حکم سے اس کا شفیع بنا دے گا۔

اس قائل کا یہ قول حق ہے یا باطل، کچھ بھی ہو حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بلند مقام کی توہین و تنقیص پر دلالت کرتا ہے یا نہیں؟ اگر اس جرم عظیم اور بہت بڑی جرات پر دلالت کرتا ہے تو اس کا قائل دینی اعتبار سے کون ہے اور

شرعاً اس کا حکم ہے ؟

چونکہ یہ مسئلہ مسائلِ دینیہ سے ہے اور حضور افضل الرسل سید الاولین والآخرین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان سے متعلق ہے اس لئے غلط علمائے امید سے حقیقتِ حال کے بیان کرنے اور سوال کے جواب میں کسی کی دروغایت نہیں کریں گے اور بلا خوف لومۃ لائم، کلمۃ حق، آشکارا فرمائیں گے اور بلا حیل و حجت صحیح جواب تحریر فرمائیں گے، اور تلبیس و التباس کے دفع کرنے میں ذرہ برابر تامل نہیں فرمائیں گے تاکہ ہدایت کے متلاشی قول مذکور کو حق و صواب نہ سمجھنے لگیں۔

جواب

وہ بات جو ان کے منہ سے نکلتی ہے بہت بڑی ہے، وہ صرف جھوٹی بات کہتے ہیں، یہ بے فائدہ کلام جو جھوٹے اقوال اور عجیب و غریب غلط باتوں پر مشتمل ہے، درستی اور سچائی کے ساتھ ذرہ برابر تعلق نہیں رکھتا، اس کا قائل شفاعت کی قسمیں بیان کرتے ہوئے متغداد امور و شیعہ کا منکر ہو جاتا ہے اور اس نے متقدمین اور متاخرین کے نزدیک بالاتفاق اشرف الاشرف صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان رفیع میں تنقیص سے اپنے ایمان کی آبر و ضائع کی اور بے علموں کے تاریک دلوں میں فتنہ اور گمراہی کا بیج بویا ہے۔ اس اجمال کی تفصیل چار مقام میں تحریر کی جائے گی۔

پہلا مقام، عام شفاعت کی حقیقت اور اس کے اقسام میں ہوگا، اس میں حضور مرجع خلائق، قیامت کے دن شفاعت کرنے والوں کے سردار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شفاعت کا خصوصیت کے ساتھ ذکر ہوگا۔ ضمناً اس کلام کے فساد کے بعض کی طرف اشارہ ہوگا۔

دوسرا مقام اس بے فائدہ گفتگو کے رد میں جسے یہ قائل حضور سید الاولین

الافرن صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں زبان پر لایا ہے۔
 تیسرا مقام۔ اس امر کے اثبات میں کہ یہ پُر ضلالت گفتگو اس ذاتِ کَریم کی توہین
 تنقیص پر مشتمل ہے جن کی تعظیم فرض ہے اور جو بارگاہِ الہی کے مقررین کے سردار ہیں۔
 چوتھا مقام، علماء شریعت کے نزدیک اس جرمِ شنیع کے مرتکب کے حکم میں۔

پہلا مقام

شفاعت، سفارش کو کہتے ہیں۔ اس کی دو قسمیں ہیں :
 شفاعت کے اقسام (۱) گناہوں کی بخشش کے لئے۔ (۲) مراتب کی بلندی
 کے لئے۔

ایک شخص دوسرے کے سامنے کسی کی سفارش کرتا ہے تو وہ اس لئے مقبول
 منظور ہوتی ہے کہ پہلے شخص کو دوسرے کے سامنے عزت و شرافت حاصل ہوتی ہے
 عزت و شرافت کی چند وجہیں ہوتی ہیں :

(۱) جس کے پاس سفارش کی گئی ہے اس نے سفارش
 کرنے والے کو اپنی بارگاہ میں قرب عطا کیا ہے اور

اپنے متعلقین میں اسے عزت و اقبال بخشا ہے، ان عزتوں میں سے ایک یہ ہے کہ
 دیگر ماتحت افراد کے مراتب کی بلندی اور گناہگاروں کی معافی کے لئے اسے بات کر سکی
 اجازت ہے، اس کی عرض قبول کی جاتی ہے اور اس کی سفارش مانی جاتی ہے، اگر اس
 معزز شخصیت کی عرض اور سفارش کو نہ مانا جائے تو اس کے نہ بخیر ہو نہ سے اس شخص
 کو (جس کی بارگاہ میں سفارش کی گئی ہے) کوئی رنج یا نقصان نہیں پہنچے گا لیکن اس کی
 عرض کو نہ ماننا اور اس کی بات کو اہمیت نہ دینا اس عزت افزائی اور بندہ نوازی کے
 خلاف ہے جو اس شخص کو دی گئی ہے، یہ شفاعت و جاہت ہے۔ اس میں یہ

شرط نہیں ہے کہ جس کے پاس سفارش کی گئی ہے، اسے شفاعت کرنے والے کی مداخلت سے خطرہ ہو اور سفارش قبول نہ کرنے کی صورت میں نقصان کا خوف ہو کیونکہ شفاعت کا معنی سفارش اور وجاہت کا معنی لحاظ اور عزت ہے، کسی لفظ سے ڈراؤ فکر نہیں سمجھا جاتا۔
 بایں ہمہ بشرخص جانتا ہے کہ شفاعت اور سیدہ زوری الگ الگ ہیں سفارش میں سیدہ زوری نہیں ہوتی، اگر کوئی شخص کسی کی بات نقصان یا ضرر کے ڈر سے مانتا ہے تو یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اس نے سفارش مان لی، یہ سفارش کا ماننا نہیں بلکہ اپنے نقصان اور ضرر کو دور کرنا ہے، اسے اطاعت کہا جاسکتا ہے کیونکہ نافرمانی کی صورت میں نقصان کا خوف ہوتا ہے، سفارش قبول کرنے میں کوئی خوف شامل نہیں ہوتا مثلاً ایک صاحب اقتدار بادشاہ اپنے ہمفشیوں میں سے کسی کو اتنا مقام و مرتبہ عطا کرتا ہے کہ اسے حاجت مندوں کی حاجتیں پیش کرنے اور مجرموں کے لئے معافی چاہنے کی اجازت ہے، اسے دوسروں کی نسبت یہ خصوصیت حاصل ہے، وہ شخص بادشاہ سے کسی ایسے گناہ کے بخشے کی درخواست کرتا ہے جسے بخش دینا بادشاہ سے بعید نہیں ہے، بادشاہ اس کے جاہ و منزلت کا لحاظ کرتے ہوئے وہ گناہ معاف کر دیتا ہے اور اس مقرب کی سفارش قبول کر کے اس کی عزت افزائی کرتا ہے تو نہیں کہا جاسکتا کہ بادشاہ نے اپنے کارخانہ سلطنت میں خلل کے خوف سے سفارش قبول کی ہے بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ بادشاہ نے اپنے مقرب ترین خادم کے مقام کی رعایت اور اس کی دلدادگی کے لئے اس کی سفارش قبول کی ہے اور مجرموں کے گناہ معاف کر دئے ہیں اور اگر کوئی شخص برائے نام بادشاہ ہو اور امور مملکت کے بستر و کشاد اور قوانین سلطنت کے نفاذ کی صلاحیت نہ رکھتا ہو، دوسرے لوگ حکومت کے تمام شعبوں پر مسلط ہوں، ملک کے بستر و کشاد اور نظم و ضبط پر مکمل اختیار رکھتے ہوں، ان ارباب اقتدار میں سے کوئی شخص برائے نام بادشاہ سے کسی مجرم کی معافی کا مطالبہ کرتا ہے اور بادشاہ اس خوف سے کہ اگر اس کے کہنے پر عمل نہ کیا تو

اس سے مزید پہنچے گا یعنی ظاہری حکومت بھی جاتی رہے گی، اس کے کہنے پر عمل کرتا ہے اور
جرم کا گناہ معاف کر دیتا ہے تو نہیں کہا جاسکتا کہ بادشاہ نے اس کی شفاعت قبول کر لی
ہے بلکہ بادشاہ فی الواقع ان لوگوں کا تابع اور پابند ہے اور ان کی بات ماننے پر مجبور
ہے، اسے فرمانبرداری اور اطاعت تو کہا جاسکتا ہے، قبولِ شفاعت نہیں کہا جاسکتا۔
اس تقریر سے واضح ہو گیا کہ وجاہت و عزت، عزت اور اندیشہ کے بغیر
قبولِ شفاعت کا سبب بن سکتی ہے۔

یہ تو ہوئی عقلی دلیل، اب سنئے نقلی دلیل۔ اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام
کی شان میں فرماتا ہے اور دنیا و آخرت کی وجاہت سے ان کی تعریف فرماتا ہے:
وَجِئْنَا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمِنَ الشُّعَرَاءِ بَيْنَ
”دنیا اور آخرت میں وجاہت (عزت) واسلئے اور مقربین میں
سے ہیں۔“

مفسرین، اُخروی وجاہت کو شفاعت پر محمول فرماتے ہیں۔ علامہ بیضاوی
اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:
الْوَجَاهَةُ فِي الدُّنْيَا السُّبُوتُ وَفِي الْآخِرَةِ الشَّفَاعَةُ
”یعنی وجاہت دنیا میں نبوت ہے اور آخرت میں شفاعت“

جس کے پاس سفارش کی گئی۔ اسے سفارشی سے
(۲) شفاعتِ محبت

محبت ہو، محبت کا تقاضا یہ ہے کہ محبوب کی رضا جوئی اور
ہر طرح اس کے دل کو خوش کرنا منظور ہوتا ہے، دل شکنی اور رنج کے اسباب اس سے
دور رکھے جاتے ہیں کیونکہ محبت، محبوب کی دل شکنی بلکہ دوست دوستوں کا دل دکھانے
کے روادار نہیں ہوتے، اہل محبت محبوبوں کی دل آزاری گوارا نہیں کرتے، ان کی
فرائض قبول کرتے ہیں اور ان کی سفارش قبول کرتے ہیں اور اکثر ان کی سفارش قبول کرنے میں

یہ امر ملحوظ نہیں ہوتا کہ اگر ان کی سفارش قبول نہ کی گئی تو غیظ و غضب میں آکر ان کو نوحیہ کر سکتے ہیں یا غصہ میں آکر ان کے دلوں کو صدمہ پہنچا سکتے ہیں کیونکہ دلدارائی محبت کا تقاضا ہے اور محبوب کی بات مان لینا اس صفت کو لازم ہے، یہ حال اس شخص سے پوچھا جاسکتا ہے جو محبت رکھتا ہو، یہ حقیقت عقلاً اور نقلاً ثابت ہے۔

عقلی ثبوت تو بیان ہو چکا، نقلی ثبوت ملاحظہ ہو، حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں :

كَمَا شَعَثَ اَعْبَرَ ذِي طَمَرَيْنِ لَا يُؤْبَهُ لَهٗ
لَوْ اَقْسَمَ عَلَى اللّٰهِ لَا بَرَكَا۔

”بہت سے گرد آلود بالوں والے خاکسار، جن کے پاس دو پرانی چادروں کے علاوہ کچھ نہ ہوا اور جنہیں کوئی اہمیت نہ دی جاتی ہو ایسے ہوتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ کے حق میں قسم کھائیں تو اللہ تعالیٰ ان کی قسم پوری کر دے گا“

یعنی اللہ تعالیٰ ان کی دلداری کرے گا اور جس بات کی انہوں نے قسم کھائی ہے اسے پورا کر دے گا اور ان کی خواہش رد نہیں فرمائے گا۔

غور کیجئے ! یہ تمام تقاضائے محبت یہ ورنہ یہ خاکسار، اللہ تعالیٰ کو کونسا رنج یا نقصان پہنچا سکتے ہیں ؟

ہاں بارگاہ انبیدی کے محبوبوں کی شان وہ ہے جو حدیث قدسی میں وارد ہوئی ہے :

فَاِذَا اَحْبَبْتُ فَكُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِي يَسْمَعُ بِهِ
وَبَصَرَهُ الَّذِي يَبْصُرُ بِهِ وَيَدَهُ الَّتِي يَبْطِشُ
بِهَا وَرِجْلَهُ الَّتِي يَمْشِي بِهَا (وفی روایت) وَلِسَانَهُ

الَّذِي يَنْطَلِقُ بِهِ -

”جب میں اس بندے کو محبوب بنالینا ہوں تو میں اس کا کان ہوتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، اس کی آنکھ ہوتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، اس کا ہاتھ ہوتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے، اس کا پاؤں ہوتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے (اور ایک روایت میں ہے) اس کی زبان ہوتا ہوں جس سے وہ بولتا ہے (یعنی ان کے اعضاء میری قدرت کے منظر اور میری رضا کے پابند ہوتے ہیں)

اس حدیث قدسی کی بنا پر محبوبانِ الہی کے قرب، عزت اور ان کی محبوبیت کے آثار پر ایمان لانا چاہئے۔ شفاعت کی مقبولیت کی دیگر وجوہ بھی ہیں جن کا حاصل یہ ہے کہ سفارش کرنے والے کو مستشفع الیہ جس کے سامنے سفارش کی گئی (کے نزدیک عزت اور امتیازی مقام حاصل ہوتا ہے چونکہ ان وجوہ کا تعلق اس مقام سے نہیں ہے اس لئے اسی بیان پر اکتفا کر کیا جاتا ہے۔

اس تمہید کے بعد سنئے !

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں تمام مخلوق انسان ہوں یا فرشتے نبی ہوں یا امتی، بادشاہ ہوں یا خدام، جہاں تک بندگی کا تعلق ہے یکساں نسبت رکھتی ہے کسی کو کسی لحاظ سے اس کے ملک و اقتدار میں شرکت یا اس کے ارادہ و اختیار میں مزاحمت یا اس کے حکم اور فعل میں تاب مقابلہ نہیں ہے، وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے، جو چاہتا ہے اس کے مطابق فیصلہ فرماتا ہے اور جس طرح اس کا ارادہ ہوتا ہے، کائنات میں تصرف فرماتا ہے، اس کا نہ کوئی شریک ہے نہ ہمسر، نہ مددگار ہے نہ کارساز، اسے کسی وزیر کی امداد اور کسی مددگار کے تعاون کی حاجت نہیں ہے، کسی کی رضا اور خوشنودی سے اس کی مملکت میں رونق کا اضافہ نہیں ہوتا، نہ ہی کسی کی

ناراضگی سے اس کے کارخانہٴ حکمت میں خلل پیدا ہوتا ہے۔

ہاں اس نے اپنی مخلوق کو مختلف مراتب اور مقامات دے کر پیدا کیا ہے، ان کے مراتب و درجات میں بہت فرق رکھا ہے، بعض کو برگزیدہ اور بارگاہِ قدس کا مقرب بنایا اور بعض کو مردود، ذلیل اور گمراہ کیا۔ دونوں قسموں میں مختلف مراتب اور متفرق درجات رکھے اور اپنی بارگاہ کے مقربین کو ان کے درجات کے مطابق مقام و مرتبہ عطا فرمایا۔ ان میں سے ہر ایک کو اس کے مرتبہ کے مطابق عزت و کرامت عطا فرمائی، ان میں سے ہر ایک کو بارگاہِ الہی میں جتنی عزت اور خداوندی محبت ہے، اس کے مطابق ان کے وابستگان اور متوسلین کی دینی اور دنیاوی حاجتوں کے بارے میں ان کی سفارش قبول فرماتا ہے اور اپنی بارگاہ کے مقربین کو ان کے مراتب کے مطابق اجازت عطا فرماتا ہے کہ اپنے متعلقین اور متوسلین کے لئے دنیا و آخرت میں مصیبت اور عذاب کے دفع کرنے اور منافع کے حصول کے لئے سفارش کریں، اس عزت افزائی کے ذریعے انہیں مخلوق میں ممتاز فرماتا ہے۔

اسی لئے اکثر لوگ ہر دو جہان کی حاجتوں میں ان سے شفاعت اور سفارش کے طلبگار ہوتے ہیں اور ان مقربین کی شفاعت کے فیض سے اپنے مقاصد میں کامیاب ہوئے اور جوتے ہیں اور ہوں گے، ان کی شفاعت اکثر مقبول ہوتی ہے اور قول و فعل سے ان کی ایذا رسانی اور بے ادبی کے درپے ہونے والے اکثر لوگ اللہ تعالیٰ کے غضب میں گرفتار ہو کر دین و دنیا کو برباد کر چکے اور کرتے ہیں اور کہیں گے، چونکہ بارگاہِ الہی میں مقربین کی عزت و وجاہت ان کی شفاعت اور ان کے سوال کی قبولیت کا سبب ہے اسی لئے دوسروں کی نسبت صالحین کی دعائیں زیادہ مقبول ہوتی ہیں۔ اگر کوئی شخص ازراہِ عنایتِ یارب بات نہ مانے یا بدعتیہ گئی کی بنا پر اسے شک لاحق ہو تو اسے کتبِ صحیح میں حضورِ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سیرت کا مطالعہ کرنا چاہئے تاکہ اسے معلوم ہو کہ جن حضرات نے

حضرت علیؑ سے دعا کی گزارش کی یا شفاعت کی درخواست کی وہ دنیا و آخرت میں خیرات و برکات سے مالا مال ہوئے اور جو لوگ درپے ایذا اور بے ادبی ہوئے وہ ہلاکتوں میں گرفتار ہوئے اور جہنم کے پچھلے طبقوں میں داخل ہوئے۔

جب شفاعت کا معنی سفارش ہے اور بارگاہِ الہی میں شفاعت کے منظور ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ کسی کو اس کے کارخانہ تقدیر پر تسلط حاصل ہو، یا سفارش کرنے والے کی دل شکنی کے سبب اس کی مملکت میں خلل کا احتمال ہو یا اسے ضرر کے لاحق ہونے، منافع کے فوت ہونے یا رنج و ملال عارض ہونے کا اندیشہ ہو (حاشا دیکھو کسی کا عقیدہ نہیں ہے) بلکہ شفاعت کے مقبول ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل محبت و اطاعت کو بیش از بیش انعام و اکرام سے نوازا ہے اور ان کے درجات و سربلندی سے بلند فرما کر انہیں اپنی بارگاہ کا مقرب بنایا ہے۔

اب شفاعت کے ثبوت اور بارگاہِ الہی میں مقبول ہونے کی دلیل سنئے :

بارگاہِ الہی میں ایک شخص کے دوسرے شخص کے لئے شفاعت کرنے اور دعا کرنے میں کوئی فرق نہیں، یہ دو لفظ ہیں جن کا معنی ایک ہے اور دعا دو مال سے خالی نہیں، یا تو کہا جائے کہ دعا لغو اور بے فائدہ فعل ہے، کارخانہ قصار و قدر کسی انسان کی دعا کسی نفع کے حصول یا کسی نقصان کے دور کرنے میں اثر نہیں رکھتی دعا کرنا اور نہ کرنا برابر ہے، یا کہا جائے کہ دعا کرنے سے اللہ تعالیٰ مقصد پورا کر دیتا ہے، مطالب عطا کر دے جاتے ہیں اور مصیبتیں دور کر دی جاتی ہیں، پہلی صورت باطل اور کتابتِ سنت کی نصوص کے مخالف ہے،

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

وَصَلِّ عَلَيْهِمْ إِنَّ صَلَاتَكَ سَكَنٌ لَهُمْ

”اے حبیب! ان کے لئے دعا کیجئے، بے شک تمہاری دعا ان کے اطمینان“

سکون کا سبب ہے۔“

اس کے علاوہ بے شمار آیات ہیں۔

حضرت سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں :

لَا يَرُدُّ الْقَضَاءُ إِلَّا الدُّعَاءُ

”قضا کو صرف دعا ٹوٹا سکتی ہے۔“

اس کے علاوہ بہت سی حدیثیں وارد ہیں، علماء دین کی تصانیف، حصین وغیرہ جو ہر جگہ اہل علم کے پاس موجود ہیں، انہی دعاؤں کے جمع کرنے کے لئے رکھی گئی ہیں، دعا کی فضیلت، اللہ تعالیٰ کی عبادت ہونے اور بارگاہِ الہی میں اس کی مقبولیت کا انکار صریح کفر ہے جس سے نصوصِ قرآن و حدیث کا انکار لازم آتا ہے، ثابت ہوا کہ دعا حصولِ مفید کا ذریعہ ہے اور یہ بارگاہِ الہی میں مقبول ہوتی ہے۔

اب غور فرمائیے کہ کیا انبیاء اور عوام الناس اور اشقیاء، نیکیوں اور بدکاریوں، مقربان

انبیاء و اولیاء کی دعاؤں کی قبولیت

حضرت باری تعالیٰ اور مردودانِ بارگاہ، مومنین صالحین اور بد بخت کافروں کی دعائیں مقبولیت کی کمی اور زیادتی میں برابر ہیں یا انبیاء و اولیاء، ابراہیم اور مومنین صالحین کی دعائیں عوام، اشقیاء، اشرار و کفار کی دعاؤں سے زیادہ مقبول ہوتی ہیں اور اکثر طور پر حصولِ مراد کا ذریعہ ہوتی ہیں، پہلی شق باطل ہے، چند دلیلیں ملاحظہ ہوں :

(۱) عقلی کہ دعا اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مقبول ہوتی ہے اور اس کی رحمت نیکیوں کے قریب اور بدکاریوں سے بعید ہوتی ہے، انبیاء و اولیاء، ابراہیم و صالحین کو رحمتِ الہیہ کے قرب و بعد میں عوام الناس، اشقیاء، اشرار اور مفسدہ پردازوں کے برابر جاننا کفر اور الحاد ہے۔

(۲) دلیلِ سمعی : احادیثِ کثیرہ سے ثابت ہے کہ انبیاء و صالحین کی دعائیں

عامۃ الناس اور خطاکاروں کی نسبت زیادہ قبول ہوتی ہیں اور حصول مدعا کا اکثر سبب بنتی ہیں اس امر کی حقیقت کا انکار بھی کفر اور زندہ کی طرف سے جائیگا اور درحقیقت نبوت و ولایت کے انکار تک پہنچ دے گا۔

لہذا دوسری شق متعین ہو گئی اور واضح ہو گیا کہ دعا کی قبولیت، قرب اور نیکی کی علامت ہے، ہر شخص کو اجازت ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے اپنی ذات کے لئے اپنوں اور بیگانوں کے لئے دعا کر سکتا ہے مگر شرط یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خصوصاً صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور مومنوں کو اس کے لئے دعا سے منع نہ فرمایا ہو جیسے کہ مشرکین کے لئے دعا کرنے سے ممانعت فرمائی ہے، ارشادِ ربانی ہے :

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا
لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبَىٰ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ
أَنَّهُمْ مِنَ أَصْحَابِ الْجَحِيمِ .

”نبی اور مسلمانوں کو جائز نہیں کہ وہ مشرکین کے لئے مغفرت کی دعا کریں اگرچہ وہ قریبی رشتہ دار ہوں جبکہ ظاہر ہو چکا کہ وہ جہنمی ہیں“

اسی لئے حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے ممانعت سے پہلے مشرکین اور آذر کے لئے مغفرت اور توفیقِ ایمان کی دعا کی :

فَلَمَّا تَبَيَّنَ أَنَّهُ عَدُوٌّ لِلَّهِ تَبَرَّأَ مِنْهُ وَإِنْ إِبْرَاهِيمَ
لَا ذَاكَ هَلِيمٌ .

”جب حضرت ابراہیم پر ظاہر ہو گیا کہ وہ دشمنِ خدا ہے تو اس سے بیزاری کا اظہار کیا، بے شک ابراہیم علیہ السلام نرم دل اور حلیم ہیں“

اسی رقتِ قلبی کی بنا پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نہیں چاہتے تھے کہ حضرت لوط

علیہ السلام کی قوم پر عذاب آئے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے :

فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ إِبْرَاهِيمَ الرَّوْعُ وَ حَاكَاةُ
الْبُشْرَىٰ يُجَادِلُنَا فِي قَوْمِ لُوطٍ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ لَحَلِيمٌ
أَوَّاهٌ مُنِيبٌ۔

”جب ابراہیم علیہ السلام سے اضطراب دور ہوا اور انہیں بشارت پہنچی
تو قوم لوط کے بارے میں ہم سے مجادلہ کرنے لگے، بے شک ابراہیم علیہ
السلام، حلیم، نرم دل اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والے ہیں۔“
اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مجادلہ کو ناپسند نہیں فرمایا بلکہ
علم اور رقت قلبی سے تعریف فرمائی جو مجادلہ کا باعث بنی تھی۔
اس کے بعد ارشاد فرمایا :

يَا إِبْرَاهِيمُ أَعْرِضْ عَنْ هَذَا ۖ إِنَّهُ قَدْ جَاءَ
أَمْرٌ مِّنَ رَبِّكَ وَإِنَّهُ لَتِيَهْدَ عَبْدًا أَبْعَدُ مِنْ دُورٍ
”اے ابراہیم! اس سے اعراض کرو، تحقیق تیرے رب کا حکم آگیا

اور بے شک ان پر مجادلہ یا دعا سے، نہ ٹلنے والا عذاب آنیوالا ہے۔“

اس بیان سے ظاہر ہو گیا کہ قبول شفاعت کی دو شرطیں ہیں :

(۱) ایسے شخص کی سفارش کی گئی ہو جس کے لئے سفارش کرنے سے اللہ تعالیٰ
نے ممانعت نہ فرمائی ہو۔

(۲) سفارش کرنے والے کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کا قرب حاصل ہو لہذا اگر مقرب
در بار الہی کسی ایسے شخص کی شفاعت کرے جس کی شفاعت سے ممانعت وارد نہ ہو تو
اس کی شفاعت مقبول ہوگی جیسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِندَهُ إِلَّا لِمَنْ أَذِنَ لَهُ
الرَّحْمَنُ وَرَحِمَنِي لَهُ قَوْلًا -

”قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے پاس صرف اس شخص کی شفاعت
فائدہ دے گی جسے اس نے اجازت دی ہوگی اور جس کا قول پسند ہوگا“
(یعنی بلند مقام اور پسندیدہ گفتگو والے کی شفاعت ہی فائدہ دیگی)
دوسرے مقام پر اشارہ ہے :

لَا يَتَكَلَّمُونَ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَنُ وَقَالَ
صَوَابًا

حدیث صحیح میں آیا ہے کہ قیامت کے دن رسولوں کے علاوہ کسی کو کلام کی
اجازت نہیں دی جائے گی اور جو شخص بارگاہِ الہی میں کوئی مرتبہ نہیں رکھتا اور اس کی
گفتگو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پسندیدہ نہیں ہے اسے اس کے دربار میں بات کہنے
اور شفاعت کرنے کی طاقت نہیں ہوگی۔

یہ آیت کریمہ کا معنی یہ ہے کہ قیامت کے دن شفاعت صرف ان گناہگاروں
کو فائدہ دے گی جن کی شفاعت کی اجازت اللہ تعالیٰ نے دی ہوگی اور ان کی گفتگو
یعنی شہادت کے دو کلمے (اشہد ان لا الہ الا اللہ واشہد ان محمدا
عبدہ ورسولہ) اس سے پسند فرمائے ہیں۔

امام رازی تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں :

”یہ آیت اس امر پر بہت ہی مضبوط دلیل ہے کہ شفاعت فاسقوں کے
لئے مفید ہے۔“

شفاعت بالاذن کا معنی اس طرح سمجھنا چاہیے کہ مثلاً اگر
بادشاہ کے دربار میں ایسے مجرم کو بچھڑ کر پیش کیا جائے

(۳) شفاعت بالاذن

کہ اس جیسے اکثر جرائم بادشاہ نے معاف کر دئے ہیں، کچھ مقرب جو بادشاہ کے سامنے بات کر سکتے ہیں اور اپنے ہم مرتبہ افراد میں عزت و مرتبہ کی زیادتی کے اعتبار سے ممتاز ہیں اس مجرم کی شفاعت کرنا چاہتے ہیں۔ ممکن ہے کہ اس کے دربار میں شفاعت کے لئے لب کشائی کریں کیونکہ انہیں بادشاہ کے سالیسے جرائم کی معافی طلب کرنیکی اجازت ہوتی ہے اور جرم ایسا نہیں ہے کہ بادشاہ نے عہد کیا ہو کہ اس جرم کے مرتکب کو ضرور سزا دے گا، ہو سکتا ہے کہ بادشاہ ان مقربین کے مقام اور مرتبہ کے پیش نظر جو کسی کا عطا کردہ ہے، سفارش قبول کر لے اور اس مجرم کو سزا نہ دے۔

ہاں ہر کس و نا کس جو بادشاہ کے سامنے بات کرتا تو کجا اونچا سانس تک نہیں لے سکتا، اس کی یہ مجال نہیں کہ مجرم کی طرف دیکھے، وہ خود کسی حیثیت کا مالک نہیں، اس کی بات کی کیا وقعت ہوگی شفاعت تو دور کی بات ہے۔

اگر جرم ایسا ہے کہ بادشاہ کی عادت ہے کہ اس کے بدلے ضرور سزا دیتا ہے تو کبھی بہت نہیں پڑے گی کہ اس کی معافی کی درخواست کرے اور اس کی بخشش چاہے کیونکہ ہر شخص جانتا ہے کہ بادشاہ نے عہد کر رکھا ہے کہ اس جرم پر ضرور سزا دی جائے گی لہذا کسی کی طاقت نہیں کہ سر اٹھا کر بادشاہ کو دیکھے اور اس مجرم کو چھڑا لے۔ شفاعت بالاذن کی صورت میں یہ نہیں کہا جاسکتا کہ بادشاہ خود بخود ازراہ مہربانی اس مجرم کا گناہ بخشنا چاہتا تھا، مقربین کی سفارش لغو اور بے فائدہ ہے کیونکہ بادشاہ نے خود رحم نہیں کیا بلکہ سفارشی کی سفارش بخشش کا سبب بنی ہے لہذا اگر مجرم کہے کہ بادشاہ نے از خود رحم فرما کر مجھے بخش دیا ہے اور شفاعت کا کوئی دخل نہیں ہے تو نعمت شفاعت کا ناشکر ہوگا۔

اس جگہ بُرے دل میں ایک شک گزرتا ہے کہ اگر شفاعت ایک شبہ کا ازالہ

بارگاہِ خداوندی میں مقبول ہو تو دوسری صورتیں ہوں گی تقدیر

میں مجرم کی بخشش ثابت تھی یا نہیں اگر ثابت تھی تو شفاعت نے کیا کیا، تقدیر میں جو کچھ
عقارہ ہو کر رہے گا، کوئی شفاعت کرے یا نہ کرے اور اگر مجرم کی تقدیر میں نہیں
تھی تو شفاعت کس طرح عقدہ کشائی کرے گی کیونکہ شفاعت، قضا کو تبدیل نہیں
کر سکتی۔

یہ شبہ ہم سے زیادہ کچھ حقیقت نہیں رکھتا، اگر یہ شبہ درست ہو تو اعمال شرعیہ
کی تکلیف بلکہ تمام دینی اور دنیاوی کوشش باطل اور بے فائدہ ٹھہریں گی کیونکہ ایسی د
شقیں ہر جگہ جاری کی جاسکتی ہیں۔ اس شبہ کا حل یہ ہے کہ ہم پہلی شق اختیار کرتے
ہیں کہ مجرم کی بخشش تقدیر میں اس شرط کے ساتھ ثابت ہے کہ اگر فلاں مجرم کی
معافی چاہے گا تو اللہ تعالیٰ معاف فرمادے گا جیسے کہ کامیابی اور ناکامی جبریدہ تقدیر
میں اس شرط کے ساتھ ثابت ہے کہ اگر فلاں شخص ایمان لائے گا، نیک عمل کرے گا،
کامیاب ہوگا اور اگر برے کام کرے گا، ناکامی کا شکار ہوگا۔

اس گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے اسباب کے ساتھ
پیدا کیا ہے اس چیز کا وجود ان اسباب سے وابستہ فرمایا ہے، اگرچہ وہ قادر ہے
کہ اگر چاہے تو اس چیز کو بغیر اسباب کے پیدا فرمادے۔ مثلاً اگر ایک آدمی دوسرے
کو قتل کر دے تو اللہ تعالیٰ نے مقتول کی موت قاتل کے فعل (قتل) کے سبب
پیدا فرمائی ہے حالانکہ وہ قادر ہے کہ اگر چاہتا تو اس کی موت قتل کے سبب سے نہ
ہوتی (بلکہ کسی اور طرح سے واقع ہو جاتی)

اب اگر کوئی شخص کہہ کہ مقتول کی موت تقدیر میں ثابت تھی، قاتل کا اس
میں کچھ دخل نہیں تھا، قاتل سے قصاص کیوں طلب کیا جا رہا ہے؟ اس کی یہ بات
سماعت کے لائق نہیں ہے۔ اسی طرح اگر کوئی یہ کہے کہ فلاں گناہ کی بخشش تقدیر
میں ثابت تھی اور شفاعت کرنے والے کا اس میں کوئی دخل نہیں ہے تو اس کی

بات بھی قابلِ توجہ نہیں ہوگی۔

یگفتہ گویا شفاعت کی حقیقت میں تھی۔

محبوبِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شفاعت

اگر گوشِ دل سے سننا چاہئے کہ
آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

اولین و آخرین کے سردار، انبیاء و مرسلین سے افضل، بارگاہِ ایزدی میں سب سے زیادہ
معزز اور بے اڑخدائے قدوس تمام موجودات سے محبوب ترین ہستی ہیں اور حضور صلی اللہ
تعالیٰ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں وہ مقام و مرتبہ اور عزت و فضیلت حاصل ہے
کہ کسی مخلوق کو اس میں شرکت یا ہمسری حاصل نہیں ہے۔ آیاتِ قرآنیہ، احادیثِ نبویہ،
آثارِ صحابہ و تابعین، ائمہ مجتہدین اور تمام علماء دین کے اقوال اس پر دال اور اس دعوے
کی صداقت پر حجتِ قطعیہ اور برہانِ یقینی کا درجہ رکھتے ہیں، کسی مدعی اسلام کو اس کے خلاف
مجالِ دم زدن نہیں ہے۔

پہلی آیت ملاحظہ ہو،

مقامِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے :

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ

”اے حبیب! ہم نے تمہیں نہیں بھیجا مگر تمام جہانوں کے لئے

رحمت بنا کر۔“

WWW.NAFSEISLAM.COM

عالمین میں تمام اگلے اور پچھلے فرشتے، انسان اور ان کے مسوا داخل ہیں،
حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت جبریل امین سے پوچھا کہ تمہیں بھی اس رحمت
سے کچھ حصہ ملا ہے؟ انہوں نے کہا ہاں میں اپنے انجام سے خائف رہتا تھا، اللہ
تعالیٰ کے تعریف فرمانے پر :

ذِي قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِينٍ مُّطَاعٍ ثَمَّ أَمِينٍ

لے تفصیل کیسے نقل یقین، از امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ ملاحظہ ہو۔

(مالکِ عوش کے حضور عزت والا، وہاں اس کا حکم مانا جاتا ہے)
 میں مطمئن ہو گیا ہوں، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وجود مسعود بھی تمام جہانوں کے لئے رحمت
 اور حضور کا وصال بھی رحمت تھا، چنانچہ فرماتے ہیں :
 حَيَاتِي خَيْرٌ لَّكُمْ وَمَمَاتِي خَيْرٌ لَّكُمْ (المحدث)
 ”میری ظاہری زندگی بھی تمہارے لئے بہتر ہے اور میری وفات بھی
 تمہارے لئے بہتر ہے۔“

دوسری حدیث میں ہے :
 إِذَا أَرَادَ اللَّهُ رَحْمَةً بِأُمَّتِهِ قَبَضَ بِيَدِهَا قَبْلَهَا
 فَجَعَلَهُ لَهَا فَهْرًا وَ سَلَفًا -
 ”جب اللہ تعالیٰ کسی امت پر رحمت کا ارادہ فرماتا ہے، ان کے
 نبی کو ان سے پہلے قبض فرمالیتا ہے اور اس نبی کو جنت میں جانے کے
 لئے امت کا پیشرو اور کار ساز بنا دیتا ہے۔“

فرط اس شخص کو کہتے ہیں جو قافلے سے پہلے منزل پر جا کر کھانے، پانی اور
 چارپائیوں کے چارے کا انتظام کرتا ہے تاکہ جب قافلہ پہنچے تو تمام ضروریات انہیں
 مہیا کر دے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
 مومنوں کے لئے بھی رحمت ہیں اور کافروں کے لئے بھی، کیونکہ اس زمانے کے کافر
 ان عذابوں سے محفوظ ہیں جو پہلے کافروں پر نازل ہوتے رہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ
 فرماتا ہے :

مَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ
 ”اللہ تعالیٰ کی یہ شان نہیں کہ انہیں عذاب دے جبکہ اے حبیب!

تم ان میں موجود ہو۔“

دوسری آیت :

وَمَا فَحَصْنَا لَكَ ذِكْرَكَ

”اے حبیب! ہم نے تمہارے لئے تمہارا ذکر بلند کر دیا۔“

جب میرا ذکر ہوگا تمہارا ذکر بھی ہوگا، جیسے کہ کلمہ اور اذان میں ہے۔

حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا

ذکر دنیا اور آخرت میں بلند فرمایا کیونکہ جو بھی خطبہ، تشہد اور نماز پڑھے گا اَشْهَدُ اَنْ

لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنْ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ پڑھے گا۔

حضرت ابوسعید خدری روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

نے فرمایا :

”میرے پاس جبریل امین آئے اور کہا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے حبیب!

تم جانتے ہو اللہ تعالیٰ نے جہان میں تمہارا ذکر کس طرح بلند کیا؟ حضور نے

فرمایا اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے، حضرت جبریل نے کہا اللہ تعالیٰ نے فرمایا

ہے کہ جب میرا ذکر ہوگا، تمہارا ذکر بھی ہوگا۔“

حضرت عطا فرماتے ہیں : اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں نے ایمان کی تکمیل اپنے

اور تمہارے ذکر سے فرمائی ہے۔ یہ بھی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے حبیب! میں نے

تمہیں اپنا ذکر بنا دیا ہے کیونکہ جو تمہارا ذکر کرے گا وہ میرا ذکر کرے گا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

قَدْ اَنْزَلْنَا لَكَ ذِكْرًا فَاسْمَعْ سَوْرًا

”تحقیق اللہ تعالیٰ نے تمہاری طرف ذکر بھیجا جو رسول ہے“

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

جو رسالت کے ساتھ تمہارا ذکر کرے گا وہ ربوبیت کے ساتھ میرا ذکر کرے گا۔
 اللہ تعالیٰ کے ذکر کے ساتھ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ذکر کی ایک
 مثال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی طاعت کے ساتھ حضور کی طاعت اور اپنے نام
 کے ساتھ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نام کو متصل فرمایا ہے،
 ارشاد ہوتا ہے :

أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ

اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ

اور

اللہ تعالیٰ نے اپنا اور اپنے حبیب پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نام او
 عاطفہ (جو جمع اطراف کیلئے آتی ہے) سے یکجا فرمایا ہے اور یہ بات کسی دوسرے کے حق
 میں درست نہیں ہے۔

شرح شفا میں ہے :

رُبَّمَا يُقَالُ إِنَّ اسْمَهُ سُبْحَنَهُ مَعَ اسْمِهِ
 رَسُوْلِهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَرْسُوْمٌ عَلٰی كُلِّ
 شَيْءٍ مِّنَ الْاَشْيَاءِ بِحُكْمِ قَوْلِهِ تَعَالٰی وَرَفَعْنَا لَكَ
 ذِكْرَكَ اَنۡیْ جَعَلْنَا ذِكْرَنَا مَعَكَ فِیْ كُلِّ شَيْءٍ مِّنْ
 مَّلَکٍ وَّ قُلُوْبٍ وَّ بُرُجٍ وَّ سَمَآءٍ وَّ اَرْضٍ وَّ عَرْشٍ وَّ حَجَرٍ
 وَّ مَدَرٍ وَّ شَجَرٍ وَّ شَمَرٍ وَّ نَحْوِ ذٰلِكَ وَاَلِکِنَّ اَکْثَرَ
 الْخَلْقِ لَا یَبْصُرُوْنَ تَصَوُّیْرَهُمْ وَاَنْظِیْرُهُ قَوْلُهُ سُبْحَنَهُ
 وَاِنْ مِنْ شَيْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ وَاَلِکِنَّ
 لَا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ۔

”بہت سے علماء فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا نام حضور سید عالم صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلم کے نام کے ساتھ و سرفعنا لک ذکرک کے مطابق
 ہر شے پر نقش ہے یعنی اے حبیب! فرشتہ ہوا آسمان، عمارت ہو یا عرش و
 فرش، پتھر ہو یا کچی اینٹ، درخت ہو یا پھل وغیرہ ہم نے ہر چیز پر اپنے ذکر
 کے ساتھ تمہارا ذکر نقش کر دیا ہے اگرچہ اکثر مخلوق اس کی تصویر نہیں دیکھ پاتی
 اس کی نظیر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ہر شے اللہ تعالیٰ کی حمد کے ساتھ
 تسبیح کرتی ہے لیکن تم ان کی تسبیح کو نہیں سمجھتے۔“

تیسری آیت کریمہ :

وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَا آتَيْتُكُمْ
 مِنْ كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُصَدِّقٌ
 لِمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنْصُرُنَّهُ قَالَ أَأَقْرَرْتُمْ
 وَأَخَذْتُمْ عَلَىٰ ذَٰلِكُمْ إِصْرِي قَالُوا أَقْرَرْنَا قَالَ
 فَاشْهَدُوا وَأَنَا مَعَكُمْ مِنَ الشَّاهِدِينَ۔

”اے حبیب! اس وقت کو یاد کیجئے جب اللہ تعالیٰ نے انبیاء
 سے وعدہ لیا کہ جب میں تمہیں کتاب اور حکمت دے دوں پھر تمہارے
 پاس تمہاری کتابوں کی تصدیق کرنے والا رسولِ عظیم تشریف لے آئے
 تو تم ضرور ان پر ایمان لے آنا اور ان کی امداد کرنا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا
 تم نے اقرار کیا اور اس پر میرا عہد لے لیا؟ انبیاء نے کہا ہاں ہم نے اقرار
 کیا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم گواہ ہو جاؤ اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہ
 ہوں۔“

اس سے ظاہر ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو وہ
 فضیلت و کرامت عطا فرمائی ہے جس میں کسی دوسرے کو شریک نہیں کیا اور آنحضرت

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس فضیلت و شرافت میں تمام انبیاء و مرسلین سے ممتاز فرمایا ہے۔

مفسرین فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جتنے نبی بھی دنیا میں بھیجے، انہیں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نام اور آپ کے اوصاف بتا دئے اور ان سے عہد لیا کہ اگر وہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پالیں تو آپ پر ایمان لائیں۔

امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم اور ان کے بعد جتنے نبی بھیجے ان سے وعدہ لیا کہ اگر ان کی حیات ظاہرہ میں حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مبعوث ہو جائیں تو ان پر ایمان لانا، ان کی امداد کرنا اور اپنی قوم کو بھی یہ حکم دینا۔

چوتھی آیت مبارکہ :

وَإِذْ أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّينَ مِيثَاقَهُمْ وَمِنْكَ
وَمِنْ نُوحٍ وَإِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ وَعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ
”اے حبیب ایا دیکھتے ہو جب ہم نے انبیاء سے عہد لیا اور تم سے

اور نوح، ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ بن مریم (علیہم السلام) سے۔“

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ (حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صلہ کے بعد) روتے ہوئے کہہ رہے تھے یا رسول اللہ! صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میرے والدین آپ پر قربان، اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں آپ کا پایہ اتنا بلند تھا کہ آپ کو تمام انبیاء علیہم السلام کے بعد مبعوث فرمایا اور سب سے پہلے آپ کا ذکر کیا اور فرمایا :

وَإِذْ أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّينَ مِيثَاقَهُمْ وَمِنْكَ

وَمِنْ نُوحٍ وَإِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ وَعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ۔

یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر نثار جناب الہی میں آپ کی اتنی فضیلت ہے کہ

اہلِ دوزخ آرزو کریں گے کہ کاش آپ کی اطاعت کرتے اور حالتِ عذاب میں کہیں گے
اے کاش! ہم نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی ہوئی اور رسولِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ
وسلم کی فرمانبرداری کی ہوئی۔

حضرت قتادہ فرماتے ہیں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا میں تخلیق
میں تمام انبیاء سے پہلے تھا اور بعثت میں سب سے آخر ہوں۔

پانچویں آیت طیبہ :

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ مِنْهُمْ
مَنْ كَلَّمَ اللَّهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجَاتٍ -

”وہ رسولانِ گرامی ہم نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی، ان
میں سے بعض وہ ہیں جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے (بلا واسطہ) کلام کیا اور
ان میں سے بعض کے (بے شمار) درجے بلند کئے۔“

مفسرین فرماتے ہیں کہ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجَاتٍ سے آنحضرت
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مراد ہیں کیونکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سرخ اور سفید یعنی تمام مخلوق
کی طرف مبعوث ہیں، کفار کا مالِ غنیمت آپ کے لئے حلال کیا گیا۔ آپ کے دستِ مبارک
پر بے شمار معجزے ظاہر ہوئے، انبیاءِ کرام کو جو بھی فضیلت و کرامت عطا کی گئی ویسی ہی
عزت و شرافت حضور کو دی گئی۔

بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ایک فضیلت یہ بھی
ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دیگر انبیاء کو ناموں سے خطاب فرمایا اور حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ
علیہ وسلم کو نبوت و رسالت کے وصف سے یاد کیا اور فرمایا يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ
يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ -

چھٹی آیت :

ظَلَمَّا أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لِتَشَفِيَ

”اے ظاہر! اے راہنما! ہم نے تم پر قرآن اس لئے نہیں اتارا

کہ تم مشقت اٹھاؤ۔“

اس آیت سے اللہ تعالیٰ کی بے پایاں مہربانی اور شکیم حبیب پاک صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندگی میں آپ کی مشقت اور تکلیف روا نہیں رکھی۔

ساتویں آیت :

وَالضُّحَىٰ وَاللَّيْلِ إِذَا سَجَىٰ، مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلَىٰ، وَلَآ خِرَّةٌ مِّثْلِكَ وَلَآ أُولَىٰ وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ۔

”قسم ہے چاشت کی بوقت کی اور قسم ہے رات کی جب پرسکون

ہو جائے، تمہارے رب نے نہ تمہیں چھوڑا اور نہ دشمن رکھا، بے شک

تمہارے لئے آخرت دنیا سے بہتر ہے، عنقریب تمہارا رب تمہیں

اتنادے گا کہ تم خوش ہو جاؤ گے۔“

ایک وقت بعض وجوہ کی بنا پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی کے پہنچنے میں

دیر ہو گئی تو بے دین مشرکوں نے مشہور کر دیا کہ (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ نے حضور صلی

اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو چھوڑ دیا ہے اور دشمن رکھا ہے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ

وسلم وحی کی تاخیر سے پریشان تھے۔ حضرت جبریل امین بشارت کی یہ وحی لائے جس میں

اللہ تعالیٰ نے قسم یاد فرما کر چھوڑ دینے اور دشمن رکھنے کی نفی فرمائی جس کی تشہیر ملعون مشرکین

کر رہے تھے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تسلی دی کہ اللہ تعالیٰ نے نہ آپ کو چھوڑا

ہے اور نہ دشمن رکھا بلکہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں آپ کے مراتب و مناصب میں دن بدن

ترقی ہے اور دنیا کی نسبت آخرت میں آپ کی عزت افزائی اور زیادہ ہوگی کیونکہ آپ دنیا میں وہ سب کچھ کرنے میں جو اللہ تعالیٰ آپ سے چاہتا ہے، قیامت کے روز اس کی جزا یہ ہوگی کہ آپ اللہ تعالیٰ سے جو درخواست کریں گے آپ کو عطا فرمائے گا حتیٰ کہ آپ راضی ہو جائیں گے۔

ایک روایت میں ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا میں اس وقت تک ہرگز راضی نہیں ہوں گا جب تک میرا ایک امتی بھی دوزخ میں رہے گا گویا اللہ تعالیٰ اس پر بشارت آیت میں قسم یاد فرما کر فرماتا ہے کہ اے حبیب! تمہارے رب نے تمہیں نہیں چھوڑا بلکہ تمہارے عزت و شرف کے مراتب میں دن بدن اضافہ فرمائے گا، تمہاری رضا مندی اور تمہیں خوش رکھنے کے لئے تمہارے کسی پیروکار اور متبع پر غضب نہیں فرمائے گا کیونکہ ان میں سے کسی پر غضب کرنا تمہیں پسند نہیں ہوگا یعنی اللہ تعالیٰ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے متبعین اور محبین پر بھی (حضور کی نسبت کے سبب) غضب نہیں فرمائے گا چہ جائیکہ حبیب پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر غضب فرمائے۔

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رضا اور خوشنودی چاہتا ہے، ہاں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے محبوب ہیں اور بلاشبہ محب، محبوب کی خوشی اور رضا کا طالب ہوتا ہے کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

گھنٹا وصل بہ یا ہجر از دوست

گھنٹا ہرچہ میلِ خاطرِ دوست

"کسی نے پوچھا محبوب کی ملاقات اچھی ہے یا جدائی؟ تو محبوب نے

کہا جو محبوب کو پسند ہو۔"

آٹھویں آیت :

لَعَنَ مَرْكًا اَتَمَّهُ لَعْنِي سَكَرْتِهِمْ يَغْمُوهُونَ
 "اے حبیب! تمہاری زندگی کی قسم تھقیق قریش یا قوم لوط اپنی گمراہی

میں سرگرداں رہتے ہیں۔"

مفسرین کا اس پر اتفاق ہے کہ اس کلام میں اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مدت حیات کی قسم یاد فرمائی اور اس کا معنی یہ ہے کہ اے حبیب تمہاری بقا کی قسم لے۔ بعض نے فرمایا تمہاری زندگی کی قسم، بعض نے فرمایا تمہاری حیات کی قسم! اس میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حد درجہ تعظیم و تکریم ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ایسا کوئی انسان پیدا نہیں فرمایا جو اس کی بارگاہ میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے زیادہ معزز ہو اور میں نے نہیں سنا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے موالدہ اللہ تعالیٰ نے کسی کی زندگی کی قسم یاد فرمائی ہو۔

حضرت ابو الجوزاء فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سوا کسی کی زندگی کی قسم یاد نہیں فرمائی کیونکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بارگاہ الہی میں تمام مخلوق سے زیادہ عزت والے ہیں۔

نویں آیت :

لَا اُقْسِمُ بِهَذَا الْبَلَدِ وَاَنْتَ حِلٌّ بِهَذَا الْبَلَدِ
 وَاَالِدٍ وَاَمَّا وَلَدٌ۔

"اے حبیب! مجھے قسم ہے اس شہر کی جس میں تم طہرہ افروز ہو اور قسم

ہے جننے والے اور جننے ہوئے کی۔“

وَأَنْتَ حَلَّ بِهَذَا الْبَلَدِ اے حبیب! تم اس شہر میں جلوہ افروز ہو) میں حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی کس قدر بزرگی اور عظمت کا اظہار ہے، ہر فوق سلیم والا اس کا اندازہ کر سکتا ہے۔ بعض تفاسیر میں ہے کہ مَا وَلَدَ سے مراد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں۔

دسویں آیت :

إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ
يَكُ اللَّهُ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ۔

”اے حبیب! بے شک جو لوگ تمہاری بیعت کرتے ہیں، سوائے اس کے نہیں کہ وہ اللہ کی بیعت کرتے ہیں، ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے۔“

انہی آیات میں سے سورۃ بنی اسرائیل اور سورۃ النجم کی وہ آیات ہیں جن میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے معراج کا ذکر ہے، مسجد حرام (مکہ معظمہ) سے مسجد اقصیٰ تک وہاں سے آسمانوں تک اور وہاں سے قرب خاص تک آیات مبارکہ، احادیث طیبہ، صحابہ کرام اور ائمہ دین کے اقوال ذکر کئے جائیں تو گفتگو طویل ہو جائے گی محققین صحابہ اور ائمہ مجتہدین اس کے قائل ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بیداری کی حالت میں عرش مجید (بلکہ اس سے بھی آگے) تک جہان فی معراج ہوئی اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بلا واسطہ اللہ تعالیٰ سے ہمکلامی کا شرف حاصل ہوا، البتہ اس میں اختلاف ہے کہ ذات مقدسہ کی تجلی کا ویدار سر کی آنکھوں سے ہوا یا دل کی آنکھوں سے، اور دَنَا فَنَدَلْنِي فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَىٰ کے مطابق کمال قرب تک پہنچے۔

مختصر یہ کہ قرآن پاک اول سے آخر تک حضور ختم المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی غلافت اور نیابت الہیہ کو بیان کرتا ہے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کمال اور بلند مرتبہ پر دلیل صادق ہے، اس کے احاطہ کے لئے بڑی تفسیر و تکرار ہے اس جگہ جو کچھ بیان ہوا، اسی پر اکتفا کیا جاتا ہے کیونکہ آیات مذکورہ اس مقصد کے لئے کافی ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انبیاء و مرسلین کے سردار، اللہ تعالیٰ کے دربار میں اولین و آخرین سے زیادہ معزز اور اللہ تعالیٰ کو تمام مخلوق سے زیادہ محبوب ہیں اور اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تمام انبیاء و مرسلین کا امام اور سردار بنایا اور تمام انبیاء و مرسلین سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی فرمانبرداری اور اطاعت کا وعدہ لیا اور اللہ تعالیٰ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رضا کا طالب ہے۔

احادیث طیبہ

اب چند احادیث نبویہ ملاحظہ ہوں :

پہلی حدیث :

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللَّهَ قَسَمَ الْخَلْقَ قِسْمَيْنِ فَجَعَلَنِي فِي خَيْرِهِمْ قِسْمًا فَذَلِكَ قَوْلُهُ أَصْحَابُ الْيَمِينِ وَأَصْحَابُ الشِّمَالِ فَأَنَا مِنْ أَصْحَابِ الْيَمِينِ وَأَنَا خَيْرُ أَصْحَابِ الْيَمِينِ ثُمَّ جَعَلَ الْقِسْمَيْنِ أَثْلًا ثُمَّ جَعَلَنِي فِي خَيْرِهِمَا أَثْلًا فَذَلِكَ قَوْلُهُ تَعَالَى أَصْحَابُ الْمَيْمَنَةِ وَأَصْحَابُ

الْمَشَاقِمَ وَالشَّيْقُونَ الشَّيْقُونَ فَأَنَا مِنَ الشَّيْقِينَ
وَأَنَا خَيْرُ الشَّيْقِينَ ثُمَّ جَعَلَ الْأَشْلَافَ قَبَائِلَ
فَجَعَلَنِي فِي خَيْرِهَا قَبِيلَةَ وَذَلِكَ قَوْلُهُ تَعَالَى
جَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ
عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ وَأَنَا أَتَقَى وَلِدَادِمَ وَأَكْرَمَهُمْ
عَلَى اللَّهِ تَعَالَى وَلَا فَخْرَ ثُمَّ جَعَلَ الْقَبَائِلَ مُيُوتَاتًا
فَجَعَلَنِي مِنْ خَيْرِهَا مَبِيئًا فَذَلِكَ قَوْلُهُ تَعَالَى
إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ
الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا -

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ
تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا تحقیق اللہ تعالیٰ نے مخلوق یعنی جن اور انسان کی دو
قسمیں فرمائیں مجھے ان میں سے بہترین قسم میں سے بنایا، یہ ہے اللہ تعالیٰ
کا فرمان ایک قسم اصحابِ یمین ہے اور دوسری قسم اصحابِ شمال، میں اصحابِ
یمین میں سے ہوں اور اصحابِ یمین میں سے بہتر ہوں، پھر ان دو قسموں
کی تین قسمیں بنائیں اور مجھے ان میں سے بہتر قسم میں بنایا، یہ ہے
اللہ تعالیٰ کا فرمان کہ ایک قسم خوش بخت ہے، دوسری بد بخت، تیسری
نیکی میں سبقت کرنے والے، میں سابقین میں سے ہوں اور سابقین میں
سے بہتر، پھر اللہ تعالیٰ نے ان میں قسموں کو قبیلے بنایا اور مہجنان میں
سے بہترین قبیلے میں بنایا، یہ ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد، ہم نے تمہیں اصول
اور گروہ بنایا تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو، تحقیق تم میں اللہ تعالیٰ کے
نزدیک زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ متقی ہے، بیشک اللہ تعالیٰ

جانتے والا خبر والا ہے، میں اولادِ آدم میں سب سے زیادہ پرہیزگار
اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ عزت والا ہوں اور میں فخر نہیں
کرتا، پھر اللہ تعالیٰ نے قبائل کو گھروں میں تقسیم فرمایا اور مجھے بہترین گھر
میں پیدا فرمایا، یہ ہے اللہ تعالیٰ کا قول کہ اللہ تعالیٰ انہیں چاہتا مگر
یہ کہ پلیدی دور کرے تم سے اے اہل بیت اور تمہیں پاک کرے
پاک کرنا۔“

دوسری حدیث :

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
نے فرمایا :

أَنَا أَكْرَمُ وَلَدِ آدَمَ عِنْدَ رَبِّي وَلَا فَخْرَ

”میں اپنے رب کے نزدیک اولادِ آدم میں سب سے زیادہ
عزت والا ہوں اور میں فخر نہیں کرتا۔“

تیسری حدیث :

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما راوی ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وسلم نے فرمایا :

أَنَا أَكْرَمُ الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ وَلَا فَخْرَ

”میں پہلی اور پچھلی تمام مخلوق سے زیادہ عزت والا ہوں اور
میں اس پر فخر نہیں کرتا۔“

چوتھی حدیث :

حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا راوی ہیں کہ حضور

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا :

آتَانِي جِبْرَائِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَقَالَ لِي قُلْتُ
مَشَارِقَ الْأَرْضِ وَمَغَارِبَهَا فَلَمَّا أَسْرَجُلًا أَفْضَلَ
مِنْ مُحَمَّدٍ وَلَمْ أَرَ بَنِيَّ أَبَافُضَلَ مِنْ
بَنِي هَاشِمٍ۔

”میرے پاس جبریل امین علیہ السلام آئے، انہوں نے مجھے کہا کہ
میں نے زمین کے مشرق و مغرب چھپان ڈالے لیکن میں نے حضور
سے زیادہ فضیلت والا کوئی شخص نہیں دیکھا اور کسی باپ کے بیٹے ہوشام
سے زیادہ فضیلت والے نہیں دیکھے۔“

پانچویں حدیث :

ابن وہب راوی ہیں کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا :
” اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے حبیب ! مجھ سے مانگ ! میں نے
عرض کیا اے پروردگار ! میں تجھ سے کیا مانگوں ؟ تو نے حضرت ابراہیم
کو خلیل بنایا، حضرت موسیٰ سے بلا واسطہ کلام کیا، حضرت نوح کو برگزیدہ
فرمایا حضرت سلیمان کو وہ سلطنت دی کہ ان کے بعد کسی کے لائق نہیں
(علیم السلام) اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے حبیب ! میں نے جو کچھ تمہیں دیا وہ
ان سب سے بہتر ہے۔ میں نے تمہیں حوض کوثر دیا، تمہارا نام اپنے نام

صلیہ امام اہل سنت شاہ احمد رضا بریلوی قدس سرہ فرماتے ہیں سے

یہی بولے سدہ والے ہیں جہاں کے تھالے

سمجھی میں نے چھان ڈالے تیرے پایہ کا نہ پایا

تجھ یک نے یک بنایا

کے ساتھ رکھا کہ آسمانوں میں پکارا جاتا ہے، تمہارے لئے اور تمہاری امت کے لئے زمین کو پاک کرنے والی بنایا (اس سے تیمم کیا جاسکتا ہے) تمہارے طفیل تمہارے اگلوں اور پچھلوں کے گناہ معاف کر دئے، تم لوگوں میں اس نال میں چلتے ہو کہ تمہارے طفیل گناہ بخش دئے گئے ہیں، یہ اعزاز و اکرام تم سے پہلے کسی کو نہیں دیا، تمہاری امت کے دل مصحف بنا دئے کہ وہ قرآن پاک یاد کرتے ہیں، تمہارے لئے میں نے شفاعت محفوظ رکھی، تمہارے سوا کسی یغیر کے لئے شفاعت محفوظ نہیں رکھی۔“

چھٹی حدیث :

طویل حدیث میں ہے کہ فرشتوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کہا :

مَا أَكْرَمَكَ عَلَى اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ لَمَعَكَ وَمَلَائِكَتُهُ

”اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں آپ کی کتنی عزت ہے تحقیق اللہ تعالیٰ

آپ کے ساتھ ہے اور اس کے فرشتے“

ساتویں حدیث :

شفاعت شریف میں ابو محمد مکی اور ابواللیث سمرقندی وغیرہما سے منقول ہے :

”حضرت آدم علیہ السلام نے اپنی لغزش کے بعد کہا اے اللہ! محمد

مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے طفیل میری لغزش معاف فرما، اللہ تعالیٰ

نے آدم علیہ السلام سے فرمایا تم نے محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کہاں

سے پہچانا؟ آدم علیہ السلام نے کہا میں نے جنت میں ہر جگہ لا اِلهَ

إِلَّا اللَّهُ محمد رسول اللہ لکھا دیکھا، ایک روایت میں ہے

مُحَمَّدٌ عَبْدِي وَرَسُولِي (محمد میرے بندے اور رسول ہیں)

اس سے میں نے جانا کہ وہ تیرے نزدیک تمام مخلوق سے زیادہ عزت والے

میں، اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی توبہ قبول کی اور ان کی لغزش معاف فرمادی، اس کلام کے قائل کے نزدیک اللہ تعالیٰ کے ارشاد "وَقَتَلْنَاكَ" اَدَمَ مِنْ تَرَبِّهِ كَلِمَاتٍ قَتَابَ عَلَیْهِ اَدَمَ عَلَیْہِ السَّلَام نے اپنے رب سے چند کلمات حاصل کئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول کر لی، کا یہی مطلب ہے۔"

ایک روایت میں ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے کہا اے پروردگار جب تو مجھے پیدا کیا تو میں نے سر اٹھایا، دیکھا کہ عرش مجید پر کھڑا ہوا تھا "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ" پس میں نے جان لیا کہ تیرے نزدیک کسی کا مقام اس ذاتِ کریم سے بلند نہیں ہے، چنانچہ میں نے اپنے نام کے ساتھ جمع کیا ہے، اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی طرف وحی نازل فرمائی کہ مجھے اپنی عزت اور جلال کی قسم، محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمہاری اولاد میں سے آخری پیغمبر ہیں، اگر وہ نہ ہوتے تو تمہیں بھی پیدا نہ فرماتا۔

بعض روایات میں ہے کہ آدم علیہ السلام کی کنیت ابو محمد تھی۔ ایک روایت میں ہے ان کی کنیت ابو البشر تھی یعنی حضرت آدم علیہ السلام کی کنیت میں باپ ہونے کی نسبت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ماسوا کسی کی طرف نہ تھی لہٰذا شریح بن یونس فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے ایسے ہیں جو زمین پر گشت لگاتے ہیں اور اس گھر والوں کی کثرت سے زیارت کرتے ہیں جس میں احمد یا محمد نام والا کوئی شخص ہو، یہ فرشتوں کی طرف سے تعظیم ہے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی۔

ملہ حضرت سیدی شیخ ابن الفارض قدس سرہ سورہی اللہ علیہ وسلم کی زبانی کہتے ہیں کہ

افى وان كنت ابن ادم صوريۃ فلى فيه معنى شاهد بابوتى

"میں اگرچہ ظاہر کے لحاظ سے آدم علیہ السلام کا بیٹا ہوں، میرے اندر ایک ایسا معنی ہے جو میرے باپ ہونے پر شاہد ہے۔"

قاضی ابن قانع، الجوہر سے راوی ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا
جب فرشتے مجھے آسمان پر لے گئے تو میں نے دیکھا عرش پر لکھا ہوا تھا لا الہ الا
اللہ محمد رسول اللہ۔

اکھڑی حدیث :

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ جنت کے دروازے

پر لکھا ہوا ہے :

انی انا اللہ لا الہ الا انا، محمد رسول اللہ
لا اعذب من قالہا۔

”بے شک میں خدا ہوں، میرے سوا کوئی معبود نہیں، محمد اللہ کے
رسول ہیں، اس کلمہ کے کہنے والے کو میں عذاب نہیں دوں گا۔“

امام جعفر صادق اپنے والد ماجد محمد باقر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی ہیں
کہ قیامت کے دن ایک نماز کرنے والا کہے گا کہ :

”جس کا نام محمد ہے اُٹھے اور جنت میں داخل ہو جائے، یہ نبی

اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نام پاک کی تعظیم ہوگی۔“

نویں حدیث : WWW.NAFSEISLAM.COM

مشکوٰۃ شریف میں ہے، حضرت امام جعفر صادق اپنے والد ماجد سے

راوی ہیں :

ان رجلا من قریش دخل علی ابیہ علی بن الحسین
فقال الا احدثک عن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وسلم قال بلی حدثنا عن ابی القاسم صلی
اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

”ایک قریشی، حضرت محمد باقر کے والد علی بن حسین (امام زین العابدین) رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی خدمت میں حاضر ہوا، حضرت علی بن حسین نے فرمایا کیا میں تمہیں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حدیث بیان نہ کروں؟ اس شخص نے کہا ہاں مجھے حضرت ابوالقاسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حدیث بیان کیجئے“

قَالَ لَمَّا مَرَّحَنَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اتَاَهُ جِبْرِئِيلُ-

”علی بن حسین نے فرمایا جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طبیعت مبارکہ ناساز ہوئی تو آپ کی خدمت میں جبریل امین علیہ السلام حاضر ہوئے“

فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ إِنَّ اللَّهَ أَمَرَ سَلْمَةَ ابْنَتَكَ تَكْرِيماً
لَكَ وَتَشْرِيفاً لَكَ خَاصَّةً لَكَ يَسْأَلُكَ عَنْهَا هُوَ
أَعْلَمُ بِكَ مِنْكَ يَقُولُ كَيْفَ تَجِدُكَ قَالَ أَجِدُنِي
يَا جِبْرِئِيلُ مَغْسُوماً وَأَجِدُنِي يَا جِبْرِئِيلُ مُكْرَوماً-

”جبریل امین نے عرض کیا اللہ تعالیٰ نے مجھے آپ کی تکریم و تشریف

کے لئے آپ کے پاس بھیجا ہے اور یہ آپ کی خصوصیت ہے، اس چیز کے بارے میں پوچھتا ہے جسے وہ آپ سے زیادہ جانتا ہے، فرماتا ہے:

اے حبیب! تم اپنا مزاج کیا پاتے ہو؟ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے

فرمایا اے جبریل! میں اپنے آپ کو غمگین اور تکلیف میں پاتا ہوں“

ثُمَّ جَاءَهُ الْيَوْمَ الثَّانِي فَقَالَ لَهُ ذَلِكَ فَردَّ عَلَيْهِ

الَّتِي صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَمَا رَدَّ أَوَّلَ يَوْمٍ

ثُمَّ جَاءَهُ الْيَوْمَ الثَّالِثَ فَقَالَ لَهُ كَمَا قَالَ أَوَّلَ يَوْمٍ

وَرَدَّ عَلَيْهِ كَمَا سَرَدَ عَلَيْهِ -

”پھر حضرت جبریل علیہ السلام دوسرے روز حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور وہی بات عرض کی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وہی پہلے دن والا جواب دیا، پھر حضرت جبریل علیہ السلام تیسرے روز حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور وہی کچھ کہا جو پہلے روز کہا تھا اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں وہی جواب دیا“

وَجَاءَ مَعَهُ مَلَكٌ يُقَالُ لَهُ اسْمَاعِيلُ عَلَى مِائَةِ
أَلْفِ مَلَكٍ كُلُّ مَلَكٍ عَلَى مِائَةِ أَلْفٍ مَلَكٍ فَاسْتَأْذَنَ
عَلَيْهِ فَنَسَأَ لَهُ عَنْهُ ثُمَّ قَالَ جِبْرِئِيلُ هَذَا مَلَكُ
الْمَوْتِ يَسْتَأْذِنُ عَلَيْكَ مَا اسْتَأْذَنَ عَلَى آدَمَ
قَبْلَكَ وَلَا يَسْتَأْذِنُ عَلَى آدَمَ بَعْدَكَ فَقَالَ انْذِنُ
لَهُ فَأَذِنَ لَهُ فَسَلَّمَ عَلَيْهِ -

”اور حضرت جبریل علیہ السلام کے ساتھ ایک فرشتہ آیا جسے اسماعیل کہتے ہیں وہ ایک لاکھ فرشتوں پر حاکم ہے ان میں سے ہر ایک لاکھ فرشتوں پر حاکم مقرر ہے، انہوں نے بارگاہ رسالت میں حاضری کی اجازت طلب کی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت جبریل علیہ السلام سے اس فرشتے کے بارے میں پوچھا جسے اسماعیل کہتے ہیں (اتنے میں ملک الموت حاضر ہوئے) حضرت جبریل علیہ السلام نے کہا یہ ملک الموت ہیں آپ سے اجازت چاہتے ہیں، انہوں نے آپ سے پہلے کسی انسان سے اجازت نہیں لی اور نہ آپ کے بعد کسی سے اجازت لیں گے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا انہیں اجازت دے دو حضرت جبریل نے انہیں اجازت

دی تو انہوں نے (حاضر ہو کر) سلام عرض کیا۔

ثُمَّ قَالَ يَا مُحَمَّدُ إِنَّ اللَّهَ أَمَرَ سَلْمَةَ ابْنَةَ
قَيْسٍ أَنْ أَمَرَتْ نِسَاءً أَنْ أَقْبِضَ رُوحَكَ قَبَضَتْ وَأَنَّ
أَمَرَتْ نِسَاءً أَنْ أَشْرَكَكَ شَرَكْنَهُ فَقَالَ وَتَفْعَلُ يَا مَلَكُ
الْمَوْتِ قَالَ نَعَمْ بِذَلِكَ أُمِرْتُ وَأُمِرْتُ أَنْ
أُطِيعَكَ.

”پھر ملک الموت نے کہا یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے مجھے
آپ کی طرف بھیجا ہے، اگر آپ فرمائیں تو آپ کی روح قبض کر لوں اور
اگر آپ فرمائیں تو قبض نہ کروں، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تو
میرے کہنے پر عمل کرے گا؟ انہوں نے کہا ہاں، مجھے اسی کا حکم دیا گیا ہے
مجھے حکم دیا گیا ہے کہ آپ کی اطاعت کروں۔“

ثُمَّ قَالَ فَنَظَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
إِلَى جِبْرِئِيلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَقَالَ جِبْرِئِيلُ يَا مُحَمَّدُ
إِنَّ اللَّهَ قَدِ اشْتَقَّ إِلَى لِقَائِكَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى
اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَلَكَ الْمَوْتِ إِمْرُؤٌ لَمَّا أُمِرْتُ
بِهِ فَقَبَضَ رُوحَهُ.

”راوی کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت جبریل
علیہ السلام کی طرف دیکھا، انہوں نے کہا یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ آپ
کی ملاقات کا مشتاق ہے تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:
اے ملک الموت! تجھے جو حکم دیا گیا ہے اس کی تعمیل کر چنانچہ انہوں نے
حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی روح قبض کر لی۔“

اس حدیث سے سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عزت، جلالت اور محبوبیت معلوم کی جاسکتی ہے، حضرت جبریل امین کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے تین دن حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عیادت اور مزاج پرسی کے لئے حاضر ہونا، حضرت ملک الموت کا زیارت اور روح قبض کرنے کے لئے حاضری کی اجازت طلب کرنا، اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی فرمانبرداری کا پابند ہونا اور حضرت جبریل امین کا یہ عرض کرنا کہ اللہ تعالیٰ آپ کی ملاقات کا شائق ہے، ایسے امور میں جن سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بارگاہ الہی میر مقام و منصب معلوم کیا جاسکتا ہے۔
دسویں حدیث :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حدیث معراج میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی انبیاء کرام علیہم السلام سے ملاقات کا ذکر کیا ہے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی گفتگو بیان کی ہے، فرماتے ہیں :

إِنَّ مُحَمَّداً أَشْنَىٰ عَلَىَّ سَائِرِ

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے رب کی تعریف کی

فَقَالَ كُلُّكُمْ أَشْنَىٰ عَلَىَّ سَائِرِهِ وَأَنَا أَشْنَىٰ عَلَىَّ سَائِرِي

”حضور نے فرمایا تم میں ہر ایک نے اپنے رب کی تعریف کی اب میں

اپنے رب کی تعریف کرتا ہوں“

الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَنَسَلَ لِي سَاحَتَهُ لِلْعَالَمِينَ
وَكَافَّ لِلنَّاسِ أَجْمَعِينَ بَشِيرًا وَنَذِيرًا۔

”تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے جس نے مجھے تمام جہانوں کے

لئے رحمت بنا کر بھیجا اور تمام انسانوں کے لئے خوشخبری اور ڈر سنائیوال

بنا کر بھیجا۔“

وَأُنْزِلَ عَلَى الْفُرْقَانِ فَيُبَيِّنُ لِكُلِّ شَيْءٍ

”اور مجھ پر قرآن پاک اتارا جس میں ہر شے کا بیان ہے“

وَجَعَلَ أُمَّتِي أُمَّةً قَسْطًا

”اور میری امت رہبرین امت بنایا“

وَجَعَلَ أُمَّتِي هُمَالًا وَلُؤُنَ وَهْمًا الْفَخْرُونَ

”اور میری امت کو (جنت میں داخل ہونے میں) پہلی امت اور

وجود کے اعتبار سے آخری امت بنایا“

وَشَرَحَ لِي صَدْرِي وَوَضَعَ عَنِّي وَثْرِي

”اور میرے دل کو علوم و حکم کیلئے کھول دیا اور میرے لئے تبلیغ و

رسالت کا بوجھ آسان فرما دیا“

وَسَا فَعَزَّ ذِكْرِي وَجَعَلَنِي فَاتِحًا وَخَاتِمًا

”اور میرا ذکر بلند فرمایا، مجھے تمام اولین و آخرین میں فاتح (اول)

اور تمام انبیاء و مرسلین کا خاتم بنایا“

فَقَالَ اِبْرَاهِيمُ عَلَيْهِ السَّلَامُ بِهَذَا فَضَّلَكُمْ

مُحَمَّدٌ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

”حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا اے نبیاء! اسی لئے محمد

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تم سے افضل ہوئے ہیں“

گیارہویں حدیث :

یہ بھی احادیث میں وارد ہے :

فَقَالَ لَهُ رَبُّهُ تَعَالَى قَدْ اتَّخَذْتُكَ حَبِيبًا

فَهُوَ مَكْتُوبٌ فِي التَّوْرَةِ مُحَمَّدٌ حَبِيبُ الرَّحْمَنِ

”اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں نے تمہیں محبوب بنالیا، توراۃ میں لکھا ہے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے محبوب ہیں“
وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ الَّذِي جَعَلْنَا
أُمَمًا مِّنْهُمْ أَهْلَ الْبَيْتِ وَالْأَخِرُونَ۔

”ہم نے تمہیں تمام انسانوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا اور تمہاری امت کو سعادت میں پہلی اور وجود میں آخری امت بنایا“
وَجَعَلْنَا أُمَمًا مِّنْهُمْ أَهْلَ الْبَيْتِ وَالْأَخِرُونَ
يَشْهَدُونَ أَمْرًا مِّنْكُمْ وَأَمْرًا مِّنْكُمْ۔

”اور آپ کی امت پر لازم کیا کہ ان کے لئے کوئی خطبہ جائز نہیں جب تک یہ گواہی نہ دیں کہ آپ میرے خلیفہ ناص اور رسول ہیں“
وَجَعَلْنَا أَوَّلَ النَّبِيِّينَ خَلْفًا وَأَخِرَهُمْ بَعَثًا
”اور میں نے تمہیں خلقت میں سب سے پہلے اور بعثت میں سب سے آخر بنایا“

وَأَعْطَيْنَاكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِي وَالْقُرْآنَ الْعَظِيمَ۔
”اور میں نے تمہیں سبع مثنیٰ (سورۃ فاتحہ جس کی سات آیتیں ہیں) سات طوال سورتیں، دی اور قرآن عظیم“

وَأَعْطَيْنَاكَ خَوَاصَّ سُورَةِ الْبَقَرَةِ مَن كُنْتَ تَحْتَ عَرْشِي لَمَّا عَظَّمَهَا سَبْعًا قَبْلَكَ وَجَعَلْنَا فَاتِحًا وَخَاتِمًا۔
”اور میں نے تمہیں اس خزانے سے جو عرش کے میچے ہے سورۃ بقرہ کی آخری آیتیں دیں، آپ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دیں اور میں نے تمام انبیاء

سے اول اور آخر بنایا۔

بارہوی حدیث :

أَنَا سَيِّدُ وَلَدِ آدَمَ يَوْمَ الْقِيَمَةِ وَبِيَدِي
يَوْمَ الْحَكْمِ وَلَا فَخْرَ مَا مِنْ شَيْءٍ يَوْمَئِذٍ
أَدَمُ فَمَنْ دُونَهُ إِلَّا تَحْتَ يَوَاقِي وَأَنَا أَوَّلُ مَنْ
تَنْشَقُّ عَنْهُ إِلَّا رَحُصٌ وَلَا فَخْرَ۔

”قیامت کے روز میں اولادِ آدم علیہ السلام کا سردار ہوں گا اور میرے
ہاتھ میں نوارِ الحمد (حمد کا جھنڈا) ہوگا، اس دن آدم علیہ السلام اور ان کے
ماسوا تمام نبی میرے ہی جھنڈے کے نیچے ہوں گے اور میں ہی وہ پہلا
شخص ہوں گا جو زمین سے ٹکڑوں کا اور میں فخر نہیں کرتا،“

یزید بن عمار: أَمَا تَرْضَوْنَ أَنْ يَكُونَ إِبْرَاهِيمُ وَعِيسَى فِيكُمْ
يَوْمَ الْقِيَمَةِ إِنَّهُمَا فِي أُمَّتِي يَوْمَ الْقِيَمَةِ۔

”کیا تم اس پر خوش نہیں ہو کہ قیامت کے دن حضرت ابراہیم اور
حضرت عیسیٰ تم میں ہوں گے اور یہ دونوں حضرات قیامت کے دن
میری امت میں ہوں گے۔“

مختصر یہ کہ اس سلسلے میں آیات و احادیث اس قدر زیادہ ہیں کہ ان کے
احاطے کے لئے کئی دفاتروں کی ضرورت ہے، اگر کوئی شخص ان کو جمع کرنے کا ارادہ
کرے اور تمام زندگی اس مبارک مصروفیت میں صرف کر دے تو اللہ تعالیٰ کے
عطیات اور بے شمار مناقب جو اللہ تعالیٰ نے سیدِ ممکنات، سرورِ کائنات اور خلاصہ
مخلوقات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عطا فرمائے ہیں، میں سے ہزاروں حصہ اور بے حد
حساب میں سے معمولی مقدار بھی جمع نہیں کر پائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جو اعزاز و اکرام اور فضائل جمیلہ و مناصب جلیلہ عطا فرمائے ہیں، ان میں سے بعض آپ نے ملاحظہ کر لئے، اب گوشِ دل اور کامل توجہ سے سنئے کہ جب معلوم ہو گیا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بارگاہِ کبریا میں وہ وجاہت، عزت، مرتبہ محبوبیت اور مقام قبولیت حاصل ہے کہ اس میں اولین و آخرین اور انبیاء و مرسلین میں سے کسی کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ شریک اور ہمسری حاصل نہیں ہے اور اس سے پہلے یہ بھی معلوم ہو چکا کہ وجاہت، عزت اور مرتبہ محبوبیت، شفاعت اور سفارش کی مقبولیت کا سبب ہے تو اب جان لینا چاہئے کہ شفاعت کبرئے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا خاص منصب ہے حضور کی شفاعت بلاشبہ مقبول و مستجاب ہے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قیامت کے دن شفاعت کرنے والوں کے سردار، سب سے اول اور سب سے فضل ہیں کیونکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات ستودہ صفات تمام جہانوں کے لئے رحمت، جنوں انسانوں اور فرشتوں کے لئے طہا و مآویں ہے، بشر کہیں مکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وجودِ فائض الوجود کی برکت سے مکہ مکرمہ میں عذابِ الہی سے محفوظ رہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُخَذَّ بِكُمْ فَأَنْتَ فِيهِمْ

”اللہ تعالیٰ کی یہ شان نہیں کہ کفارِ مکہ کو عذاب دے جبکہ اے حبیب!

تم ان میں موجود ہو“

جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ تشریف لے آئے اللہ تعالیٰ نے مشرکوں کو عذاب میں مبتلا فرما دیا، مومنوں کو ان پر غالب و مسلط فرما دیا، مسلمانوں کی تلواریں ان کے لئے حاکم بنا دیں اور ان کی زمینیں، علاقے اور مال مسلمانوں کو بطور غنیمت عطا فرمائے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

وَمَا لَهُمْ أَنْ لَا يُعَذِّبَهُمُ اللَّهُ

”ان کی کیا حیثیت ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں عذاب نہ دے (کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لے گئے ہیں جن کی ذات مبارک ان کے لئے باعثِ امن تھی)“

شفاعتِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم | جرائم کی معافی اور درجات کی بلندی کے لئے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی

شفاعت کا مقبول ہونا کتاب و سنت سے ثابت ہے۔

چند آیات مبارکہ ملاحظہ ہوں :

وَاسْتَغْفِرْ لِدُنْيِكَ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ

ظاہر ہے کہ ایماندار مردوں اور عورتوں کے لئے مغفرت کا چاہنا ان کے لئے شفاعت ہے اور اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حکم فرمایا ہے کہ ان کے لئے شفاعت کیجئے، اب دو ہی صورتیں ہیں یہ شفاعت مقبول ہو یا نامقبول، دوسری صورت باطل ہے کیونکہ اس وقت لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ کا امر عبث اور بے فائدہ ہو بلکہ ناپسندیدہ مزاج یا وعدہ کی خلاف ورزی ہو، اللہ کی پناہ ایسی بات سے، تو پہلی صورت متعین ہو گئی اور وہی مقصود ہے (کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شفاعت مقبول ہے)

۵۔

۲ : وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ

فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا تَرَحُّمًا

”اگر وہ منافق جس وقت (نفاق سے) اپنی جانوں پر ظلم کریں تو

(مغفرت کے لئے) تمہارے پاس آجائیں، پھر (نفاق سے توبہ کرتے ہوئے)

اور اخلاص اختیار کرتے ہوئے) اللہ تعالیٰ سے مغفرت کا سوال کریں اور رسول ان کے لئے (کبیرہ گناہوں کی) مغفرت طلب کریں تو یہ لوگ اللہ تعالیٰ کو توبہ قبول کرنے والا، رحم فرمانے والا پائیں گے۔

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا منافقین کی توبہ قبول کرنا اور ان پر رحم فرمانا اس بات پر معلق ہے کہ یہ اپنے نفاق کی مغفرت چاہیں اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کے لئے ان کے کبیرہ گناہوں کی مغفرت طلب کریں، اور اگر معاذ اللہ! حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شفاعت کو کسی قسم کا دخل نہ ہو تو وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ کا کوئی فائدہ نہ ہوگا۔

تفسیر مبارک میں ہے :

”ایک اعرابی نے حاضر ہو کر اپنے آپ کو روضہ مقدسہ پر گرا دیا اور روضہ منورہ کی خاک مبارک کو اپنے سر پر ڈال کر عرض پر داز ہوا کہ اے رسول خدا! میں نے اپنے اوپر ظلم کیا ہے، میں توبہ واستغفار لایا ہوں آپ میری مغفرت کی دعا کریں، روضہ مبارک سے آواز آئی تیرا گناہ بخش دیا گیا۔“

ہاں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیات ظاہری اور وفات کے بعد شفاعت کا مضید ہونا برابر ہے اور ہر صورت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بارگاہ الہی میں وجاہت حاصل ہے اور اس کمال الجہال اور جمیل الکمال ہستی کی محبوبیت ظاہری حیات اور وصال کے بعد بارگاہ ایزدی میں یکساں طور پر قبولیت شفاعت کا سبب ہے۔

۳۔ وَلِلْآخِرَةِ خَيْرٌ لِّكَ مِنَ الْآوَّلَىٰ وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ

مَرَّتِلَكَ فَتَرْضَىٰ۔

”تحقیق آخرت تمہارے لئے دنیا سے بہتر ہے (یعنی آخرت میں آپ کا

مقام اور بلند ہو جائے گا اور قیامت کے دن آپ تمام مخلوق کے محبوب و
مأوی ہوں گے، اور تحقیق تمہارا پروردگار نہیں اتنا دے گا کہ تم خوش ہو جاؤ۔
اس آیت سے دو طرح استدلال کیا جاسکتا ہے :

(۱) اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دنیا میں مومن مردوں اور
عورتوں کی مغفرت طلب کرنے کا حکم دیا اور ظاہر ہے کہ جو کسی سے کوئی چیز طلب کرتا
ہے اس پر راضی نہیں ہوگا کہ اس کی درخواست رد کر دی جائے وہ اسی صورت میں خوش
ہوگا کہ اس کی درخواست قبول کر لی جائے، اللہ تعالیٰ نے پختہ وعدہ فرمایا ہے کہ
آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اتنا دے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے لہذا یہ مومن
مردوں اور عورتوں کے لئے کی جانے والی شفاعت کے قبول کرنے کا پختہ وعدہ
ہے۔

(۲) احادیث کثیرہ وارد ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خوشی اسی میں
تھی کہ امت کے گنہگار بخشے جائیں اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمیشہ اپنی امت
کے گنہگاروں کی چارہ سازی میں مصروف رہتے تاکہ وہ آگ کے عذاب سے نجات
پائیں، پس یہ مؤکد وعدہ جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خوش کرنے کے بارے میں
وارد ہوا ہے، یہ اس امر کا وعدہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وجاہت اور محبوبیت
کے سبب امت کے مجرموں کو رپا کر دیا جائے گا، احادیث میں آیا ہے کہ جب یہ آیت
نازل ہوئی تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا :

إِذَا لَا أَرْضِي وَوَاحِدٌ مِّنْ أُمَّتِي فِي السَّائِرِ
”تب تو میں اس وقت تک راضی نہیں ہونگا جب تک میرا ایک

امتی بھی آگ میں رہے گا۔“

اس حدیث سے ثابت ہو گیا کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

اپنے ہر امتی کی شفاعت فرمائیں گے۔

حضرت امام محمد باقر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے :

أَهْلُ الْبُغْرَانِ يَقُولُونَ أَرْجَىٰ آيَةِ قَوْلِهِ تَعَالَىٰ
يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ وَآمَنَّا
أَهْلُ الْبَيْتِ فَيَقُولُونَ أَرْجَىٰ آيَةِ قَوْلِهِ تَعَالَىٰ وَلَسَوْكَ
يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ إِنَّهَا الشَّفَاعَةُ لِيُعْطِيَهَا
فِي أَهْلِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحْتَشِي يَقُولُ رَبِّ صَبِّحْ

”اہل قرآن و عاتقہ میں کہتے ہیں کہ وہ آیت جس سے بہت امید بندھتی

ہے یہ ہے : يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ

(اپنی جانوں پر زیادتی کرنے والو! اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید نہ ہو)

لیکن اہل بیت کرام فرماتے ہیں کہ بہت زیادہ امید دلانے والی آیت یہ

ہے : وَ لَسَوْكَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ، بے شک یہ

عطیہ شفاعت ہے جو اللہ تعالیٰ کل پر طیبہ پڑھنے والوں کے بارے

میں دے گا یہاں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کہیں گے کہ میں رہتی

ہو گیا ہوں“

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں :

رَبِّ صَبِّحْ جَدِّ حَتَّىٰ أَنْ لَا يَدْخُلَ النَّاسُ أَحَدًا

”میرے جدِ امجد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خوشنودی یہ ہے کہ کوئی توحید

کا پرستار آگ میں داخل نہ ہو“

مشکوٰۃ شریف میں صحیح مسلم شریف کے حوالہ سے حضرت عبداللہ بن عمرو

بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے :

اِنَّ السَّيِّئَ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ تَلٰی قَوْلَ اللّٰهِ
 تَعَالٰی رَبِّ اِنَّهُمْ اَصْلَحْنَ کَثِیْرًا مِّنَ النَّاسِ فَهَنُ
 تَبِعَنِیْ فَاِنَّهُ مِیْئِیْ وَقَالَ عِیْسٰی اِنْ تُعَذِّبُهُمْ فَلَا تُهِنُّ
 عِبَادُکَ فَرَفَعَ یَدَیْهِ فَقَالَ اَللّٰهُمَّ اُمَّتِیْ اُمَّتِیْ وَبَکِی
 فَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی یَا حَبْرَئِیْلُ اِذْهَبْ اِلٰی مُحَمَّدٍ
 وَرَبِّکَ اَعْلَمُ فَاَسْئَلُ مَا یُحِبُّکِیْ فَاَنَا هُوَ حَبْرَئِیْلُ
 فَسَّالَهُ فَاَخْبَرَهُ سُرَّوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ
 وَسَلَّمَ بِمَا قَالَ فَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی لِیَحَبْرَئِیْلُ اِذْهَبْ
 اِلٰی مُحَمَّدٍ فَقُلْ اِنَّا سَنُرْضِیْکَ فِیْ اُمَّتِکَ وَلَا نَسُوْکَ
 ”تحقیق نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی ” اے
 پروردگار! بے شک بنوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیا ہے پس جو
 میری پیروی کرے گا وہ مجھ سے ہے“ (یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا
 ہے) اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کہا: اگر تو انہیں عذاب دے تو وہ
 تیرے بتائے ہیں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دست مبارک اٹھائے اور کہا
 اے اللہ! میری امت، میری امت (کو بخش دے) اور رو دے اللہ تعالیٰ
 نے حضرت جبریل کو فرمایا اے جبریل! محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس
 جا حالانکہ تیرا رب بہتر جانتا ہے اور پوچھ کہ انہیں کونسی چیز لائی ہے حضرت
 جبریل بارگاہ اقدس میں حاضر ہوئے اور رونے کا سبب پوچھا حضور نے وہ
 کلمات بتائے (جو دعا میں کہے تھے) اللہ تعالیٰ نے جبریل امین کو فرمایا میرے
 حبیب کی خدمت میں جاؤ اور کہو تمہیں تمہاری امت کے بارے میں خوش
 کر دیں گے اور تمہیں ناخوش نہیں کریں گے۔“

وہاں اور کوئی کھڑا نہ ہوگا، اس مقام پر پہلے اور پچھلے شک کریں گے۔

ایک روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا : مقام محمود وہ ہے جہاں میں اپنی امت کی شفاعت کرونگا۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں :

يَجْمَعُ اللَّهُ النَّاسَ فِي صَعِيدٍ وَاحِدٍ حَيْثُ
يَسْمَعُهُمُ الدَّاعِي وَيَنْفِذُهُمُ الْبَصَرُ حِفَاةً عُرَاةً
كَمَا خُلِقُوا اسْكُوتُوا لَا تَشْكَلُوا لَنَفْسٍ إِلَّا بِإِذْنِهِ۔

”اللہ تعالیٰ تمام انسانوں کو ایسی ہموار زمین میں جمع فرمائے گا کہ پکارنے والے کی آواز اور نظران سب تک پہنچے گی، تمام کے پاؤں اور جسم پیدائش کے دن کی طرح برہنہ ہوں گے، سب خاموش ہوں گے اور کوئی اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر بات نہیں کر سکے گا۔“

فَيُنَادِي مُحَمَّداً يَقُولُ لَبَّيْكَ وَسَعْدَيْكَ
وَالْخَيْرُ فِي يَدَيْكَ وَالشَّرُّ لَيْسَ إِلَيْكَ وَالْمُهْتَدِي
مَنْ هَدَيْتَ وَعَبْدُكَ بَيْنَ يَدَيْكَ وَلَكَ الْحَمْدُ
وَإِلَيْكَ لَا مَلْجَأَ مِنْكَ إِلَّا إِلَيْكَ تَبَاكَرْتَ وَتَعَالَيْتَ
سُبْحَنَكَ رَبَّ الْبَيْتِ فَذَلِكَ الْمَقَامُ الْمَحْمُودُ
الَّذِي ذَكَرَهُ اللَّهُ تَعَالَى۔

”پس اللہ تعالیٰ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پکارے گا تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عرض کریں گے، میں تیری اطاعت کے لئے حاضر ہوں اور نیک بختی تیری ہی طرف سے ہے، ہر اچھائی تجھی سے ہے اور برائی تیری طرف منسوب نہیں ہے (یا یہ معنی ہے کہ برائی تیری طرف اور نہیں جاتی)

ہدایت پانے والا وہ ہے جسے توبہ دایت دے اور تیرا بندہ تیری بارگاہ
میں اطاعت کے لئے حاضر ہے، حمد تیرے لئے ہے اور تیری طرف
رجوع کرنے والی ہے، تیری بارگاہ کے سوا کوئی جگہ پناہ نہیں تو بابرکت
اور بلند ہے، اے رب کعبہ اتیرے لئے پاکیزگی ہے، تو یہ مقام محمود
ہے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔“

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے :
إِذَا دَخَلَ أَهْلُ السَّارِ النَّارِ وَأَهْلُ الْجَنَّةِ
الْجَنَّةَ فَتَبْقَىٰ إِخْرُسُ مُرَّةٍ مِّنَ الْجَنَّةِ وَإِخْرُسُ
مُرَّةٍ مِّنَ السَّارِ فِي السَّارِ فَيَقُولُ نُرْمَرَّةُ النَّارِ لِنُرْمَرَّةِ
الْجَنَّةِ مَا نَفَعَكُمْ إِلَّا مَنَاسِكُكُمْ فَيَدْعُونَ سَرَّجَهُمْ وَ
يَضْجُونَ فَيَسْمَعُهُمْ أَهْلُ الْجَنَّةِ فَيَسْأَلُونَ أَدَمَ
وَعِيزَةَ بَعْدَكَ فِي الشَّفَاعَةِ لَهُمْ فَكُلٌّ يَّعْتَذِرُ حَتَّى
يَأْتُوا مُحْتَمِدًا فَيَشْفَعُ لَهُمْ فَذَلِكَ الْمَقَامُ
الْمَحْمُودُ۔

”جب دو زخمی دوزخ میں اور جنتی جنت میں داخل ہو جائیں گے تو ایک
آخری گروہ جنت سے رہ جائے گا اور ایک جہنمی گروہ جہنم سے رہ جائے گا،
جہنمی گروہ جنتی گروہ کو کہے گا کہ تمہیں تمہارے ایمان نے نفع نہ دیا، یہ جنتی گروہ
اللہ تعالیٰ سے دعا کرے گا اور وہ آہ و ناری کرے گا جسے اہل جنت سُن
لیں گے، یہ لوگ پہلے آدم علیہ السلام سے پھر دوسرے انبیاء علیہم السلام سے عرض
کریں گے کہ ہماری شفاعت کیجئے، تمام انبیاء کرام عذر کر دیں گے پھر یہ لوگ
نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس آئیں گے تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
لہ شفا شریف، ج ۱۳، ص ۱۱۸

ان کی شفاعت کریں گے، تو یہ ہے مقام محمودؑ

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یزید فیض کو فرمایا تم نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مقام کے بارے میں سنا جس پر اللہ تعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فائز فرمائے گا، یزید نے کہا ہاں، حضرت جابر نے فرمایا وہ مقام محمدؐ ہے جس کا نام مقام محمود رکھا گیا ہے۔ اس مقام کی بدولت اللہ تعالیٰ دوزخیوں کو دوزخ سے نجات عطا فرمائے گا، پھر حضرت جابر نے وہ حدیث بیان کی جس میں اس امت کے دوزخیوں کو دوزخ سے نکالنے کی شفاعت کا ذکر ہے، اسی طرح حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، انہوں نے فرمایا یہی مقام محمود ہے جس کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کیا ہے۔ حضرت شیبان فرماتے ہیں مقام محمود، قیامت کے دن امت کی شفاعت ہے۔ حضرت قتادہ فرماتے ہیں :

كَانَ أَهْلُ الْعَالَمِ يَسْرُونَ الْمَقَامَ الْمَحْمُودَ
شَفَاعَةً يَوْمَ الْقِيَمَةِ -

”اہل علم، مقام محمود، قیامت کے دن کی شفاعت کو قرار دیتے تھے“

اب احادیث مبارکہ ملاحظہ ہوں :

۱۔ حدیث صحیح ہے : WWW.NAFSEISLAM.COM

لِكُلِّ نَبِيٍّ دَعْوَةٌ يَدْعُو بِهَا وَاحْتِبَاتٌ
دَعْوَتِي شَفَاعَةً لِأُمَّتِي يَوْمَ الْقِيَمَةِ -

۱۔ حضرت جن رضا بریلوی قدس سرہ فرماتے ہیں :

فقط اس سبب ہے انفرادی برزخ کا

کہ ان کی شان محبوبی دکھائی جانے والی ہے

”ہر نبی کے لئے ایک (یقینی) مقبول دعا ہے جو مانگ سکتے ہیں، میں نے

اپنی دعا چسپا رکھی ہے تاکہ قیامت کے دن اپنی امت کی شفاعت کروں۔“

اہل علم فرماتے ہیں کہ اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ ہر نبی کے لئے ایک ایسی دعا

ہوتی ہے جو ضرور قبول ہوتی ہے اور دعا کرتے ہی اس کا قبول ہونا یقینی ہوتا ہے ورنہ ہر پیغمبر

کی بے شمار دعائیں مقبول ہوتی ہیں اور ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مقبول دعائیں

تو حد و حساب سے باہر ہیں۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شفاعت اور دعا اپنی امت کے لئے یقیناً مقبول ہوگی۔

۲۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں :

سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

يَقُولُ لَا تَشْفَعَنَّ يَوْمَ الْقِيَمَةِ إِلَّا كَثَرَتْ مَنَافِي الْأَمْهِنِ

مِنْ حَجَرٍ وَشَجَرٍ۔

”میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنا کہ تحقیق میں قیامت

کے دن، زمین کے پتھروں اور درختوں سے زیادہ انسانوں کی شفاعت

کروں گا۔“

۳۔ حدیث کی صحیح کتابوں میں ہے :

قَالَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ يَجْمَعُ اللَّهُ الْأَوَّلِينَ

وَالْآخِرِينَ يَوْمَ الْقِيَمَةِ فَيَهْتَمُّونَ أَوْ قَالَ فَيُلْهِمُونُ

فَيَقُولُونَ لَوْ اسْتَشْفَعْنَا إِلَى سَرَتِنَا۔

”آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ اولین اور آخرین

کو قیامت کے دن جمع فرمائے گا پس تمام غمگین ہو جائیں گے یا فرمایا (راوی

کو شک ہے) انہیں الامام کیا جائیگا کہ شفاعت طلب کرنے کے لئے جائیں

تو وہ کہیں گے کتنا اچھا جتنا کہ ہم دربار الہی میں کسی کو شفیع بناتے :-

بعض روایات میں آتا ہے :

مَا جَ النَّاسُ بَعْضُهُمْ فِي بَعْضٍ

”بعض لوگ بعض سے ملکر ایسے گئے“

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے :

فَتَدْنُو الشَّمْسُ فَيَبْلُغُ النَّاسُ مِنَ الْعَرَةِ

مَا لَا يُطِيقُونَ وَلَا يَحْتَمِلُونَ فَيَقُولُونَ أَلَا تَنْظُرُونَ

مَنْ يَشْفَعُ لَكُمْ

”آفتاب قریب ہو جائے گا اور لوگوں کو اتنا غم لاحق ہوگا جس کی طاقت

نہیں رکھیں گے اسے برداشت نہیں کر پائیں گے تو آپس میں کہیں گے

کیا تم ایسی ہستی کو نہیں ڈھونڈتے جو تمہاری شفاعت کرے :

فَيَا تُونَ آدَمَ فَيَقُولُونَ أَنْتَ آدَمُ أَبَوُ الْبَشَرِ

خَلَقَكَ اللَّهُ بِيدِهِ وَنَفَخَ فِيكَ مِنْ رُوحِهِ وَ

أَسْكَنَكَ جَنَّتَهُ وَأَسْجَدَ لَكَ مَلَائِكَتَهُ وَعَلَّمَكَ

أَسْمَاءَ كُلِّ شَيْءٍ إِنْ شَفَعْنَا عِنْدَ رَبِّكَ حَتَّى يُرْمِحَنَا

مِنْ مَسْكَانِنَا أَلَا تَرَى مَا نَعْنُ فِيهِ

”پس حضرت آدم علیہ السلام کی خدمت میں آئیں گے اور عرض کریں

گے، آپ ابوالبشر آدم ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے سب سے بڑے قدرت سے

پیدا کیا اور آپ (کے جسد مبارک) میں اپنی (مخلوق) روح پھونکی، آپ کو

اپنی جنت میں جگہ دی، اپنے فرشتوں سے آپ کو سجدہ کرایا اور آپ کو

ہر شے کے نام سکھائے، اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ہماری شفاعت کیجئے

تاکہ میں اس مشکل جگہ سے نجات عطا فرمائے، کیا آپ اس مشکل کو ملاحظہ نہیں فرماتے جس میں ہم مبتلا ہیں؟

فَيَقُولُ إِنَّ رَأْيِي غَضِبَ الْيَوْمَ غَضَبًا لَمْ يَغْضَبْ قَبْلَهُ مِثْلَهُ وَلَا يَغْضَبُ بَعْدَهُ مِثْلَهُ وَنَهَانِي عَنِ الشَّجَرَةِ فَصَيَّتُ نَفْسِي نَفْسِي إِذْ هَبُّوا إِلَى غَيْرِي إِذْ هَبُّوا إِلَى نُوحٍ -

”حضرت آدم علیہ السلام فرمائیں گے: بے شک آج اللہ تعالیٰ کا ایسا غضب ظہور پذیر ہوا ہے کہ اس سے پہلے اس نے ایسا غضب نہیں فرمایا اور نہ ہی آئندہ فرمائے گا، مجھے اللہ تعالیٰ نے پورے سے منع فرمایا تھا، مجھ سے لغزش ہوئی جاؤ کسی اور کے پاس، نوح علیہ السلام کے پاس چلے جاؤ۔“

فَيَا تُونَ نُوحًا فَيَقُولُونَ أَنْتَ أَقْلَ الرُّسُلِ إِلَى أَهْلِ الْأَرْضِ وَسَلَّمَ إِنَّكَ اللَّهُ عَبْدٌ شَكُورًا
لَا تَرَى مَا نَحْنُ فِيهِ إِلَّا تَرَى مَا بَلَّغْنَا إِلَّا لَشَفَعُ لَنَا عِنْدَ رَبِّكَ؟

”پھر حضرت نوح علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور کہیں گے آپ اہل زمین کی طرف بھیجے جانے والے پہلے رسول ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کا نام ”عبد شکور“ (شکر گزار بندہ) رکھا، کیا آپ ہماری مصیبت ملاحظہ نہیں فرماتے؟ کیا آپ ہمیں پہنچنے والی اذیت نہیں دیکھتے؟ کیا آپ اپنے رب سے ہماری شفاعت نہیں کریں گے؟“

فَيَقُولُ إِنَّ رَأْيِي غَضِبَ الْيَوْمَ غَضَبًا لَمْ يَغْضَبْ

قَبْلَهُ وَلَا يَعْضُبُ بَعْدَهُ مِثْلَهُ نَفْسِي نَفْسِي۔

”حضرت نوح علیہ السلام فرمائیں گے تحقیق میرے رب نے آج ایسا غضب کیا ہے کہ نہ اس سے پہلے ظاہر فرمایا اور نہ آئندہ ظاہر فرمائے گا اور فرمائیں گے نفسی نفسی“ (آج تو مجھے اپنا خیال ہے)۔
حضرت انس کی روایت میں ہے :

وَبِذِّكَرُ خَطِيئَتِهِ الَّتِي أَصَابَ سُؤَالُهُ رَبَّهُ
بَغَيْرِ عِلْمٍ۔

”حضرت نوح علیہ السلام اپنی اس لغزش کا ذکر کریں گے کہ انہوں نے لاعلمی میں اپنے بیٹے کی نجات کا سوال کیا تھا۔“
حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے :

وَقَدْ كَانَتْ لِي دَعْوَةٌ دَعَوْتُهَا عَلَى قَوْمِي

”حضرت نوح علیہ السلام فرمائیں گے، میرے لئے ایک دعا تھی جو میں نے اپنی قوم کے لئے کر دی تھی۔“

إِذْ هَبُوا إِلَىٰ غَيْرِي إِذْ هَبُوا إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ فَإِنَّهُ
خَلِيلُ اللَّهِ۔

”کسی اور کے پاس جاؤ، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس چلے جاؤ کہ وہ اللہ کے خلیل ہیں۔“

فَيَأْتُونَ إِبْرَاهِيمَ يَقُولُونَ أَنْتَ سَيِّئُ اللَّهِ
وَخَلِيلُهُ مِنْ أَهْلِ الْأَرْضِ إِنْ شَفَعْنَا عِنْدَكَ سَأَلَكَ
آلَةً تَرَىٰ إِلَىٰ مَا نَحْنُ فِيهِ۔

”پھر تمام لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور کہیں گے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے نبی اور اہل زمین میں سے اس کے خلیس ہیں۔“

اپنے رب کے پاس ہماری شفاعت کیجئے، کیا آپ ہماری تکلیف ملاحظہ نہیں فرماتے۔“

فَيَقُولُ إِنَّ رَبِّي غَضِبَ الْيَوْمَ غَضَبًا قَدَ كَرَّ
مِثْلَهُ وَيَذْكُرُ ثَلَاثَ كَلِمَاتٍ كَذَبَهُنَّ لَفْسِي نَفْسِي
وَالَكِنْ عَلَيْكُمْ مُمُوسَى فَإِنَّهُ كَلِمَةُ اللَّهِ -

”حضرت ابراہیم علیہ السلام وہی کچھ فرمایا کہ جو حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا تھا اور اپنی وہ تین باتیں ذکر کریں گے جو بظاہر جھوٹ تھیں (درحقیقت جھوٹ تھیں) نفی نفی، ہاں تم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکیم ہیں۔“

فَإِنَّ عَبْدَ اللَّهِ اتَّاهُ اللَّهُ التَّوْرَةَ وَكَلَّمَهُ وَ
قَرَّبَهُ نَجِيًّا -

”بے شک وہ عبد مکرم میں جنہیں اللہ تعالیٰ نے توراۃ دی، ان سے کلام کیا اور انہیں حالت مناجات میں قرب عطا کیا۔“

قَالَ فَيَأْتُونَ مُوسَى فَيَقُولُ لَسْتُ لَهَا وَ يَذْكُرُ
حَطِيئَتَهُ الَّتِي أَصَابَتْ وَقَتْلَهُ النَّفْسِ وَالْكِنْ عَلَيْكُمْ
يَعِيسَى فَإِنَّهُ رُوحُ اللَّهِ وَدَعَلِسْتُ -

”پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئیں گے، وہ فرمائیں گے میں شفاعت رکبریٰ کے لئے نہیں ہوں اور اپنی لغزش اور قبطی کے قتل کرنے کا ذکر کریں گے۔ تم پر لازم ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ کہ وہ روح اللہ اور کلمۃ اللہ ہیں۔“

فَيَأْتُونَ عِيسَى فَيَقُولُ لَسْتُ لَهَا وَالْكِنْ عَلَيْكُمْ

بِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَبْدًا غَفَرَ
اللَّهُ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ وَمَا تَأَخَّرَ۔

”پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس آئیں گے، وہ فرمائیں گے میں
شفاعت (کبریٰ) کے لئے نہیں ہوں، تم پر لازم ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ
تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس جاؤ وہ ایسے عبدِ مکرم ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے
ان کے اگلے اور پچھلے ذنوب معاف فرما دئے ہیں۔“

فَيَا تُونِّي فَأَقُولُ أَسْأَلُهَا فَأَنْطَلِقُ فَأَسْتَأْذِنُ
عَلَى سَائِي فَيُؤْذَنُ لِي فَيَذَا سَأْأَيْثُهُ وَقَعْتُ سَاجِدًا۔

”پھر میرے پاس آئیں گے تو میں کہوں گا کہ میں خاص شفاعت (کبریٰ)
کے لئے ہوں، میں دربارِ الہی میں جاؤں گا اور اجازت طلب کروں گا
مجھے اجازت دے دی جائے گی، جب میں اللہ تعالیٰ کو دیکھوں گا تو
سجدے میں چلا جاؤں گا۔“

ایک روایت میں ہے:

فَأَتَيْتُ تَحْتَ الْعَرْشِ فَأَخِزْتُ سَاجِدًا
”میں عرش کے نیچے آؤں گا اور سجدہ ریز ہو جاؤں گا۔“

ایک روایت میں ہے :

فَأَقُومُ بَيْنَ يَدَيْهِ فَأَحْمَدُهُ بِمَحَامِدِ
لَا أَقْدِرُ عَلَيْهَا إِلَّا أَنْ يُلْهِمَ مَنِّيهَا اللَّهُ۔

”میں اللہ تعالیٰ کے دربار میں کھڑا ہو جاؤں گا اور اس کی اسی تعریفیں
کروں گا جو اس کے الہام کے بغیر نہیں ہو سکتیں۔“

ایک روایت میں ہے :

فَيَفْتَحُ اللَّهُ عَلَى يَمْحَامِدَ وَجُسْنَ الشَّائِءِ عَلَيْهِ
شَيْئًا لَمْ يَفْتَحْهُ عَلَى أَحَدٍ قَبْلِي۔

”اللہ تعالیٰ مجھ پر ایسی تعریفیں اور اپنی بہترین شائے منکشف فرمائے گا کہ
مجھ سے پہلے کسی پر منکشف نہیں کی۔“

فَيَقَالُ يَا مُحَمَّدُ اِرْفَعْ رَأْسَكَ سَلْ تُعْطَ
وَأَشْفَعْ تُشْفَعُ۔

”حکم دیا جائے گا کہ اے محمد! (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) سر اٹھاؤ،
مانگو (جو مانگو گے) دیا جائے گا، شفاعت کرو (وتمہاری شفاعت قبول
کی جائے گی)۔“

فَأَرْفَعُ رَأْسِي فَأَقُولُ يَا رَبِّ اُمِّتِي اُمِّتِي

”میں سر اٹھاؤں گا اور عرض کروں گا اے رب! میری امت، میری
امت!“ (بخش دے)

فَيَقُولُ أَدْخِلْ مِنْ أُمَّتِكَ مَنْ لَا حِسَابَ عَلَيْهِ
مِنَ الْبَابِ الْأَيْمَنِ مِنَ الْبُوابِ الْجَنَّةِ وَهُمْ شُرَكَاءُ
النَّاسِ فِي مَا سِوَى ذَلِكَ مِنَ الْبُوابِ۔

”اللہ تعالیٰ فرمائے گا اپنے ان امتیوں کو جنت کے دروازے

سے داخل کرو جن پر حساب نہیں ہے اور وہ دوسرے دروازوں میں
باقی لوگوں کے ساتھ شریک ہیں۔“

ایک اور روایت میں ہے :

فَيَقَالُ لِي يَا مُحَمَّدُ اِرْفَعْ رَأْسَكَ وَكُلْ تَشْمَعُ
لَكَ وَأَشْفَعْ تُشْفَعُ وَسَلْ تُعْطَ فَأَقُولُ يَا رَبِّ

اُمَّتِي اُمَّتِي -

”مجھے کہا جائے گا اے حبیب! اپنا سر اٹھائیے اور کہئے، تمہاری سنی
جائے گی، شفاعت کیجئے قبول کی جائے گی اور مانگئے (جو مانگو گے) دیا جائیگا
تو میں کہوں گا، اے میرے رب، میری امت، میری امت“

فَيَقَالُ اِنْطَلِقْ فَمَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ حَبَّةٍ
مِنْ بُرَّةٍ اَوْ شَعِيرَةٍ مِنْ اِيْمَانٍ فَاَخْرِجْهُ فَاَطْلِقْ
فَاَفْعَلْ -

”پس فرمایا جائے گا جانیے اور جس شخص کے دل میں گندم یا جو کے
دانے کے برابر ایمان ہو اسے نکال لائیے چنانچہ میں جا کر انہیں نکال
لاؤں گا“

ثُمَّ اَسْرَجِعُ اِلَى سَرَاتِي فَاَحْمَدُكَ بِتِلْكَ الْمَحَامِدِ
وَذَكَرَ مِثْلَ الْاَوَّلِ وَقَالَ فِيهِ مِثْقَالُ حَبَّةٍ مِّنْ
مِّنْ خَرْدَلٍ فَاَفْعَلْ -

”پھر میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں جاؤں گا اور اس کی وہی تعریفیں
کروں گا جن کا ذکر اس سے پہلے ہو چکا ہے، اور حدیث شریف میں
فرمایا (اللہ تعالیٰ فرمائیگا) راتوں کے دانہ کی مثل یعنی جس کے دل میں راتوں برابر
بھی ایمان ہو اسے آگ سے نکال لائیے تو میں انہیں نکال لاؤں گا“

ثُمَّ اَسْرَجِعُ وَذَكَرَ مِثْلَ مَا تَقَدَّمَ وَقَالَ فِيهِ
مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ اَذْنَى اَذْنَى مِنْ مِثْقَالِ حَبَّةٍ مِّنْ
خَرْدَلٍ فَاَفْعَلْ -

”پھر واپس جاؤں گا اور حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے

وہی کچھ ذکر فرمایا جو اس سے پہلے گزر چکا، اس دفعہ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ جس کے دل میں رائی کے دانے سے بہت ہی کم ایمان ہے اسے بھی آگ سے باہر لے آئیے، میں انہیں بھی نکال لاؤں گا،

ثُمَّ أَرْجِعْ وَذَكِّرْ فِي الْمَرْةِ الرَّابِعَةِ فَيُقَالُ
لِي أَسْرَفْتُ سَأْسَلُ وَ قُلْ تَسْمَعُ وَ أَشْفَعُ تَشْفَعُ
وَ سَلْ تُعْطَ فَأَقُولُ يَا رَبِّ ائْزِدْنِي لِي فِي مَنْ
قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ.

”پھر میں واپس جاؤں گا اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے چوتھی مرتبہ کہا جائے گا اپنا سراٹھائیے اور کہئے، تمہاری سنی جائے گی، شفاعت کیجئے قبول کی جائے گی اور مانگئے تمہیں دیا جائیگا تو میں کہوں گا اے میرے رب! مجھے کلمہ پڑھنے والوں کے حق میں اجازت عطا فرما، تاکہ انہیں بھی دوزخ سے نکال لاؤں۔“

قَالَ لَيْسَ ذَلِكَ إِلَيْكَ وَلَكِنْ وَعِزَّتِي
وَ كِبَرِيَّائِي وَ عَظَمَتِي وَ حَبْرِيَّائِي لَا أُخْرِجَنَّ مِنْ
النَّارِ مَنْ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ.

”ارشاد ہوگا اے حبیب! یہ تمہارے سپرد نہیں لیکن مجھے اپنی عزت و کبریائی اور عظمت و جبروت (قمر) کی قسم! میں کلمہ طیبہ پڑھنے والوں کو آگ سے ضرور نکالوں گا۔“

حضرت قتادہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے راوی ہیں :

قَالَ فَلَا أَدْرِي فِي الثَّالِثَةِ أَوِ الرَّابِعَةِ فَيَقُولُ
يَا رَبِّ مَا بَقِيَ فِي النَّاسِ إِلَّا مَنْ حَبِسَهُ الْقُرْآنُ أَمْ

وَجَبَّ عَلَيْهِ الْخُلُودُ۔

”راوی کہتا ہے میں نہیں جانتا کہ تیسری دفعہ یا چوتھی دفعہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عرض کریں گے اے میرے پروردگار! آگ میں صوف وہ لوگ رہ گئے ہیں جنہیں قرآن پاک نے قید کر دیا ہے یعنی اس پر لازم ہے کہ وہ ہمیشہ کے لئے دوزخ میں رہے۔“

اس حدیث سے جو کتب صحاح میں مختلف طریقوں سے مروی ہے

چند مطالب ثابت ہوتے ہیں :

(۱) تمام اولین و آخرین، میدانِ محشر میں حیران اور پریشان ہو کر سوائے اس کے کوئی راستہ نہیں پائیں گے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کوئی وسیلہ اور شفیع تلاش کریں اور ان میں سے کوئی بھی پناہ حاصل کرنے اور وسیلہ ڈھونڈنے سے مرتبا بنیں کہ سکے گا اور تمام لوگ پہلے حضرت آدم علیہ السلام کے پاس پھر دیگر رسولانِ عظام کے پاس دوڑتے ہوئے جائیں گے لیکن رسولوں کے مرتاج، اولین و آخرین کے سردار اور اللہ تعالیٰ کے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سوا کسی کو شفاعت کی اجازت نہیں ملے گی۔

پس گنہگارِ ناجائز، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شفاعت سے ناامیدوار (مولوی اسماعیل دہلوی) جو ازراہِ برزہ سرائی اور یا وہ گوئی کہتا ہے اور عقیدہ رکھتا ہے کہ کسی سے التجا اور وسیلہ طلبی کئے بغیر اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شفاعت کے نہ ہونے ہوتے رحمتِ الہیہ کا مستحق بن جائے گا، اس کا خیال خام اور سودائے نامتام ہے۔

(۲) حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس فرمانِ فیض ترجمان :

فَأَقُولُ أَنَا لَهَا فَأَنْطَلِقُ فَأَسْتَاذِنُ عَلَى سَائِرِ

(میں کہوں گا کہ میں شفاعت کے لئے ہوں، میں جاؤں گا اور

اپنے رب سے اجازت لوں گا)

نے ظاہر و باہر ہے کہ حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کے

ارشاد :

سَلِّ تَعْطَىٰ وَاشْفَعْ لُتَشْفَعْ

سے پہلے ہی شفاعت کی اجازت تھی اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو شفاعت کی قبولیت کا یقین تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجازت اور قبولیت شفاعت کے یقین کے بغیر یہ کلمہ (اَنَا لَهَا) کوئی معنی نہیں رکھتا پس شفاعت کی اجازت وہی ہے جو قرآن پاک میں ہے :

وَاسْتَخْفِرْ لِذَنْبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ

اور قبولیت شفاعت کا یقین اس بشارت سے حاصل ہے :

وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ

اور اس لحاظ سے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شفاعت وہ دعا مقبول ہے جو آپ نے اپنی امت کے لئے چھپا رکھی تھی (یہ کہا جاسکتا ہے کہ شفاعت آپ کو حاصل تھی۔

WWW.NAFSEISLAM.COM

(۳) حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بارگاہِ ایزدی میں انتہائی وجاہت

اور کامل محبوبیت حاصل ہے کیونکہ اس وقت تمام اولوالعزم رسول اپنی جگہ (خشیتِ الہی سے) کانپ رہے ہوں گے اور اپنے معاملے میں حیران ہوں گے ایسے وقت میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی عزت و وجاہت اور محبوبیت و مقبولیت کے سبب شفاعت طلب کرنے والوں کا سوال پورا کرنے کے لئے قدم اٹھائیں گے اور ان کی شفاعت کی ذمہ داری انجام دیں گے۔

(۴) ایسے لوگوں کے لئے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شفاعت، نجات کا سبب نہیں بنے گی جو توحید کے اقرار اور رسالت کے منکر ہوں گے اور اللہ تعالیٰ توحید و رسالت کے ماننے والوں کی بخشش حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شفاعت کے وسیلے کے بغیر نہیں فرمائے گا۔

(۵) اللہ تعالیٰ کے دربار میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی انتہائی عزت اس حدیث سے مستنبط ہوتی ہے کہ بارگاہِ الہی میں قبولیت اور اجابت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دعا کا استقبال کرے گی کیونکہ دعا سے پہلے ارشاد ہوگا :

سَلِّ تَعْطُ وَاشْفَعْ تَشْفَعْ

(مانگئے، تمہیں دیا جائے گا اور شفاعت کیجئے، قبول کی جائیگی)

(۶) اس حدیث سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی امت کے حال پر کمال شفقت و رحمت کا پتہ چلتا ہے کیونکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو قیامت کے دن فکرِ امت کے علاوہ کوئی امر پیش نظر نہیں ہوگا چنانچہ دوسرے رسولانِ گرامی کو اپنی فکر ہوگی، وہ نفسی نفسی کہیں گے اور حضور رحمتِ مجسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو امت کی فکر ہوگی اور آپ امتی امتی کہیں گے۔

(۷) کبیرہ گناہوں کے ترکِ مومن حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شفاعت سے نجات پا جائیں گے کیونکہ وہ یقیناً ذرہ کی مقدار ایمان رکھتے ہیں لہذا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شفاعت انہیں بھی شامل ہوگی، رہا مغزله کا یہ گمان کہ شفاعت کبیرہ گناہوں

للہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی فرماتے ہیں سے

کل نہ مانیں گے قیامت میں اگر مان گیا

آج لے ان کی پناہ آج مدد مانگ ان سے

للہ اعلیٰ منت فرماتے ہیں سے اجابت نہ ہو کہ گلے سے لگایا
 ڈھبی ناز سے جب دعا محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)

کے بخنوا نے میں دخل نہیں رکھتی تو یہ اس سر یا رسوائی گروہ کی جہالت اور نادانی ہے۔

۴- عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا عَنهُ
عَلَيْهِ السَّلَامُ يُوضَعُ لِلْأَنْبِيَاءِ مَنَاسِرُ يَجْلِسُونَ عَلَيْهَا
وَيَبْقَى مِثْبَرِي لَا أَجْلِسُ عَلَيْهِ قَاتِلًا بَيْنَ يَدَيِ
رَبِّي مُنْتَصِبًا۔

”حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
سے راوی ہیں کہ انبیاء کرام کے لئے منبر رکھے جائیں گے جن پر وہ بیٹھ جائیں
گے، میرا منبر خالی رہے گا، میں اس پر نہیں بیٹھوں گا، میں اللہ تعالیٰ
کے دربار میں کھڑا رہوں گا۔“

فَيَقُولُ اللَّهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى مَا تَرِيدُ أَنْ أَصْنَعَ
بِأَمَّتِكَ فَأَقُولُ يَا رَبِّ عَجِّزْ حَسْبَ بِهِمْ فَيُدْعِيهِمْ
فَيُعَاسِبُونَ فَمِنْهُمْ مَنْ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ يَرْحَمُهُ
وَمِنْهُمْ مَنْ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ لِيُشْفَا عَنِّي۔

”اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے حبیب! تم کیا چاہتے ہو کہ تمہاری امت
سے کیسا معاملہ کروں؟ میں عرض کروں گا اے پروردگار! ان کا حساب
جلدی فرما، پس انہیں بلایا جائے گا اور ان کا حساب لیا جائے گا، ان میں
سے بعض وہ ہوں گے جو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے جنت میں داخل ہوں
گے اور بعض میری شفاعت سے۔“

وَلَا آزَالُ أَشْفَعُ حَتَّى أُعْطِيَ صِكَكَ كَأَسْرِ حَبَالٍ
قَدْ أُمِرَ بِهِمْ إِلَى النَّارِ حَتَّى أَنْ خَائِنَ النَّارِ يَقُولُ
يَا مُعْتَمِدُ مَا تَرَكْتَ لِغَضَبِ رَبِّكَ فِي أُمَّتِكَ

مِنْ لَّقَمَةٍ -

”اور میں شفاعت کرتا رہوں گا حتیٰ کہ مجھے ایسے لوگوں کے ناموں کے دفتر دیدئے جائیں جسکے لئے جہنم کا حکم ہو چکا ہوگا اور مجھے جہنم کا دار و غدا کے گایا رسول اللہ! آپ نے تو اپنی امت میں خدا کے غضب کی کچھ سزا بھی نہیں رہنے دی۔“

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وجاہت و محبت کے سبب آپ کی امت کے ساتھ آپ کی رضا کے موافق معاملہ فرمائے گا۔ آپ کی درخواست کے مطابق ان کے حساب و کتاب میں جلدی فرمائے گا، جو لوگ بے گناہ ہوں گے جن کی نیکیاں زیادہ ہوں گی وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے سبب جنت میں چلے جائیں گے، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شفاعت ان کے لئے عذاب سے نجات دینے میں نہ ہوگی بلکہ حساب کی جلدی میں ہوگی اور جو گنہگار ہوں گے اور اپنے برے اعمال کے سبب گرفتار ہوں گے، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شفاعت سے جنت میں داخل ہو جائیں گے اور آپ کی شفاعت ان کی نجات کا سبب ہوگی یہاں تک کہ جن کے جہنم میں جانے کا حکم ہو چکا ہوگا، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شفاعت کے فیض سے رہائی پا جائیں گے اور دوزخ کا دار و غدا آپ سے عرض کرے گا کہ آپ نے اپنا کوئی امتی اللہ تعالیٰ کے غضب کے لئے نہیں چھوڑا۔

۵۔ مَارُوِي عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

نَشَافَعَتِي لِأَهْلِ الْكِبَاثَةِ مِنْ أُمَّتِي -

”میری شفاعت میرے ان امتیوں کے لئے ہوگی جو کبار کے

مرتجب ہوں گے۔“

۶۔ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَا فِي

اِنَّ مِنْ عِنْدِ رَبِّيْ فَخَيْرٌ لِّىْ بَيْنَ اَنْ يَّسُدَّ حُلَّ
يُضْفُ اُمَّتِىَ الْجَنَّةَ وَبَيْنَ الشَّفَاعَةِ فَاحْتَرْتُ
الشَّفَاعَةَ وَهِيَ لِمَنْ مَاتَ لَا يُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَيْئًا۔

”میرے رب کی طرف سے آنے والا میرے پاس آیا اور اس نے
مجھے اختیار دیا کہ میری نصف امت جنت میں چلی جائے، اور شفاعت
میں، پس میں نے شفاعت اختیار کی اور وہ شفاعت اس شخص کے لئے
ہو گی جو اس حال میں مرا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا تھا“
مختصر یہ کہ اس سلسلے میں بے شمار آیات و احادیث وارد ہیں اور جتنی
ہم نے ذکر کر دیں وہی کافی ہیں۔

تقویۃ الایمان کی عبارت پر گفتگو | اب جبکہ عام شفاعت کی حقیقت معلوم
ہو گئی اور سید الاولین والآخرین صلی اللہ
تعالیٰ علیہ وسلم کی خاص شفاعت کا حال واضح ہو گیا، قائل کے بے فائدہ کلام میں غور
کرنا چاہئے جس کے پس بھڑکے ہوئے کے بارے میں متفقی نے سوال کیا ہے۔ جاننا
چاہئے کہ وہ کلام اول سے آخر تک ناقص و نامکمل کا مجموعہ ہے بلکہ پختہ سودا اور خیال
خام ہے۔

چند دلائل ملاحظہ ہوں :

(۱) اس قائل نے امیدوار ہونے کو بھول قرار دیا ہے۔ ہم بے طاقت گنہگاروں
شفاعت کے امیدواروں کو غلط فہمی (اور بہالت) سے منسوب کر کے خود غلطی
میں واقع ہوا ہے اور دوسروں کو غلطی میں ڈالنے کی کوشش کی ہے کیونکہ ثابت
ہو چکا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شفاعت اہل کبار کے لئے یقینی ہے
لہذا امیدواروں کو غلط سمجھنے اور بھولنے والا کہنا بہت بڑی خود فراموشی غلط فہمی

اور بددینی ہے، خدا کرے جو شفاعت سے ناامید ہونا امید رہے۔

(۲) اس قائل نے سفارش کی تین قسمیں بیان کی ہیں، ان تینوں قسموں میں سفارش کا معنی درست نہیں ہے کیونکہ پہلی اور دوسری صورت میں حکم چلانا اور فرمان جاری کرنا پایا جاتا ہے (سفارش نہیں ہے) تیسری صورت میں بادشاہ نے مجرم پر خود رحم کھایا ہے وہ اپنے اُمین کا لحاظ رکھتے ہوئے خود رحم کا اظہار نہیں کر سکتا، مجبوراً یہ بہانہ تراشا کہ کسی کو اس کا سفارشی ظاہر کر کے معافی کا اعلان کرتا ہے یہ سب مکر و فریب ہے،

اور یہ قائل یا تو جاہل ہے جو اپنے آپ کو عالم ظاہر کرنا چاہتا ہے اسے سفارش کا معنی ہی معلوم نہیں، یا عالم ہے جو جہالت کا مظاہرہ کر رہا ہے کہ سفارش کا معنی الٹ دکھاتا ہے۔

(۳) اس شخص نے پہلی قسم کا نام شفاعت و جاہت رکھا ہے، ظاہر ہے کہ اس نے و جاہت کا معنی نہیں سمجھا یا سفارش کا معنی نہیں جانا کیونکہ صورت مذکورہ میں جرم اس لئے معاف کیا گیا ہے کہ شفاعت قبول نہ کرنے کی صورت میں ضرر کا خوف ہے اور یہ معنی نہ لفظ شفاعت سے سمجھا جاتا ہے نہ و جاہت سے، نہ معلوم یہ معنی اس تحریر کے لکھنے والے کے دل میں کہاں سے آگیا اور لفظ مذکور (شفاعت و جاہت) لحاظ اور پاسداری کے معنی سے نکل کر خود ساختہ معنی (سینہ زدوری) میں کس طرح استعمال ہوا اور عقائد کے مذکورہ رسالہ (تقویۃ الایمان) میں کس طرح مذکور ہوا اور چند بازاری قسم کے لوگوں میں کیسے مشہور ہوا۔

علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں انبیاء و مرسلین کی تعریف و جاہت سے فرمائی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حق میں فرمایا :
وَكَانَ عِنْدَ اللَّهِ وَجِيهًا

اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حق میں فرمایا :

وَجِئْنَا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّرِينَ

مفسرین نے آخرت میں وجاہت کی تفسیر شفاعت سے کی ہے، اس سے قائل مذکور کی تفسیر قرآن سے واقفیت معلوم کی جاسکتی ہے۔

سوال

اس قائل نے اصطلاح بنائی ہے کہ پہلی صورت کو شفاعت بالوجاہت کہا جائے گا، اصطلاح پر کوئی پابندی نہیں ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ کہنا کہ پہلی صورت اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پائی جاسکتی ہے شرک اور جہالت ہے۔

جواب

جو الفاظ قرآن و حدیث میں استعمال ہوئے ہیں، ان میں اصطلاح بنانا اور انہیں معانی فاسدہ کے مقابل مقرر کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ ایسی اصطلاح کا اختیار کرنا لوگوں کو گمراہی اور جہالت میں ڈالنے کے مترادف ہے مثلاً کوئی شخص کہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رسول نہیں ہیں اور یہ بات ایسی کتاب میں لکھ دے جو عوام الناس کو عقائد سکھانے کے لئے لکھی ہے، جب کوئی اس پر مواخذہ کرے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے نبوت و رسالت کی نفی کفر اور نصوص کا انکار ہے، تو کہہ دے کہ نبوت و رسالت کا معنی غلبہ اور تسلط ہے اور بلاشبہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے اللہ تعالیٰ کی ذات پر غلبہ اور تسلط ثابت کرنا شرک اور کفر ہے، کیا ایسے بے دین کو ایسی اصطلاح میں معذور قرار دیا جائے گا اور عذر میں یہ کہا جاسکے گا کہ اصطلاح پر کوئی پابندی نہیں ہے؟ ہرگز نہیں، وہ شخص محض اس اصطلاح کے بنانے سے کافر ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر کوئی شخص کہتا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یا حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام اللہ تعالیٰ کے نزدیک وجیہ نہیں ہیں اور جب اس پر کوئی شخص گرفت کرے کہ ان حضرات سے وجاہت کی نفی کفر صریح

ہے تو کہتا ہے کہ میں نے اصطلاح بنائی ہے کہ وجاہت میں تسلط اور ضرر پہنچانے کی قدرت مغیر ہے اور یہ معنی ان انجیر کرام سے اللہ تعالیٰ کی نسبت سے یقیناً منتفی ہے وہ بے دین محض اس اصطلاح کے قائم کرنے سے دائرہ ایمان سے یقینی طور پر خارج ہو جائے گا اور یہ کہنا کہ اصطلاح پر کوئی پابندی نہیں اس کے لئے وجہ معذرت نہیں بن سکتا۔

ہاں ہمہ یہ قائل اپنی اصطلاح کا دعویٰ نہیں کرتا بلکہ کہتا ہے کہ اس صورت کو شفاعت وجاہت کہتے ہیں لہذا وہ شفاعت مذکورہ کے علاوہ جھوٹ اور افتراء میں بھی مبتلا ہوا ہے، ہم گمراہی اور گمراہ گری سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں۔

۴۔ قائل مذکور کا یہ قول :

اوس شہنشاہ کی یہ شان ہے (الی آخرہ)

ماقبل سے تعلق نہیں رکھتا کیونکہ اس کلام کا معنی جیسے کہ مقام ثانی میں مذکور ہو گا یہ ہے ہزار یا انبیاء، اولیاء، جنوں، فرشتوں اور حضرت جبریل امین اور حضرت سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہزار یا مثالوں کے ساتھ ایجاد کا تعلق صحیح ہے، کارخانہ ملک الہی میں کسی کے دخل کے نہ ہونے سے اس معنی کا کوئی واضح تعلق نہیں ہے مثلاً اگر کوئی شخص کہے کہ ایک بادشاہ کے کارخانہ حکومت میں کسی امیر یا وزیر کو دخل اور بڑا تسلط ہے اور وہ جو کچھ کہتا ہے بادشاہ کو رونق اور سلطنت کی حفاظت کیلئے مانا پڑتا ہے، اس کلام کی نفی میں نہیں کہا جاسکتا کہ بادشاہ اگر چاہے تو دوسروں کو اس امیر کے مرتبے تک پہنچا دے اور رعایا کو اس عالی مرتبت امیر کے برابر کر دے کیونکہ اس سے کارخانہ حکومت میں اس امیر کی مداخلت کی نفی نہیں ہوتی بلکہ کہنا یوں چاہئے تھا کہ کسی کو اللہ تعالیٰ کے کارخانہ قدرت میں کسی قسم کی مداخلت حاصل نہیں ہے۔

حتیٰ کہ اس کی رنجیدگی اور ناخوشی سے کارخانۂ الہی میں بے رونقی کا امکان ہوتا خواہ وہ شخص ممکن الوجود ہو یا ممکن اور خواہ اس شخص کی بہت سی مثالیں ہو یا وہ بے نظیر ہو، پس یہ کلام فی نفسہ باطل ہونے کے باوجود (جیسا کہ مقام ثانی میں آئے گا) ماقبل سے بھی بے تعلق ہے اور اگر تکلف سے تعلق دکھایا بھی جائے تو اس کلام میں قباحت اور بڑھ جائے گی جیسا کہ فقیر بہ مقام ثانی میں آئے گا۔

۵۔ اس کا یہ قول

اور سب لوگ اگلے اور پچھلے (الٰہی آخرہ)

ماقبل سے متعلق نہیں ہے، مقام کے مناسب یہ تھا کہ کہنا ہر شخص کو رونق اور عزت اللہ تعلق نے ہی دی ہے، اس کے کارخانۂ قدرت کو کوئی شخص کیسے رونق دے سکتا ہے اس کا یہ فقرہ :

• اور جو سب لوگ پہلے اور پچھلے اور آدمی اور جن بھی سب مل کر جبریل

اور یغیر ہی سے ہو جائیں تو اس مالک الملک کی سلطنت میں ان کے سبب

کچھ رونق بڑھ نہ جائے گی اور جو سب شیطان اور دجال ہی سے ہو جائیں تو

اس کی کچھ رونق گھٹنے کی نہیں (تقویۃ الایمان)

بلکہ تکلف کلام کے میناق و مہاق کے مطابق نہیں ہاں اس عبارت کے ہر فقرہ سے ایک غرض قائل کے دل میں پوشیدہ ہے جسے مقام ثانی میں واضح کیا جائے گا انشاء اللہ تعالیٰ

۶۔ اس نے دوسری قسم کو شفاعتِ محبت کہا ہے، کتاب ہے اس کو شفاعتِ محبت

کہتے ہیں، یہ معنی اور تفسیر بھی اس کی خود ساختہ ہے کیونکہ اس سے پہلے گزر چکا کہ

مستشفع الیہ (جس سے سفارش کی گئی) کی شفیع سے محبت، قبولیتِ شفاعت کا

سبب ہے، شفاعت کا قبول کرنا آثارِ محبت سے ہے اور محبوب کی رضا خواہی

اس نعمت و محبت کا مقتضائے محبوری، اضطراب اور دل آزاری کا اندیشہ، شفاعت

محبت میں داخل نہیں ہے اور جب مجبوری اور اضطرار تک معاملہ پہنچ جائے تو شفاعت کا معنی باطل ہو جائے گا اور اس جگہ حکمرانی اور فرمان جاری کرنے کی معافی درست ہوگا، اللہ تعالیٰ کے ارشاد :

وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ

کی تفسیر اور اس کے علاوہ گزرجکا کہ اللہ تعالیٰ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت کے سبب آپ کی رضا کا طالب ہے اور بلاشبہ محبت کی شان محبوب کی رضا جوئی ہے اور کوئی محبوب اس پر راضی نہیں ہوگا کہ اس کی شفاعت اس کے محب کی بارگاہ میں مردود ہو اور اس کا وسیلہ بچڑنے والا محب کے دربار سے ناکام لوٹا دیا جائے۔

۷۔ یہ قائل جو بارگاہ الہی میں حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور انبیاء و اولیاء کی شفاعت محبت کی نفی کرتا ہے، دو حال سے خالی نہیں، یا تو اس کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور انبیاء و اولیاء سے محبت ہی نہیں، شفاعت محبت کیسے مستحق ہوگی، یہ کفر صریح ہے اور نصوص قطعیہ احادیث صحیحہ کا انکار ہے، یا محبت کو قبول شفاعت کا سبب نہیں مانتا، یہ عقیدہ بھی نصوص صریحہ اور احادیث صحیحہ کے انکار تک لے جائیگا جیسا کہ

وَالصُّحْحَىٰ وَالْأَيْلِ إِذَا سَبَّحَىٰ

اور دوسری آیات کی تفسیر اور احادیث میں مذکور ہوا، اور اگر کہے کہ اصطلاح بنائی گئی ہے کہ اضطرار مجبوری اور اندیشہ دلائل زاری، شفاعت محبت کے مفہوم میں ماخوذ ہے تو اس کا جواب تیسری وجہ میں گزر گیا ہے۔

۸۔ اس کا قول :

”مالک اپنے بندوں کو“ (الی آخرہ)

گزشتہ کلام سے موافقت اور مناسبت نہیں رکھتا کیونکہ اس کا حاصل یہ ہے کہ تمام مقرب فرشتے اور انسان اس کے بندے ہیں اور راہ بندگی سے باہر ایک قدم بھی نہیں چل سکتے، اس سے لازم نہیں آتا کہ کوئی فرشتہ اور کوئی نبی اللہ تعالیٰ کے دربار میں محبوب نہ ہو اور کسی کی شفاعت محبوبیت کے سبب مقبول و منظور نہ ہو، البتہ اس عبارت میں قائل کی ایک غرض پوشیدہ ہے جس پر مقام ثانی میں تنبیہ کی جائیگی۔

۹۔ اس قائل نے تیسری صورت کا نام شفاعت بالاذن رکھا ہے حالانکہ جیسا پہلے معلوم ہو چکا ہے شفاعت بالاذن کا معنی یہ ہے کہ جس کے لئے شفاعت کی گئی ہے شفاعت کرنے والے کو مستشفع الیہ کے سامنے اس کی شفاعت پیش کرنے کی اجازت ہو، اس میں یہ شرط نہیں ہے کہ مستشفع الیہ کو شفاعت سے پہلے اس مجرم پر رحم آیا ہو لیکن وہ اپنے قانون کی حفاظت کے پیش نظر اس مجرم کا گناہ معاف نہ کر سکتا ہو، اگر اسے شفاعت سے پہلے رحم آیا ہو تو شفاعت رحم اور معافی کا سبب نہیں ہوگی بلکہ اس صورت میں شفاعت لغو اور بیکار ہوگی اور اگر شفاعت فائدہ مند ہے تو مستشفع الیہ کے لئے ہوگی نہ کہ اس شخص کے لئے جس کے لئے شفاعت کی گئی ہے کیونکہ صورت مذکورہ میں مستشفع الیہ کو شفاعت کے ذریعے اپنے قانون کی حفاظت کا موقع ملا ہے اور مجرم پر رحم کھانے کا بہانہ سامنے لا سکا ہے ورنہ اس بیچارے کو اپنے قانون کی حفاظت کرتے ہوئے مجرم کو معاف کرنے کی کوئی صورت نہ ملتی، رہا مجرم جس کے لئے شفاعت کی گئی ہے اسے تو بخشنے والے کا رحم اور اپنے جرم کی سزا سے نجات درکار ہے اور وہ شفاعت سے پہلے ہی حاصل ہے لہذا شفیع کا اس کے حال پر کونسا احسان ہے اور شفاعت کو اس کی نجات میں کیا دخل؟

قابلِ مذکور اس جگہ انصاف کرتے ہوئے خود کہہ گیا ہے کہ اس صورت میں حقیقت شفاعت متحقق نہیں ہے بلکہ بادشاہ لوگوں کے دلوں میں بظاہر اس امیر کی عزت افزائی بٹانے کے لئے اس امیر کی نام نہاد شفاعت کی بنا پر مجرم کا جرم معاف کر دیتا ہے، دراصل یہ شفاعت ہے ہی نہیں کیونکہ اسے مجرم کے حق میں رحم کھانا اور بخش دینے میں کوئی دخل ہی نہیں ہے۔

مثلاً اگر کوئی خدمتگار نافرمانی کا مرتکب ہو کر گرفتار ہو جاتا ہے اور مخدوم بظاہر بیزار ہے اور دلی طور پر اس بدکردار کو معاف کرنے کے بہانے کا متلاشی ہے اس بنا پر کسی شخص کو کہہ دیتا ہے کہ مجھ سے فلاں خدمتگار کے جرم کی معافی کا مطالبہ کرو اور اس کے رویے سے درگزر کا مجھ سے تقاضا کرو کیونکہ میں اسے معاف کرنا چاہتا ہوں مگر اس خیال سے کہ دوسرے خدمتگاروں کی نظر میں نافرمانی معمولی دکھائی نہ دے اور ان کے دل میں میرے فرمان کی تعظیم و تکریم کم نہ ہو جائے، میں بغیر کسی بہانے کے اسے برملا معاف نہیں کر سکتا اور اپنی بخشش کا اظہار نہیں کر سکتا، وہ شخص مخدوم کی مرضی پا کر خدمتگار کی معافی اور مغفرت کی درخواست پیش کر دیتا ہے اور مخدوم جو بہانے کی تلاش میں تھا اس کی درخواست کو غنیمت جانتے ہوئے اس خدمتگار کو معاف کر دیتا ہے تو نہیں کہا جاسکتا کہ یہ واقعی شفاعت ہے کیونکہ مخدوم نے جو خادم پر رحم کیا اور اسے معاف کر دیا اس میں شفاعت کا کوئی دخل نہیں ہے، اگر اس شفاعت نے فائدہ دیا ہے تو مخدوم کو دیا ہے کہ اس شفاعت کے طفیل اسے معاف کرنے کا بہانہ مل گیا، اس شفاعت نے خادم کو کوئی فائدہ نہیں دیا کیونکہ اس کی نجات کا سبب مخدوم کا وہ رحم ہے جو شفاعت سے پہلے ہی موجود تھا، ایسا شفیع، خادم پر اس وقت تک ہی احسان جتلا سکتا ہے جب تک

حقیقت حال اس پر منکشف نہ ہوا اور اگر خادم کو حقیقت کا پتہ چل جائے تو وہ کہہ سکتا ہے کہ تم مجھ پر کیا احسان جتلا رہے ہو؟ تم نے کیا کیا؟ میرے آقا کو مجھ پر رحم آیا اور اس نے معاف کر دیا، اسی طرح لوگوں کے دلوں میں مخدوم کے دربار میں اس شفیع کی عزت افزائی کا احساں اس وقت تک نہ ہے گا جب تک وہ یہ سمجھتے رہیں گے کہ مخدوم نے اس کی شفاعت کے سبب فلاں خادم کو معاف کر دیا ہے اور اگر انہیں پتہ چل جائے کہ مخدوم نے از خود معاف کیا ہے، شفاعت صرف بہانہ تھی تو شفاعت کرنے والے کی عزت ان کے دلوں میں کیا بڑھے گی؟ پس ظاہر ہو گیا کہ صورت مذکورہ بظاہر شفاعت ہے درحقیقت شفاعت نہیں ہے، یہ مطلب بھی اس قائل کا خود ساختہ ہے۔

در اصل شفاعت بالاذن، شفاعت محبت کے مقابل نہیں ہے بلکہ دونوں شفاعت محبت اور شفاعت وجاہت، شفاعت بالاذن کی قسمیں ہیں کیونکہ کوئی مقرب مالک کے سامنے کسی کے گناہوں کے بخشنے یا مراتب کے بلند کرنے کے لئے اس طرح شفاعت کرتا ہے کہ اس مقرب کو مالک کی بارگاہ میں ایسے شخص کے بارے میں بات کہنے کی اجازت حاصل ہے جیسے کہ حضرات انبیاء و اولیاء کو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ایمانداروں کے بارے میں درخواست پیش کرنے کی اجازت ہوگی اگرچہ وہ ایماندار کبار کے مرتکب ہی کیوں نہ ہوں جیسے کہ اس سے پہلے آیات و احادیث سے ثابت و واضح ہو چکا ہے۔

اس شفاعت بالاذن کی دو قسمیں ہیں :

- (۱) وہ شفاعت جس کی قبولیت کا سبب شفیع کی وجاہت ہے۔
- (۲) وہ شفاعت جس کی قبولیت کا سبب شفیع کی محبت ہے۔

یہ مسئلہ (شفاعت کی دونوں قسموں کا مقبول ہونا) اس سے پہلے کتاب و سنت سے ثابت ہو چکا ہے۔

۱۔ قائل مذکور کا یہ قول

”مگر وہ ہمیشہ کا چور نہیں اور چوری کرنا اس نے کچھ اپنا پیشہ نہیں

مکھڑایا“ (الی آخرہ)

اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ اگر گنہگار ایک سے زیادہ مرتبہ جرم نہیں کرتا اور اپنے کئے پر پشیمان ہے تو اس کے حق میں شفاعت بالاذن ہو سکتی ہے حالانکہ اگر اس نے متعدد بار جرم کیا ہے اور اپنے جرم پر پشیمان اور شرمندہ نہیں ہے چوری اس کا پیشہ ہے اور یہ جرم ہمیشہ کرتا ہے تو بھی آیات و احادیث کی رو سے اس کے لئے شفاعت ہو سکتی ہے کیونکہ بار بار گناہ کرنے سے شرک اور کفر لازم نہیں آتا حتیٰ کہ وہ شفاعت سے محروم ہو جائے، گناہ کبیرہ کا مرتکب ایماندار اگرچہ اس نے توبہ نہ کی ہو اور وہ نادام اور پشیمان نہ ہو اب وہ شفاعت کا مستحق ہے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں :

شَفَاعَتِيْ لَا هَلْ اِلَّا الْكَيِّسُ مِنْ اُمَّتِيْ

”میری شفاعت، میرے ان امتیوں کے لئے ہوگی جو کبار کے

مرتکب ہوں گے“

نیز فرمایا :

اَسْرَوْهَا لِلْمُنْتَقِيْنَ وَ لِكِنَّهَا لِلْمُذْنِبِيْنَ

الْخَطَاةِيْنَ۔

”کیا تمہارا یہ گمان ہے کہ میری شفاعت پر ہیزگاروں کے لئے (ہی)

ہوگی (نہیں بلکہ) تحقیق میری شفاعت گنہگاروں اور بہت بڑے گنہگاروں

کے لئے ہوگی۔“

اور اگر گنہگار اپنے کئے پر پشیمان اور شرمندہ ہے اور اس نے دوبارہ گناہ نہیں کیا تو وہ خود تائب ہے کیونکہ توبہ کا معنی گناہ پر نادم ہونا ہے بعض علماء نے فرمایا کہ اس کے ساتھ یہ عزم بھی ہو کہ یہ گناہ دوبارہ نہیں کرونگا اور بعض علماء کے نزدیک یہ شرط نہیں ہے، گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہے کہ گویا اس نے گناہ کیا ہی نہیں، پس وہ گنہگار (جس نے توبہ کر لی ہے) نجات یافتہ ہے۔ اسے شفاعت سے کیا تعلق اور اسے شفاعت کی کیا ضرورت؟

اس کا یہ قول : -11-

”اور بادشاہ سے بھاگ کر کسی امیر اور وزیر کی پناہ نہیں ڈھونڈتا“

جملہ کو فریب دینے والی کیسی عجیب بات ہے، یہ قائل ابلہ فریب انداز بیان سے توسل اور طلبِ شفاعت (جو تمام اہل ایمان کے نزدیک نصِ صریح سے ثابت ہے) کی نفی کرنا چاہتا ہے، اس مکر و فریب کی وضاحت سنئے ! اگر اس قائل کا یہ مقصود ہے کہ مجرم کسی امیر و وزیر کی پناہ اس لئے نہیں ڈھونڈتا کہ اس امیر و وزیر کو بادشاہ کا مقابل اور ہمسر سمجھتا ہے اور اعتقاد رکھتا ہے کہ اگر بادشاہ مجھے قتل کرے تو کوئی امیر اور وزیر اس کی مزاحمت اور مدافعت کر سکتا ہے تو اس معنی کے اعتبار سے پناہ لینے کی نفی درست ہے لیکن اس سے قائل کا یہ مقصد ثابت نہیں ہوتا کہ وسیلہ اور شفاعت طلب کرنے کی نفی ہو جائے،

اور اس کا یہ قول :

”اور رات دن اسی کا منہ دیکھ رہا ہے کہ دیکھئے میرے حق میں

کیا حکم فرماوے۔“

درست نہیں رہتا کیونکہ اس قول کا مطلب وسیلہ اور شفاعت طلب کرنے کی نفی ہے، اس کا یہ کہنا کہ :
 ”کسی کی پناہ نہیں ڈھونڈتا“

باطل اور نص کے مخالف ہے کیونکہ اس سے پہلے احادیث شفاعت میں بیان ہو چکا ہے کہ مومن بلکہ تمام اولین اور آخرین، میدانِ محشر میں حیران و پریشان ہو کر شفاعت کرنے والے اور وسیلہ کو تلاش کریں گے، پہلے حضرت آدم علیہ السلام کے پاس پھر دیگر رسولانِ عظام کے پاس مخلوق کے لئے شفاعت طلب کرنے اور گناہوں کی مغفرت چاہتے جائیں گے، آخر میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پناہ لیں گے اور انتہا کریں گے، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کی شفاعت کا ذمہ لیں گے، اس قائل کے دل میں ایک اور غرض پوشیدہ ہے اور اس کلام میں اس کی طرف اشارہ ہے اور وہ یہ ہے کہ جو لوگ توسل اور شفاعت طلب کرنے کے قائل ہیں اور ان کا عقیدہ ہے کہ شفاعت کرنے والوں اور وسیلوں کا بخشش میں دخل ہے وہ شفاعت کے مستحق نہیں ہیں پس جاہلوں کو فریب دینے والے ایسے کلمات سے بازاری قسم کے عوام کو اپنے جال میں لانا چاہتا ہے اور گمراہ کرتا ہے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور اولیاء کی شفاعت اور وسیلے کی نفی کو عوام کی نظروں میں خوبصورت بنا کر پیش کرنا چاہتا ہے۔

۱۲۔ اس کا یہ قول،

مگر آئین بادشاہت کا خیال کر کہہ (الی آخرہ)

ایسے مقام میں کتنی سخت بات کہہ گیا ہے، اللہ تعالیٰ پاک ہے اس کی شان اس سے بلند و برتر ہے کہ وہ مجرم پر رحم فرمانے کے باوجود قانون کا پاسر

کرتے ہوئے اسے معاف نہ کر کے۔

سُبْحَانَ اللَّهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُونَ
لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُونَ۔

”اللہ تعالیٰ پاک ہے اس سے جو یہ بیان کرتے ہیں، وہ جو کچھ کرتا

ہے اس سے باز پرس نہیں ہو سکتی (البتہ) ان سے پوچھا جائیگا یا

آیاتِ مبارکہ اور احادیثِ طیبہ اس عقیدہ کی تلقین کرتی ہیں کہ :

إِنَّ اللَّهَ لَيَخْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا

”اللہ تعالیٰ تمام گناہ بخش دے گا“

اور اس کی بخشش بے پایاں کو بیان کرتی ہیں، دیکھنا چاہئے کہ یہ علامہ زماں کس بے باکی سے اندھوں کی طرح چلتا ہے، نہ خود غور کرتا ہے نہ اس کے معتقدین اس انداز سے آگاہ ہوتے ہیں۔

۱۳۔ اس کا یہ کہنا

”اوس امیر نے اوس چور کی (الی آخرہ)

ایسا کلام ہے جو جاہلوں کو فریب دینے کے لئے بنایا گیا ہے

بہت دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ ایک بلند مرتبہ امیر بادشاہ کے دربار میں عزت و منزلت

رکھتا ہے، اس کی عزت، محبوبیت اور بلندی مرتبت کے سبب اسے دربار شاہی میں

بخش طلب کرنے کے لئے گفتگو کی اجازت ہوتی ہے، اس کی بات کا وزن ہوتا

ہے اور اس کی درخواست مقبول ہوتی ہے، وہ اذراہِ ترقیم یا اس لئے کہ مجرم

نے اسے وسیلہ بنایا ہے یا اسکی بے کسی اور بے چارگی پر نظر کرتے ہوئے

ایسے مجرم کی شفاعت کرتا ہے کہ بادشاہ نے اس کی سزا کا حتمی فیصلہ نہیں کیا،

اس امیر کی شفاعت مقبول و منظور ہوتی ہے، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ امیر

مجرموں کا حمایتی ہے اور بادشاہ کے فرمان سے سرکش ہے، اس کی مزاحمت کرتا ہے اور اس کا مد مقابل ہے اور یہ بھی لازم نہیں آتا کہ وہ عالی قدر امیر اس گنہگار کی سفارش کی بنا پر بدکردار چوروں کا ساتھی قرار دیا جائے۔

ہاں اگر ایسا ہو کہ کوئی شخص چوری کو جرم نہ سمجھے، چور کو مجرم نہ جانے، چور کی رہائی کے لئے شور و شر برپا کرے اور بادشاہ کی نافرمانی کی ٹھان لے، وہ خود مجرم، گنہگار اور بدکردار چوروں کا شریک کار ہے، اسے شفیع نہیں کہا جاسکتا، سوائے اس قائل کی اصطلاح کے جو عقائد دین کے باب میں نئی اصطلاحیں اختراع کرتا ہے اور ایسی اختراع پر ہزار آفرین کا منتظر ہے۔

اس کا یہ کہنا : ۱۴-

”سوائے اللہ کی جناب میں اس قسم کی شفاعت ہو سکتی ہے“ (الی آخرہ)

یقیناً باطل ہے اور اصول یعنی قرآن پاک، احادیث سید المرسلین، اجماع امت اور عقل سلیم کے خلاف ہے۔

قرآن پاک کی آیات :

يَوْمَ مَنَعْنَا لَئِىْكَ قَوْلًا ۚ
يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۖ
قُمْ فَأَنذِرْ ۚ
وَمَا يَنصُرُكَ مِن دُونِ اللَّهِ
شَيْءٌ مَّا تَتَذَكَّرُ ۚ
(۱)

اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ شفاعت اس شخص کے لئے فائدہ مند ہوگی جس کے لئے اللہ تعالیٰ شفاعت کی اجازت دے گا اور جس کی گفتگو یعنی کلمہ شہادت پسند فرمائی ہے، اس قائل کے قول و اعتقاد سے ثابت ہوتا ہے کہ شفاعت کو کسی کی نجات میں دخل نہیں ہے بلکہ اس کے نزدیک شفاعت اللہ تعالیٰ کے رحم فرمانے کے بعد ہوگی اور اللہ تعالیٰ شفاعت کے دخل کے بغیر محض اپنی رحمت سے تمام گناہ بخش دیتا ہے، پس اس قائل کی دانست میں شفاعت بے فائدہ اور بے کار ہے اور کسی کی

شفاعت بھی فائدہ مند اور نافع نہیں ہے، شفاعت صرف اس صورت میں منظور ہوگی کہ اللہ تعالیٰ کے رحم فرمائے و بخش دینے کے بعد ہو۔

(۲) وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِندَهُ إِلَّا لِمَنْ أَذِنَ لَهُ

اس آیت سے بھی قائل مذکور کی مرضی کے خلاف، اس شخص کی شفاعت ثابت ہوتی ہے جسے بارگاہ الہی میں عرض دعا کا مقام حاصل ہے اور اس شخص کے حق میں کہ اس کی مغفرت طلب کرنے سے ممانعت وارد نہیں ہے،

(۳) وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا

اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا
مَرَّجِيمًا۔

اللہ تعالیٰ نے توبہ قبول کرنے اور رحم فرمانے کو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بخشش طلب کرنے پر مرتب اور معلق فرمایا ہے اور اگر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بخشش طلب کرنا اور شفاعت کرنا، اللہ تعالیٰ کے رحم فرمانے کے سبب نہ ہوتا تو اس تعلیق کا کوئی مطلب نہ ہوتا، ایسی بات سے خدا کی پناہ !

(۴) سَلَامٌ عَلَيْكَ مِنْ أَحِبِّ الْيَتِيمِينَ

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں :

إِنَّمَا وَقَعَتْ سَلَامٌ مَتَّهِمٌ مِنْ أَجْلِ كَرَامَةِ

مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

”ان کی سلامتی صرف حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عزت و کرامت کے سبب واقع ہوئی کہ آپ تمام جہان والوں کے لئے رحمت ہیں“

احادیث مبارکہ

(۱) فَيَقُولُ اللَّهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى مَا تُرِيدُ أَنْ أَضْمَعَ
يَا مَعْتِيكَ؟

اس حدیث سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رضا چاہتے ہوئے فرمائے گا تم کیا چاہتے ہو کہ تمہاری امت سے وہ معاملہ کر دے پس جو کچھ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم شفاعت میں عرض کریں گے اللہ تعالیٰ قبول فرمائے گا لہذا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شفاعت گنہگاروں کی نجات و قیدیوں کی رہائی کا سبب ہوگی۔

(۲) نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں :

فَمِنْهُمْ مَنْ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ بِرَحْمَتِ اللَّهِ
وَمِنْهُمْ مَنْ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ بِشَفَاعَتِي۔

یہ حدیث نص صریح ہے اس لیے کہ بعض محض رحمت الہی سے اور بعض حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شفاعت سے جنت میں داخل ہوں گے۔ کون معنی اسلام ہے جو تمام مخلوق سے زیادہ صادق سستی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کلام کی تکذیب کر سکتا ہے۔

(۳) نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حدیث شفاعت میں فرماتے ہیں :

فَيَقُولُونَ أَكَلَا تَنْظُرُونَ مَنْ لَيْشَقَّ لَكَ دَالِي
اخر الحدیث

اس حدیث سے ثابت ہے کہ میدان محشر میں وسیلہ اور شفیع تلاش کئے بغیر چارہ نہ ہوگا اور حضور سید الشاہین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پناہ لئے بغیر گزارہ نہ ہوگا۔ اس قائل نے جو ذرائع اور وسائل کی نفی کی ہے، نص صریح اور حدیث صحیح کا انکار کیا ہے۔ ممکن ہے کہ وہ اس کے معتقدین اپنی دانست میں حدیث شریف کے ان الفاظ

يَجْمَعُ اللَّهُ الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ
(اللہ تعالیٰ تمام اولین اور آخرین کو جمع فرمائے گا)

میں داخل نہ ہوں، لغو واللہ من ذلک!

(۳) نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لَيْدُ خُلِّنَ يَشْفَعُ عَثْمَانُ سَبْعُونَ أَلْفًا كُلُّهُمْ
اِسْتَوْجَبُوا النَّارَ الْجَنَّةَ بِغَيْرِ حِسَابٍ -

”تحقیق عثمان غنی کی شفاعت کے سبب سے ستر ہزار ایسے افراد
بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوں گے جو سب کے سب دوزخ کے
مستحق ہو چکے ہوں گے۔“

اس کے علاوہ بہت سے آثار اور بے شمار حدیثیں وارد ہیں کہ ان میں
سے بعض اس سے پہلے مذکور ہوئیں جو (قابلِ مذکورہ کی) گفتگو کے ابطال کے لئے
کافی اور کمزور ایمان والوں کی سمجھ کی بیماریوں کے لئے شافی ہیں۔

اجماعِ مسلمین

تمام اہل اسلام قائل ہیں کہ شفاعت لغو اور بیکار نہیں ہے، اختلاف یہ
ہے کہ اہل سنت و جماعت اور دیگر فرق اسلام میں معتزلہ اور ان کے قدم بہ قدم
چلنے والوں کے علاوہ شفاعت کو گناہوں کی سزا سے نجات کے لئے بھی سبب مانتے
ہیں، معتزلہ اور ان کے متبعین شفاعت کو عیندی درجات کا سبب مانتے ہیں، گناہوں
کی معافی کا سبب ہونے سے انکار کرتے ہیں اور یہ قائل تمام اہل اسلام کے برخلاف
شفاعت کو بیکار اور بے دخل مانتا ہے، ظاہری طور پر کہتا ہے کہ شفاعت اللہ تعالیٰ
کے رحم فرمانے اور معافی دینے کے بعد ہوگی (ورنہ) اس کا عقیدہ یہ ہے کہ دراصل
شفاعت متحقق ہی نہیں ہے جیسا کہ اس سے پہلے مذکور ہو چکا۔

اس تمام گفتگو کے باوجود (ایک اور امر قابلِ توجہ ہے) اس سے پہلے گزر چکا کہ
ایک شخص کا دوسرے کے لئے شفاعت کو نا اور دوسرے کے لئے دعا کرنا د حقیقت ایک

ہی ہے لہذا شفاعت کو بے دخل اور سیکار جانتا ایک شخص کی دوسرے کیلئے دعا کو بے دخل اور سیکار جانتا ہے، یہی کتاب سنت اور اجماع امت کے خلاف ہے۔

عقل سلیم کا فیصلہ

اس سے پہلے گزر چکا کہ شفاعت وہی ہے جس کا کچھ اثر بھی ہو (اگر شفاعت کا کچھ بھی اثر نہ ہوا ہو تو وہ شفاعت ہی نہ ہوگی)، اور وہ جو اس قابل کا گمان ہے، غلط بیانی، حید سازی اور مکر و فریب ہے، پس جاہلوں کے اس گمراہ کمسنندہ کے گمراہ اور مکر کن حال پر اس ہدایت دہندہ آیت کا مضمون صادق آتا ہے :

وَكَذَلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيْطَانِيًّا
إِلَٰهَ النَّاسِ وَالْحَقُّ يُؤْتِي بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ مِّنْ خُفْرِ الْقَوْلِ
عُرُوفًا ۝۱۰

”اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے لئے دشمن بنائے، انسانوں اور جنوں

کے شیطان کہ دھوکہ دینے کے لئے ان میں سے بعض، بعض کے دلوں میں

ایسی باتیں ڈالتے ہیں جو بظاہر حسین ہوں“

اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں اور اس کے رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے احادیث صادقہ میں بیان فرمایا ہے، پردہ غیب سے عرصہ تلہور پر جلوہ گر ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنی قوت و طاقت سے جس شیطان اور اس کے مکر سے بچائے

اور اس کے جاہلوں اور حکمرانوں سے نجات عطا فرمائے، اپنے عزت والے، بیان فرمایا اے

حبیب اور شفیع المذنبین کریم و امین رسول اور ان کی روشن چہرے والی بابرکت آل اور ان کے

سابقین اولین اور اصحاب مبین صحابہ کے طفیل، آمین یا رب العالمین۔

مقام ثانی

حضور سید الاولین والآخرین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں اس قائل

بے فائدہ کلام کا بطلان بیان کرنے میں

وہ بے فائدہ کلام یہ ہے :

”اس شہنشاہ کی تو یہ شان ہے کہ ایک آن میں ایک حکم کن سے

چلبے تو کروڑوں نبی و درئی و فرشتے جبرئیل اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے

برابر پیدا کر ڈالے۔“

امکان نظیر کا مطلب | یہ کلام ناقص جھوٹ، خلاف واقع اور بے نور لاف و گزاف

پہلے یہ جانتا چاہئے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے برابر سے اس

قائل کی مراد وہ افراد نہیں ہیں جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ صرف حقیقتِ انسانیہ

میں شریک ہوں کیونکہ ہر زمانے میں سینکڑوں انسان اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور مشیت

شاہد سے موجود ہوتے ہیں۔ آج بھی ہزاروں انسان روئے زمین پر موجود ہیں، یہ کہنا کہ

”اس کی شان یہ ہے کہ جب چلبے سینکڑوں انسان ایک آن میں ایک حکم کن سے

پیدا کر دے“ نہ تو محتاج بیان ہے اور نہ ہی سیاق و سباق سے مناسبت رکھتا ہے

بلکہ اس قائل کی مراد وہ فرد ہے جو اس ذاتِ اقدس کے ساتھ ماہیت اور ان تمام اوصاف

کاملہ میں شریک ہو جو اس ذاتِ قدسی صفات، سرورِ کائنات، مفرجِ ممکنات صلی اللہ تعالیٰ

مقامِ ثانی

حضور سید الاولین والاخرین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں اس قائل

بے فائدہ کلام کا بطلان بیان کرنے میں

وہ بے فائدہ کلام یہ ہے :

” اس شہنشاہ کی تو یہ شان ہے کہ ایک آن میں ایک حکم کن سے

چاہے تو کروڑوں نبی و درویش و فرشتے جبرئیل اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے

برابر پیدا کر ڈالے۔“

امکانِ نظیر کا مطلب یہ کلام ناقص جھوٹ، خلافِ واقع اور بے نور لاف و گزاف ہے۔

پہلے یہ جانا چاہئے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے برابر سے اس

قائل کی مراد وہ افراد نہیں ہیں جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ صرف حقیقتِ انسانیہ

میں شریک ہوں کیونکہ ہر زمانے میں سینکڑوں انسان اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ اور مشیتِ

شاملہ سے موجود ہوتے ہیں۔ آج بھی ہزاروں انسان روئے زمین پر موجود ہیں، یہ کہنا کہ

” اس کی شان یہ ہے کہ جب چاہے سینکڑوں انسان ایک آن میں ایک حکم کن سے

پیدا کر دے“ نہ تو محتاجِ بیان ہے اور نہ ہی سیاق و سباق سے مناسبت رکھتا ہے

بلکہ اس قائل کی مراد وہ فرد ہے جو اس ذاتِ اقدس کے ساتھ ماہیت اور ان تمام اوصافِ

کاملہ میں شریک ہو جو اس ذاتِ قدسی صفات، سرورِ کائنات، مفرحِ ممکنات صلی اللہ تعالیٰ

”چاہوں تو ایک گھڑی میں ایک بڑا کتاب کا لکھ سکوں“

اردو جاننے والا اس کی تکذیب نہیں کر سکتا کیونکہ اگر وہ امی چاہے تو کتابت سیکھے اور کتاب کی ایک جز ایک ساعت میں لکھ دے اور اس کا دار و مدار کتابت کے امکان پر ہے اگرچہ قوت بعیدہ سے ہی ہو، اور اگر انہی کے لئے کتابت کے سیکھنے سے کوئی دائمی مانع موجود ہو اور وہ کہے کہ :

”چاہوں تو کتاب لکھ ڈالوں یا لکھ سکوں“

تو زبان دان اس کی تکذیب کرے گا کیونکہ کتابت کے سیکھنے سے دائمی مانع کے ہوتے ہوئے کتابت کو بالفعل واقع میں لانا اس امی کے اختیار میں نہیں ہے اور اگر وہی امی کہے کہ :

”چاہتا تو کتاب لکھ ڈالتا یا لکھ سکتا“

تو زبان سے واقف اس کی تکذیب نہیں کر سکتا کیونکہ اس کے کلام کا معنی یہ ہے کہ اگر ابتداء دائمی مانع کے پیدا ہونے سے پہلے چاہتا تو کتابت سیکھ لیتا اور کتاب لکھتا یا لکھ سکتا تھا، یہ معنی صحیح ہے، دائمی مانع کا موجود ہونا اس کلام کی صحت سے مانع نہیں ہے۔

واقع ہو کہ یہ مثالیں ان کلمات کے معانی اور مدلولات کی تقسیم کے لئے ہیں، کسی کو یہ گمان نہ گزرے کہ اس جگہ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور تکوین کا ذکر ہے اور اللہ تعالیٰ نظیروں اور مثالوں سے بلند ہے کیونکہ مقصد نظیر پیش کرنا نہیں بلکہ مقصد ان کلمات کے مدلولات کا بیان کرنا ہے،

مختصر یہ کہ اگر کلام کا مطلب یہ ہے کہ ابتداء قدرت یا تکوین کا تعلق کسی کام سے صحیح ہے تو ابتداء میں اس کام کا امکان ضروری ہے اور اگر کلام کا یہ مطلب ہو کہ اس وقت قدرت یا تکوین کا تعلق کسی کام سے صحیح ہے تو اس وقت اس کا امکان

مزدوری ہے امکان سے مراد امکان وقوعی نفس الامری (یعنی اس کام کا وقوع واقعی ممکن ہے) کیونکہ عرف عام میں یہی معنی فوری طور پر ذہن میں جاتا ہے، مثلاً اگر کوئی شخص کہے کہ ”فلاں فقیر بادشاہ کو قید میں بھیج سکتا ہے“ تو عرف عام میں اس کا معنی یہی ہوگا کہ فقیر کے بادشاہ کو قید میں بھیجنے کا وقوع ممکن ہے اسی لئے عرف میں اس قائل کو بیہودہ گو اور ہرزہ سرا کہا جائے گا۔

اگر قائل یہ تاویل کرے کہ میرا مقصد نفس ذات کے لحاظ سے امکان ذاتی ہے اور حقیقت انسانی کے اعتبار سے ممکن ہے کہ فقیر کو بادشاہ پر تسلط حاصل ہو جائے تو کوئی شخص اس تاویل کو قبول نہیں کرے گا کیونکہ عرف میں امکان ذاتی ہرگز متباد نہیں ہے اور کسی کی سمجھ میں نہیں آتا، معنی متبادر خود اپنا کام کرتا ہے، تاویل اس کی تلافی نہیں کر سکتی۔

اس تمہید کے بعد سنئے! کہ اس قائل کے کلام کا مطلب یہ

انتزاع نظیر پر دلیل

ہے کہ حضور سید کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تمام کمالات میں برابر کروڑوں اشخاص سے تکوین کا تعلق صحیح ہے جو شخص اردو زبان سے تھوڑی سی واقفیت رکھتا ہے، اس عبارت سے اس معنی کے متباد رہونے میں شک نہیں کرے گا حالانکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات ستودہ صفات سے تمام اوصاف و کمالات میں برابری رکھنے والے ایک شخص سے بھی تکوین کے تعلق کا صحیح ہونا باطل ہے کیونکہ ایسا ایک شخص بھی موجود ہوا تو نص قرآنی کا کذب لازم آئے گا اور اللہ تعالیٰ کا کذب محال بالذات ہے لہٰذا اور جسمانی بالذات لازم ہوا اس کے بھی کاتعلق صحیح نہیں ہوا، (منطقی انداز میں) اس قیاس (اقتزائی حملی) کی ترتیب یوں ہوگی :

۱۔ کمالات میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے برابر کا موجود ہونا محال بالذات کو مستلزم ہے۔

۲۔ اور جو محال بالذات کو مستلزم ہو اس سے تنکوین کا تعلق صحیح نہیں ہے یا (بصورت قیاس استثنائی اتصالی) کما جلتہ۔

اگر کمالات میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے برابر سے تنکوین کا تعلق صحیح ہوتا تو اللہ تعالیٰ کا کذب بھی صحیح ہوتا، لیکن تالی (اللہ تعالیٰ کا کذب) باطل ہے لہذا مقدم کمالات میں حضور کے برابر سے تنکوین کے تعلق کا صحیح ہونا بھی باطل ہوگا۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے برابر کا موجود ہونا کذب الہی کو مستلزم ہے اس کا بیان یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے برابر نبی کے سوا اور کوئی شخص نہیں ہو سکتا اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد (نئے) نبی کے موجود ہونے سے نص قرآنی کا کذب لازم آتا ہے اس لئے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا خاتم حجج انبیاء ہونا نص قرآنی سے ثابت ہے،

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلَكِن

رَسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ۔

لہذا اگر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے برابر کا تنکوین کے تحت داخل ہونا

صحیح ہو تو اس نص صریح کا کذب صحیح ہو جائے گا العباد باللہ تعالیٰ من ذلک۔

دہا یہ امر کہ اللہ تعالیٰ کا کذب محال بالذات ہے تو اس کا بیان یہ ہے کہ

سلہ محمد قاسم نانوتوی نے تہذیب النکاح میں لکھا ہے کہ اگر بالفرض ناسا نبوی میں یا اس کے بعد کوئی نبی آجائے تو

آج کی غایت میں کوئی فرق نہیں پڑتا (مفہوم) یہ ختم نبوت کے عقیدہ قطعاً کی کھلی مخالفت ہے۔

کذب صفت نقص اور عیب ہے اور اللہ تعالیٰ کا صفات نقص و عیب سے منصف ہونا محال بالذات ہے۔

اور وہ جو اس قائل نے بعض رسائل میں لکھا
امکان کذب کی دلیل اور اس کا رد
 ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کذب اور اس کا اس
 نقص سے منصف ہونا محال بالذات نہیں ہے کیونکہ ایسا قضیہ بنانا جو واقع کے مطابق
 نہ ہو اور اس کا ملائکہ اور انبیاء پر انعقاد کرنا قدرت الہیہ سے خارج نہیں ہے، ورنہ لازم آئیگا
 کہ انسانی قدرت اللہ تعالیٰ کی قدرت سے زائد ہو اس لئے کہ ایسا قضیہ بنانا جو واقع
 کے مطابق نہ ہو اور اسے فحطین پر پیش کرنا، اکثر انسانوں کی قدرت میں ہے، ہاں
 کذب مذکور چونکہ حکمت کے منافی ہے اس لئے متمنع بالغیر ہے اسی لئے عدم کذب
 کو اللہ تعالیٰ کے کمالات میں سے شمار کرتے ہیں اور اس کے ساتھ اس کی تعریف
 کرتے ہیں برخلاف پتھر اور گونگے کے کہ کوئی شخص عدم کذب سے ان کی تعریف نہیں
 کرتا اور ظاہر ہے کہ کمال یہی ہے کہ جو شخص کلام کا ذب پر قدرت رکھتا ہے لیکن مصلحت
 اور تقاضائے حکمت کی بنا پر جھوٹ بولنے کا ارتکاب نہیں کرتا وہ جھوٹ نہ بولنے اور
 کمال صدق سے منصف ہونے کے سبب تحقیق تعریف ہے، برخلاف اس شخص کے
 جس کی زبان ماؤف ہے اور وہ جھوٹ بولنے کی طاقت نہیں رکھتا، یا اس کی قوت متغیرہ
 میں فساد ہے کہ وہ واقع کے خلاف قضیہ تیار نہیں کر سکتا، یا جس وقت وہ سچ کہنا چاہتا
 ہے، کہہ دیتا ہے اور جو جھوٹ بولنا چاہتا ہے، اس کی آواز رک جاتی ہے یا اس کی
 زبان ماؤف ہو جاتی ہے یا کوئی شخص اس کا منہ بند کر دیتا ہے یا اس کا گلا دبا دیتا ہے،
 یا اس شخص نے بہت سے سچے قضایا (اقوال) یاد کر رکھے ہیں اور وہ دوسرے

قصیدہ تیار ہی نہیں کر سکتا اس لئے اس سے کلام کا ذب صادر نہیں ہوتا، یہ اشخاص مذکورہ عقلمند کے نزدیک مستحق تائش نہیں ہیں۔

حاصل یہ کہ جھوٹ سے بچتے ہوئے اور اس کی آلودگی سے دامن بچاتے ہوئے، جھوٹ نہ بولنا صفاتِ درج سے ہے اور اس لئے جھوٹ نہ بولنا کہ اس کی طاقت ہی نہیں، کسی طرح بھی صفاتِ درج میں سے نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ پاک ہے اور بہت بلند ہے اس سے جو ظالم کہتے ہیں، یہ کیا عقیدہ ہے جو اس قائل کی زبان سے صادر ہو رہا ہے اور کیا گمراہانہ کلام ہے جو اس کے قلم کی نوک سے بے باکانہ پھل رہا ہے۔

یہ قائل مانتا ہے کہ جھوٹ نقص اور عیب ہے، اس کے باوجود کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کذب سے متصف ہونا ممکن ہے، لہذا یہ صریح اعتراف ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ناقص اور عیب دار ہونا ممکن ہے، اللہ تعالیٰ پاک ہے اس سے جو یہ بیان کہتے ہیں، اب یہ شکایت ختم ہو جاتی ہے کہ اس نے بطینتی کی بنا پر حضور سید کائنات اور دیگر حضرات انبیاء و ملائکہ و اولیاء کے بارے میں تنقیص اور توہین آمیز کلمات کہے ہیں کیونکہ اس کا عقیدہ خالق کائنات کے بارے میں یہ ہے کہ اس کا جھوٹ اور نقص و عیب سے متصف ہونا ممکن ہے (مذکورہ بات کے بارے میں کیا کچھ نہ کہے گا!) اس کا یہ استدلال کہ :

”ایسا قضیہ بنا جو واقع کے مطابق نہ ہو اور اس کا ملائکہ و

انبیاء پر القاد کرنا، قدرتِ الہیہ سے خارج نہیں ہے۔“

باعثِ تعجب ہے کیونکہ ایسا قضیہ بنا جو واقع کے مطابق نہ ہو اور اس کا مخاطب پر القاد کرنا مطلقاً جھوٹ نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے قرآنِ پاک میں اکثر مقامات پر مخلوق سے حکایت کرتے ہوئے قصایا کا ذب ذکر فرمائے ہیں، قائل کے کذب کا معنی یہ ہے کہ وہ مخالف واقع قضیہ

سے خردے اور یہ صفت عجیب اور نقص ہے اور یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ کا عیب اور نقص سے
موصوف ہونا ممکن ہے اہل ایمان کی شان سے بعید ہے، ایسا کلام زبان پر لانا اور اس کا
سننا مسلمانوں کی سماعت پر بہت گراں ہے، یہ صحیح ہے کہ یہ باتیں اس شخص کو کہی جاسکتی ہیں
جس کا ایمان سے کچھ تعلق نہ ہو۔
اس کا یہ کہنا کہ :

”وہ نہ لازم آئے گا کہ قدرتِ انسانی قدرتِ الہیہ سے زیادہ ہو“

تعب بالائے تعب کا سبب ہے اور دیکھنے والوں کی نگاہوں میں قائل کی دقیقہ رسی اور
زیر کی قوت کو ظاہر کرتا ہے، سبحان اللہ و تعالیٰ عما یصفون، ظاہر ہے کہ بدترین فواحش اور
شیئیں قبائح جن سے اللہ تعالیٰ کا متصف ہونا عقلی، نقلی طور پر بدیہی اور شرعی طور پر ممتنع
ذاتی اور محال عقلی ہے، قدرتِ انسانیہ کے تحت داخل اور قدرتِ الہیہ کے تحت داخل
نہیں ہیں، اس قائل کے زعم پر لازم آئے گا کہ قدرتِ انسانی، قدرتِ ربانی سے زائد ہو
السیاذ باللہ !

اس شبہ کا حل یہ ہے کہ عیوب و نقائص سے انصاف اور قبائح و فواحش کے
از نکاب کی قدرت خود عجیب اور نقص ہے، اللہ تعالیٰ تمام نقائص، عیوب، قبائح اور
فواحش سے پاک ہے، جو قدرت اللہ تعالیٰ کے اوصاف کا ملہ میں سے ہے، وہ تمام
ممکنات کے ایجاد کی قدرت ہے، گویا مطلق قدرت دو قسم ہے، ایک قدرت کاملہ جو اللہ تعالیٰ

سے ہے کہ سووی موجود حسن و دبندی نے مراعات اقرار کیا ہے کہ تمام افعال قبیحہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے تحت داخل ہیں، کھلی ہے
مقدور قبائح اور قدرت علی القیاح میں زمین، آسمان کا فرق ہے، امراول کو عند اہل السنہ و جماعت نسبت ذات خالق، امکانات محال کہا
جائے تو اس دو ہی علت میں ہے، سب جاننے میں کہ ذات تعالیٰ شانہ سے افعال قبیحہ کے صدور کی نوبت نہیں آسکتی لیکن افعال
قبیحہ کوش دیگر ممکنات ذاتیہ مقدور باری جملہ اہل حق تسلیم کرتے ہیں کیونکہ خدائی ہے تو ان کے صدور میں ہے، نفس مقدوریت میں
اصلاً کوئی خدائی لازم نہیں آتی (جملہ اهل الحق، مطبع ملای، سال ۱۳۰۰ھ، ص ۱۶۱) یعنی ان کے نزدیک چوری، بیکاری، زنا، ولولت
اور دیگر تمام فواحش اللہ تعالیٰ کی قدرت کے تحت داخل ہیں، نہ اللہ تعالیٰ من ذلک ۱۲ شرف قادری

کے اوصافِ محققہ سے ہے، دوسری قدرت ناقصہ جو صفاتِ مخلوق سے ہے دوسری قدرت پہلی قدرت سے ہر اہم غیر متناہیہ ناقص ہے، پس انسان میں دوسری قدرت کے موجود ہونے اور ذاتِ باری تعالیٰ میں اس کے ممکن نہ ہونے سے قدرتِ انسانی کا قدرتِ ربانی پر زائد ہونا لازم نہیں آتا، شاید زیادتی کا معنی "خیالِ شریف" میں نہیں آیا ہوگا۔

ایک شے کا دوسری شے پر زائد ہونا یہ ہے کہ پہلی شے دوسری شے پر مشتمل ہو اور اس کے ماسوا پر بھی، اسے چاہئے تھا کہ پہلے ثابت کرتا کہ قدرتِ انسانی قدرتِ ربانی پر مشتمل ہے، پھر بیان کرتا کہ قدرتِ انسانی قدرتِ ربانی کے ماسوا پر بھی مشتمل ہے، تب یہ کہہ سکتا تھا کہ قدرتِ انسانی کا قدرتِ ربانی پر زائد ہونا لازم آتا ہے، سبحان اللہ! اس مبلغِ علم اور اتنی سمجھ کے ساتھ کیا ضروری ہے کہ معقولات میں دخل دیا جائے! اسی لئے علماء نے کہا ہے :

مَنْ أَرَادَ أَنْ يَتَكَلَّمَ بِالْحِكْمَةِ فَلْيُحَدِّثْ
لِنَفْسِهِ فِطْرَةً أُخْرَى،

"جو شخص حکمت میں کلام کرنا چاہے اسے اپنے لئے ایک اور فطرت (علوم و فنون میں مہارت) تیار کرنی چاہئے۔"

اس کا یہ گمان کہ، عدمِ کذب کو اللہ تعالیٰ کی تعریفیات میں اسی لئے شمار کرتے ہیں کہ وہ کذب پر قدرت کے باوجود کلام کا ذب کا تکلم نہیں فرماتا جیسے اس نے عوام کا لالعام کو فریب دینے کے لئے کم معنی اور زیادہ الفاظ والی طویل عبارات سے بیان کیا ہے، ملمع کاری سے زیادہ کچھ نہیں کیونکہ تمام عیوبِ نقائص اور قبائح و فواحش سے اللہ تعالیٰ کی تنزیہ، محامد و ملاحح الہیہ سے شمار کی گئی ہے اور نصوص میں مقامِ شام میں موجود ہے مالا لکہ اللہ تعالیٰ کا ان نقائص اور فواحش سے متصف ہونا ممتنعاتِ عقلیہ اور مستحیلاتِ ذاتیہ ہے۔ شانِ الہی کی انتہائی تعریف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کسی عیب اور نقص سے

موصوف ہونا تجویز عقلی میں بھی ممکن نہیں ہے، یہی کمال تنزیہ اور تقدیس ہے، اللہ تعالیٰ کا کذب کے انصاف سے اس لئے پاک ہونا کہ اس ذات کریمہ کا عیوب و نقائص سے موصوف ہونا ناممکن ہے، بجز نہیں ہے اس لئے کہ جس شے کی شان یہ ہے کہ وہ قدرت میں ہو، اس کا قدرت میں نہ ہونا بجز ہے اور چونکہ اللہ تعالیٰ کا کذب سے موصوف ہونا منسوخ ہے اور قدرت میں نہیں ہے لہذا اس پر قدرت کا نہ ہونا بجز نہیں ہو سکتا۔

اب قائل کے اس قول میں غور کرنا چاہئے کہ :
 ”عجز کی بنا پر جھوٹ نہ ہونا کسی طرح صفات مدح میں نہیں ہے۔“

عجز کا معنی ہی خیال شریف میں نہیں آیا! اللہ تعالیٰ ہی حکمت والا اور حفاظت فرمائی والا ہے۔ جانتا چاہئے کہ یہ گفتگو اس مقصد کے لئے ہے کہ جو شخص صفات کمال میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے برابر فرض کیا جائے اس کے ساتھ تکوین کا تعلق صحیح نہیں ہے۔ قائل مذکور جو ایسے شخص سے تکوین کا تعلق صحیح دکھانا چاہتا ہے، اس کے ابطال کے لئے یہ بیان کافی اور بے غبار ہے،
 نہ ہا یہ کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کا تعلق ایسے شخص سے نہیں ہو سکتا۔ اس کے لئے یہ بیان جاری کرنا عقل سے خالی نہیں ہے کیونکہ اس بیان سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ تمام کمالات میں کسی شخص کا حضور را نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے برابر ہونا منسوخ بالغیر ہے اور ضروری نہیں کہ منسوخ بالغیر اللہ تعالیٰ کی قدرت کے تحت داخل نہ ہو جتنے کہ

صلی اللہ تعالیٰ کا عدم اور اس کا شریک ممکن نہیں اور جو ممکن نہ ہو اس پر قادر نہ ہونا بجز نہیں کہلاتا اس لئے اللہ تعالیٰ کا اپنے شریک کے پیدا کرنے اور اپنے عدم پر قدرت نہ ہونا، بجز نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا عدم اور شریک باری تعالیٰ ممکن نہیں اور اس قابل ہے کہ اس کے ساتھ قدرت کا تعلق ہو سکے ۱۲ شرف قادری

لازم آئے کہ ایسا شخص قدرتِ الہیہ کے تحت داخل نہ ہو، ہماری یہ گفتگو یہ سبیلِ تنزل اور کسی حد تک قائلِ مذکور سے موافقت کرتے ہوئے ہے ورنہ اصل مذہب وہی ہے جو وحیرتانی میں مذکور ہوگا۔

وحیرتانی جانا چاہئے کہ جب قائلِ مذکور کی اس گفتگو (اس شہنشاہ کی توہینِ شان ہے) سے حضور سید الاولین والآخرین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں اس کا دلی عقیدہ ظاہر ہوا اور مخلص ایمانداروں کے دلوں میں اس کے ایمان کے بارے میں شبہ واقع ہو گیا تو اس قائل نے اپنے کلام کے مدلول سے انمراض اور ختم پوشی کرتے ہوئے اس عبارت کا خود ساختہ معنی بیان کیا اور کوشش کی کہ اس عبارت کو اللہ تعالیٰ کی قدرت کے علوم اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے برابر کے امکان ذاتی پر محمول کر کے اس قباحت سے جان چھڑائے جس میں وہ واقع ہوا ہے۔ ہماری اس تقریر اور اس سے پہلے کی تحقیق سے اس طرف کا راستہ بند ہو چکا ہے، اس خیال اور حیلہ سازی کو ہم اہل فہم کے دماغوں سے دور اور ختم کر چکے ہیں، اس کے باوجود ہمارا ارادہ ہے کہ بہ طریقِ تنزل اس کے کلام کا مزید بطلان پیش کریں اور ان غلط باتوں کی تاویل کی ہوس اس کے دل میں نہ رہنے دیں۔

اس سے پہلے گزر چکا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے برابر ہے اس قائل کی مراد ایسا فرد ہے جو ماہیت میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ شریک اور اوصافِ کاملہ میں آپ کے مساوی ہو یعنی جو کمال حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں پایا جاتا ہے اس کی مثل اس فرد میں بھی موجود ہو جو ماہیت میں آپ کے ساتھ شریک اور اوصافِ کاملہ میں آپ کے مساوی ہو، اور اگر ایک فرد نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ ماہیت میں شریک ہو لیکن وہ آپ کے تمام اوصاف و کمالات کا جامع نہ ہو، آپ کے بعض کمالات اس فرد میں موجود نہ ہوں

یا، البیاض باللہ اس طرح ہو کہ وہ فرد آپ کے تمام کمالات کا جامع ہو اور اس میں بعض ایسے کمالات پائے جائیں جو آپ میں نہ ہوں وہ فرد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے برابر نہیں ہے بلکہ کم ہے یا معاذ اللہ زیادہ بلند ہے۔

اب ہم دعوے کرتے ہیں کہ وہ شخص جو تمام کمالات میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے برابر ہو، متمتع بالذات ہے (یہ صغریٰ ہے) اور جو متمتع بالذات ہو، قدرت الہی کے تحت داخل نہیں ہے (یہ کبریٰ ہے)، لہذا ثابت ہوا کہ وہ شخص کہ تمام کمالات میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے برابر ہو، قدرت الہی کے تحت داخل نہیں ہے (یہ نتیجہ ہے)

کبریٰ کا بیان یہ ہے کہ اگر کوئی متمتع بالذات قدرت الہی کے تحت داخل ہو تو وہ (متمتع ذاتی نہیں رہے گا بلکہ) ممکن ذاتی ہوگا اور متمتع ذاتی کا ممکن ذاتی بن جانا محال بالذات ہے (جیسا کہ علماء معقول کا اتفاق ہے) پس جو متمتع ذاتی ہے قدرت الہی کے تحت داخل نہ ہوگا۔

اور وہ جو عوام کے دل میں خدشہ پیدا ہوتا ہے اور انہیں تشویش میں مبتلا کرتا ہے کہ متمتع ذاتیہ پر اللہ تعالیٰ

ایک شے کا ازالہ

کی قدرت کی نفی سے اس کے عجز کا قول لازم آتا ہے، حجالت سے زیادہ نہیں ہے کیونکہ جو چیز مقدور بننے کی صلاحیت رکھتی ہو، اس پر قدرت نہ ہونے کو عجز کہتے ہیں (یعنی عجز اور قدرت میں تقابل عدم و الملکہ ہے) اور متمتع ذاتی مقدور بننے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتا اس پر قدرت نہ ہونے سے اللہ تعالیٰ کا عجز لازم نہیں آئیگا، مثلاً اگر کوئی شخص کہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی نظیر یا اپنے شریک کے پیدا کرنے یا اجتماع نفیضین و ارتفاع نفیضین کے پیدا کرنے پر قادر نہیں ہے تو نہیں کہا جاسکتا کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے عاجز ہونے کا قول کیا ہے۔

وہ آیات کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے عموم پر دلالت کرتی ہیں مثلاً :

إِنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ

یا اللہ تعالیٰ کا فرمان :

وَكَانَ اللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا

ممتنعات عقلیہ کو شامل نہیں ہیں کیونکہ ممتنع عقلی شے نہیں ہے (شے اسے کہتے ہیں جس سے شیت کا تعلق ہو سکے اور وہ لازماً ممکن ہی ہوگی ممتنع نہیں ہو سکتی) حتیٰ کہ کل شے کے عموم میں داخل ہو۔ اگر کوئی شخص ممتنعات ذاتیہ اور مخیلات عقلیہ پر اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نفی سے گریز کرتا ہے اور اسے بارگاہ الہی کی بے ادبی گمان کرتا ہے، اسے ایمان و توحید کو ایک طرف رکھنا پڑے گا اور اللہ تعالیٰ کے شریک اور اس کے عدم کے امکان اور اللہ تعالیٰ کے نقص و قبح سے انصاف، جم ہونے، مکان میں ہونے اور تغیر پذیر ہونے کے امکان کا عقیدہ رکھنا پڑے گا کیونکہ یہ سب ممتنع ذاتی ہیں اگر اس کی قدرت میں ہوں گے تو لازماً ممکن ہوں گے، تعالیٰ اللہ عما یصفون۔

پس حتیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر ممکن ذاتی پر قادر ہے، ممتنع ذاتی چونکہ مقدور بننے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتا اس لئے مقدور نہیں ہے، قدرت الہی کا ممتنع ذاتیہ کو شامل نہ ہونا معاذ اللہ! اس کے عجز کی بنا پر نہیں ہے بلکہ اس لئے ہے کہ ان ممتنع ذاتیہ میں وجود کی صلاحیت ہی نہیں ہے ہاں اگر کوئی بے دین ممکن ذاتی سے قدرت الہی کی نفی کرے تو وہ کافر ہے اور قدرت الہی کا منکر ہے، نعوذ باللہ تعالیٰ من ذلک۔

صغریٰ کا بیان دو طریقے سے ہے :

یہ قضیہ سالبہ کلیہ دائرہ صادق ہے،

طریق اول

کسی وقت کوئی ممکن ذاتی، کمالات میں سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وسلم کے مساوی نہیں ہے (یہ اصل قضیہ ہے)

لہذا اس کا عکس ضرور صادق آئے گا،

اوصاف و کمالات میں محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کوئی مساوی کسی

وقت ممکن ذاتی نہیں ہے (عکس ہے)

اصل قضیہ کے صدق کا بیان یہ ہے کہ اگر ہمارا یہ قول :

”کسی وقت کوئی ممکن ذاتی، کمالات میں سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ

وسلم کے مساوی نہیں ہے۔“

صادق نہ ہو تو اس کی نقیض ضرور صادق ہوگی کیونکہ ارتجاع نقیضین محال ہے

اور اس کی نقیض موجبہ جزئیہ مطلقہ عامہ ہے اور وہ یہ ہے :

”بعض ممکن ذاتی، سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بالفعل

یعنی تین زمانوں (ماضی، مستقبل، حال) میں سے ایک زمانے میں

مساوی ہیں۔“

اور یہ مطلقہ عامہ موجبہ جزئیہ ہر ممکن کے نزدیک باطل ہے لہذا اصل

صادق ہوا، اور جب اصل صادق ہو تو اس کا عکس یقیناً صادق ہوگا لہذا ثابت ہوا کہ

کمالات میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مساوی ممکن ذاتی نہیں ہے، اب دوسری

صورتنیں ہیں کہ وہ مساوی واجب بالذات ہو العیاذ باللہ تعالیٰ، یا ممتنع بالذات ہو،

پہلی صورت بالبداہتہ باطل ہے لہذا متعین ہو گیا کہ وہ مساوی ممتنع بالذات ہے اور

یہی ہمارا مطلوب ہے۔

یہ کہنا کہ تمام کمالات میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے برابر شخص کا وجود

طریق ثانی

ممکن ہے، اجتماع نقیضین کے امکان کو تسلیم کرنا ہے اور وہ تو باطل

ہے (لہذا اس مساوی کا امکان بھی باطل ہے)

یہ کہنا کہ تمام کمالات میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے برابر کا وجود ممکن ہے
اجتماع نقیضین کے امکان کو تسلیم کرنا ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر فرض کیا جائے کہ
کوئی شخص تمام کمالات میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے برابر ہے، تو دو حال سے
خالی نہیں، وہ شخص یا تو خاتم الانبیاء ہوگا، یا خاتم الانبیاء نہیں ہوگا، دونوں صورتوں میں
وہ شخص حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے برابر نہ ہوگا کیونکہ وہ شخص اگر خاتم الانبیاء ہو
(لا محالہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان انبیاء کے زمرے میں داخل ہونگے جن کا وہ
خاتم ہے) تو معاذ اللہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خاتم الانبیاء نہ ہوں گے، پس اس
شخص میں ایک ایسا کمال (خاتم الانبیاء ہونا) ہوگا جو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں
نہیں ہوگا، لہذا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس شخص کے برابر نہ ہوں گے (اور وہ شخص
آپ کے برابر نہ ہوگا بلکہ بلند تہ ہوگا) اور اگر وہ شخص خاتم الانبیاء نہ ہو تو چونکہ حضور
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یقیناً خاتم الانبیاء ہیں لہذا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
میں خاتم الانبیاء ہونے والا ایسا کمال پایا جائے گا جو اس تقدیر پر اس شخص میں نہیں
ہے پھر بھی وہ شخص حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے برابر نہ ہو، دونوں صورتوں میں
مساوۃ فرض کرنے کے باوجود اس کا مساوی نہ ہونا لازم آیا، ثابت ہوا کہ جمیع کمالات
میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے برابر شخص کا موجود ہونا اس امر کو مستلزم ہے کہ وہ
شخص تمام کمالات میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے برابر نہ ہو لہذا واضح ہو گیا کہ
تمام کمالات میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے برابر شخص کا قول کرنا اجتماع نقیضین
کے امکان کا قول کرنا ہے اور وہ تو محال بالذات ہے، پس تمام کمالات میں
حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے برابر کا موجود ہونا محال بالذات ہے۔

یادوں کہا جائے کہ تمام کمالات میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے برابر
شخص کا وجود اس کے عدم کو مستلزم ہے (کیونکہ وہ خاتم الانبیاء ہے یا نہیں بہر حال

وہ مساوی نہیں رہے گا جیسے کہ ابھی گذرا، اور جس کا وجود اس کے عدم کو مستلزم ہو وہ
حال بالذات ہے، پس تمام کمالات میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے برابر شخص کا موجود
ہونا محال بالذات ہوگا اور یہی مطلوب ہے۔

تمام کمالات میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے برابر شخص کے محال ذاتی
ہونے پر ایک اور قطعی حجت اور روشن دلیل ہے جس کی بنا ائمہ کشف و شہود کے مختار
مسئلہ وحدۃ الوجود پر ہے اور توحید وجودی (عقیدۃ وحدۃ الوجود) براہین عقلیہ اور
دلائل نقلیہ سے ثابت ہے لیکن چونکہ یہ راستہ دشوار ہے اور اس کا سمجھنا عوام الناس
کے لئے بہت ہی مشکل ہے اس لئے اس کا ذکر مقام اور عوام کے افہام کے مناسب
دکھائی نہیں دیتا اور چونکہ قائل کی پختہ رائے اور فہم سلیم یعنی نظر ظاہر بنی اور غلط سمجھنے
والی عقل و دقیقہ سنجی اور باریک بینی بلکہ تلاش حق اور قبول حق کی طرف متوجہ نہیں ہے
پس چند دوسرے اس کے ہاتھ میں ہیں اور اس کے دماغ کے گوشے گوشے
میں سماتے ہوئے ہیں اس لئے اس کے مزاج کی اصلاح اور علاج کی ضرورت
پیش آئی ہے۔

اس قائل نے تین دوسرے جنہیں وہ دلائل کا نام دیتا ہے، تمام کمالات
میں حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے برابر شخص کے ممکن ہونے پر اپنے بعض
رسائل میں ذکر کئے ہیں، ان میں سے ایک عقلی اور دلفنی ہیں، ہم ان میں سے ہر ایک کا
ذکر کرتے ہیں اور ان شبہات کی بیج کنی کرتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
امکانِ نظیر کی عقلی دلیل اور اس کا جواب

کے بذریعہ سے مراد وہ فرد ہے جو
آنحضرت کے ساتھ مابیت اور اوصافِ کاملہ میں شریک ہو پس اقتناع بالذات یا تو

اس لئے ہوگا کہ مابیت میں شرکت محال ہے یا اس لئے کہ نفس ذات کے اعتبار سے اوصاف مذکورہ سے موصوف ہونا محال ہے۔ ظاہر ہے کہ آنجناب کی کتاب انسان اور مابیت انسان میں لاکھوں افراد کا شریک ہونا محال نہیں ہے اور نفس مابیت کے لحاظ سے اوصاف مذکورہ سے موصوف ہونا بھی محال نہیں ہے ورنہ آنجناب کا اوصاف مذکورہ سے موصوف ہونا بھی محال ہوگا کیونکہ نفس مابیت کے لحاظ سے جو چیز ثابت کی جائے یا جس چیز کی نفی کی جائے اس میں دو مشلوں کا حکم ایک ہوتا ہے ورنہ لازم آئے گا کہ ان دونوں میں مابیت ہی مشترک نہ ہو، تو عدم مماثلت لازم آئے گی اور یہ خلاف مفروض ہے لہٰذا مثل مذکورہ کا وجود متنع بالذات نہ ہوگا (بلکہ ممکن بالذات ہوگا)

یہ دلیل جو شبہ کھلانے کی سعی ہے، وہم سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی، کیونکہ یہ تو مسلم ہے کہ چونکہ مابیت میں شرکت متنع نہیں اس لئے اس مماثل کا وجود بھی متنع نہیں ہے لیکن یہ مسلم نہیں ہے کہ نفس ذات کے اعتبار سے اوصاف مذکورہ سے متصف ہونا متنع نہیں ہے اس لئے اس مماثل کا وجود بھی متنع نہیں ہے کیونکہ مابیت ایک فرد کے ضمن میں جن اوصاف سے موصوف ہو یا اس کا موصوف ہونا ممکن ہو، ضروری نہیں کہ انہی اوصاف کے ساتھ مابیت کا دوسرے افراد کے ضمن میں متصف ہونا بھی ممکن ہو۔ مثلاً مابیت انسانہ نفس ذات کے اعتبار سے زید کے تشخص (وہ امور جو اسے دوسرے افراد سے ممتاز کریں) سے موصوف ہو سکتی ہے لیکن زید کے ضمن میں حالانکہ مابیت انسانہ کا اپنی ذات کے اعتبار سے عمر کے ضمن میں زید کے تشخص سے موصوف ہونا ممکن نہیں ہے ورنہ زید کا تشخص تشخص نہ رہے گا بلکہ بہت سے افراد میں قابل شریک بن جائے گا (اور یہ اس کے تشخص ہونے کے معنی ہے) دیکھئے! مابیت انسانہ کا عمر کے ضمن میں زید کے تشخص سے متصف ہونا متنع بالذات ہے اور زید کے ضمن میں ممکن بالذات ہے اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ زید اور عمر و مابیت انسانہ میں شریک ہی نہ ہوں، یہ قاعدہ کہ جو چیز نفس مابیت کے لحاظ سے ثابت کیا جائے یا جس چیز کی

نئی کی جائے، اس میں دو مشنوں کا ایک حکم ہوتا ہے، منطقیاً صحیح نہیں ہے، یہ کہنا بھی غلط ہے کہ ماہیت میں شرکت نہیں رہے گی اور مماثلت باقی نہیں رہے گی جیسے کہ ہم اس کی مثال پیش کر چکے ہیں (یہ کہنا کہ جن اوصاف کا ملہ سے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم منصف ہیں ان اوصاف سے آپ کے مائل مفروض کا منصف ہونا بھی ممکن ہے، غلط ہے کیونکہ خاتم النبیین وغیرہ اوصاف کا ملہ ناقابل شرکت ہیں خصوصاً صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ان اوصاف سے منصف ہوتے ہوئے کوئی دوسرا فرد ان اوصاف سے منصف نہیں ہو سکتا، شرف قادری)

اعتراض اگر یہ وہم پیدا ہو کہ ماہیت انسانیہ کا زید کے تشخص سے منصف ہونے کا امکان نفس ماہیت کے اعتبار سے نہیں ہے بلکہ (زید کی خصوصیت کے اعتبار سے ہے) اور ہماری گفتگو ان اوصاف میں ہے جن سے ماہیت نفس ذات کے اعتبار سے منصف ہونے کی خصوصیت کے اعتبار سے)

جواب زید کے تشخص سے یا تو ماہیت انسانیہ نفس ذات کے اعتبار سے موصوف ہوگی یا کسی زائد عارض کے ساتھ مل کر؟ دوسری صورت باطل ہے کیونکہ یہ زائد عارض تشخص سے پہلے عارض ہوگا یا بعد، اگر تشخص کے بعد عارض ہو تو تشخص کا مصداق اور اس کا موصوف نفس ماہیت ہوگی اور یہی مطلوب ہے اور اگر تشخص سے پہلے عارض ہو جائے تو دو حال سے خالی نہیں یا تو تشخص کے عارض ہونے سے ماہیت اس عارض کے لاحق ہونے سے تشخص ہو چکی ہے یا نہیں؟ پہلی صورت باطل ہے ماہیت کے لئے تشخص سے پہلے ایک تشخص لازم آئے گا، دوسری صورت میں ماہیت اس عارض کے لاحق ہونے کے باوجود کلی ہے اور قابل اشتراک، پس یہ کلی جو بنفسہ قابل اشتراک ہے اس کا زید کے تشخص سے موصوف ہونا ممکن ہے اور یہی مطلوب ہے۔

علاوہ انہی وجود اور تشخص لازم و ملزوم ہیں اور وجود سے پہلے کوئی خاص
لاحق نہیں ہو سکتا (لہذا تشخص سے پہلے بھی لائق نہیں ہو سکے گا، یہ مسئلہ فلسفہ سے تعلق
رکھتا ہے اور اپنی جگہ تفصیل و تحقیق سے مذکور ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ تشخص بذاتہ اشتراک کے منافی ہے اگرچہ اشتراک
دو فردوں کے درمیان ہی ہو، اسی طرح نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعض
مفخص کمالات دو فردوں میں اشتراک کو قبول نہیں کرتے مثلاً اگر ختم نبوت کو دو
فردوں میں مشترک فرض کیا جائے تو ایک شخص کا اس سے متصف ہونا مستلزم ہے
اس امر کو کہ دوسرا فرد اس سے متصف نہ ہو جیسے کہ اس سے پہلے بیان ہو چکا ہے
قائل مذکور حال وصف (کہ وہ قابل اشتراک بن نہیں) سے چشم پوشی کر کے اس وصف
سے نفس ماہیت کے اتصاف کے ممکن ہونے کو اشتراک کے ممکن ہونے کی
دلیل بنا تا ہے اور اس حقیقت کو مہجول جاتا ہے کہ یہ وصف دو فردوں میں مشترک
ہو ہی نہیں سکتا۔

نقلی دلیلیں درج ہیں : **فہم نس اسلام**

امکانِ نظیر کی پہلی نقلی دلیل اور اس کا جواب | اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

أَوَلَيْسَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ
يَقَادِرُ عَلَى أَنْ يَخْلُقَ مِثْلَهُمْ بَلَىٰ وَهُوَ الْخَلَّاقُ
الْعَلِيمُ إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَنْ يَقُولَ لَهُ
كُنْ فَيَكُونُ۔

مثلاً ہُنَّ کی منیہ جمع مذکر تمام انسانوں کی طرف راجع ہے کیونکہ آیت کہ میری
قیامت کے بیان میں واقع ہے لہذا جو قیامت میں زندہ ہوگا آیت مذکورہ کے تحت داخل

ہوگا اور ظاہر ہے کہ ہر فرد انسانی قیامت میں زندہ ہونے والا ہے لہذا آیت کریمہ کے مقتضا کے مطابق ہر فرد کا مثل قدرت الہی کے تحت داخل ہوگا، گویا دلیل کی ترتیب یوں ہوگی کہ : آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قیامت کے دن زندہ ہوں گے اور یہ ضروریات دین سے ہے اور جو شخص قیامت کے دن زندہ ہوگا، آیت کریمہ کے مطابق اس کا مثل قدرت الہی کے تحت داخل ہے لہذا نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مثل قدرت الہیہ کے تحت داخل ہوگا اور یہی مطلوب ہے۔

یہ عجیب استدلال ہے جو اگلے پچھلے تمام دلائل کی وقت خاک میں ملا رہا ہے، یہ اس آیت قرآنیہ کی تفسیر میں البتہ اس قائل کی تفسیر دینی کی علامت ضرور ہے۔

علامہ بضاوی فرماتے ہیں :

أَوَلَيْسَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ
مَعَ كِبَرٍ جَدِّهَا وَعَظَمِ شَانِهَا يَقَادِرُ عَلَى أَنْ
يَخْلُقَ مِثْلَهُمْ فِي الصَّغِيرِ وَالْحِقَاصَةِ بِإِضَافَةٍ
إِلَيْهِمَا أَوْ مِثْلَهُمْ فِي أَصُولِ الذَّاتِ وَصِفَاتِهَا
(استہلی)

”جس ذات کریمہ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا یا وجود ان کے جسم کی بڑائی اور شان کی عظمت کے، کیا وہ اس پر قادر نہیں کہ ان جیسے افراد پیدا کرے، جو زمین و آسمان کی نسبت بہت ہی چھوٹے ہوں یا اصول ذات اور صفات ذات میں ان جیسے ہوں“

کافر اور مشرک جہانی کے منکر کہتے تھے :

مَنْ يُسْحِي الْعِظَامَ وَهِيَ سَامِمٌ

”بوسیدہ ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا؟“

یہ آیت کریمہ، حشر جسمانی کے ان منکروں کا استبعاد دفع کرنے کے لئے ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ جس نے عظیم الشان اور بڑے بڑے جموں والے زمین و آسمان کو پیدا کیا، کیا وہ اس پر قادر نہیں ہے کہ ۱۰ انسانوں کے چھوٹے قد والے معمولی امثال کو پیدا کر دے یا ذات کے اصول و صفات میں ان کے مثل پیدا فرما دے؟ ہاں وہ اس پر قادر ہے، وہ پیدا کرنے والا، جاننے والا ہے، اس کی شان یہ ہے کہ وہ جب کسی شے کا ارادہ کرتا ہے، فرمانا ہے ہو، تو وہ پیدا ہو جاتی ہے۔

لہذا اس آیت کا مدلول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ابدان کو دوبارہ زندہ کرنے پر قادر ہے اور منکروں کے استبعاد کو دفع کرنا مقصود ہے اور اس جگہ مثل سے مراد وہ ہے جو اجزائے بدنہ اور بدن سے تعلق رکھنے والی صفات میں مماثل ہو یا کوتاہ قامت اور معمولی ہونے میں مثل ہو نہ کہ تمام کمالات میں مماثل ہو کیونکہ حشر جسمانی اور عادۃ ابدان سے، تمام کمالات میں مماثل کا ذکر کسی طرح تعلق اور مناسبت نہیں رکھتا، پس اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اجزائے بدنہ اور ان سے تعلق رکھنے والے امور یا حجم و مقدار میں ہر فرد انسانی کا مثل قدرت الہی کے تحت داخل ہے، ایسے مقامات میں لفظ مثل سے تمام کمالات میں مساوی کا سمجھنا علماء کی شان سے بعید ہے، آیت قرآنی کی یہ تفسیر (جو قابل مذکور نے کی ہے) بیان و معانی کے اس عالم بیگانہ کی تفسیر دانی کی دلیل ہے، تمام کمالات میں حضور سید العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے مساوی کے ممکن ہونے کی دلیل نہیں ہے۔

مقام تعجب ہے کہ اس قائل نے اس آیت میں واقع لفظ مثل سے تمام کمالات میں مساوی سمجھ کر دلیل قائم کرنے میں تکلف سے کام لیا ہے، آسان یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد **هَلْ اِشْمَا اَنَا بِشَرٍّ مِّثْلُكُمْ** سے استدلال کرتا، یہ آیت

خضر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے امثال کے امکان کیا بلکہ وقوع پر دلالت کرتی ہے اور لفظ مثل اس آیت میں بھی واقع ہے اور لفظ مثل کا معنی متبادر اس قائل کے ذہن میں وہی ہے جس کے ثابت کرنے کے وہ درپے ہے، کچھ نہیں اور بد اعتقادی سے خدا کی پناہ اور اسی سے ہدایت اور راستی کی توفیق ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں متعدد جگہ دوسری نقلی دلیل اور اس کا رد مخلوقات کے موجود ہونے سے ان کے امثال پر اپنی قدرت کے محیط ہونے پر استدلال فرمایا ہے جیسے کہ بہت سی آیات میں زمین کے زندہ کرنے، بارش نازل کرنے سے مردوں کے زندہ کرنے پر استدلال فرمایا ہے، مثلاً ارشاد فرمایا :

وَهُوَ الَّذِي أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَنْشَأْنَا
بِهِ بَلَدَةً مَّيِّتَةً ۚ كَذَلِكَ تُخْرَجُونَ۔

باپ کے بغیر حضرت آدم علیہ السلام کے پیدا کرنے سے باپ کے بغیر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیدا کرنے کے امکان پر استدلال فرمایا :
إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِنْدَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ خَلَقَهُ
مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ۔

حاصل یہ کہ استدلال کا یہ انداز قرآن پاک میں عام ہے بنابرین نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وجود خود دلیل ہوگا اس امر پر کہ آپ کا مثل پیدا کرنا قدرت الہی کے لئے ممکن ہے گویا اس صورت میں دلیل کی ترتیب یہ ہوگی کہ اگر نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وجود قدرت الہی کے تحت داخل ہے تو آپ کے مثل کا وجود بھی قدرت الہی کے تحت داخل ہوگا لیکن وجود نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قدرت الہی کے تحت داخل ہے لہذا آپ کے مثل کا وجود بھی قدرت الہی کے تحت داخل ہوگا کیونکہ قرآن پاک کے ارشاد کے مطابق قدرت کے تحت

داخل ہونے یا داخل نہ ہونے میں دو مشکلوں کا حکم ایک ہوتا ہے۔

یہ شبہ بھی دہم سے زیادہ نہیں ہے کیونکہ اوصاف دو قسم ہیں :

جواب

(۱) جن کا اشتراک دو چیزوں کے درمیان ممکن ہو اور وہ اشتراک سے مانع نہ ہوں، مثلاً باپ کے بغیر پیدا ہونا کہ دو فردوں میں مشترک ہونے سے مانع نہیں ہے حضرت آدم علیہ السلام کا اس وصف سے موصوف ہونا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اس وصف سے موصوف ہونے کے منافی نہیں ہے کیونکہ بغیر باپ کے ایک شخص کے پیدا ہونے سے لازم نہیں آتا کہ دوسرے شخص کا اتصاف اس وصف سے منتفی ہو جائے، اسی طرح زمین کے قابل زندگی ہونے سے لازم نہیں آتا کہ مردوں کا اس سے اتصاف منتفی ہو جائے۔

(۲) جن کا اشتراک دو چیزوں میں ممکن نہ ہو مثلاً تمام انبیاء کا خاتم ہونا کہ ایک شخص کا اس صفت سے متصف ہونا اس بات کو مستلزم ہے کہ دوسرا فرد اس سے متصف نہ ہو (یعنی ایک شخص خاتم الانبیاء ہو تو دوسرا خاتم الانبیاء نہیں رہے گا)

پس اگر کوئی چیز ایک وصف سے موصوف ہو اور وہ وصف قسم اول سے ہو تو اس چیز کا وجود اس کے شل کے ممکن ہونے کی دلیل ہو سکتا ہے اور یہی قرآن پاک کا مطلب ہے اور اگر وہ وصف قسم ثانی سے ہو تو اس کے موصوف کا وجود، اس وصف میں مماثل کے وجود کے ممکن ہونے پر دلیل نہیں ہو سکتا، کیونکہ اس شخص کا اس وصف سے موصوف ہونا دلالت کرتا ہے کہ اس وصف میں اس کا شریک ممتنع الوجود ہے ورنہ وہ وصف ممکن الاشتراک ہو جائے گا اور یہ خلاف مفروض ہے۔

حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے موجود ہوتے ہوئے تمام کمالات میں آپ کے برابر کے ممکن ہونے پر اس قائل کا استدلال اس صورت میں قابل توجہ ہو سکتا تھا کہ یہ قائل پہلے ثابت کرتا کہ حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات ستودہ صفات کے تمام

ادوات کا ملقم اول سے ہیں اور ممکن الا شتر اک میں اور یہی اس سلسلہ کی بنیاد ہے
حق آگیا اور باطل چلا گیا بے شک باطل جانے والا ہے ۔

اس جگہ ایک امر باقی ہے جس کا اظہار ضروری ہے کہ یہ قائل عوام
ایک اور شبہ کا لانا ہم کو اس سے غافل پاکر حیلہ سازی سے ان پیچاروں کو
دام فریب میں پھنسا دیتا ہے اور وہ یہ ہے کہ تمام کمالات میں حضور صلی اللہ تعالیٰ
علیہ وسلم کے مساوی کے متمتع ذاتی ہونے سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا واجب
بالذات ہونا لازم آتا ہے ۔

یہ فریب نظر سے زیادہ کچھ نہیں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مساوی
جواب کے متمتع ذاتی ہونے سے آپ کا وجوب ذاتی لازم نہیں آتا، ہاں شے کی
نفیض متمتع ذاتی ہو تو لازماً وہ شے واجب بالذات ہوگی لیکن شے کا مساوی فی کمالات
کہاں اور اس کی نفیض کہاں، نیز کمالات میں بے نظیر و بے مثال ہونا وجوب ذاتی کا ثبوت
نہیں ہے، وجوب ذاتی کا خاصہ یہ ہے کہ حقیقت میں شرکت متصور نہ ہو کیونکہ وجوب
ذاتی کا مصداق حقیقت احدیہ سیطرہ بذاتہ تشخص ہے جو قابل اشتراک ہی نہیں ہے ۔
بعض رسائل میں اس قائل کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ کمالات میں نبی
اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مساوی کے متمتع ذاتی ہونے کا قول ایسا ہے کہ موحّدین کی شان
سے بعید ہے اور اس کے سننے سے موحّدین کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اگر یہ جہات
نہیں تو پھر کیا ہے ؟

اسی طرح اس قائل نے بعض رسائل میں یہ بھی کہا ہے کہ یہ کلام یعنی وہ بے فائدہ

لے یعنی نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مساوی متمتع بالذات تھی ہو گا جبکہ آپ واجب بالذات ہونگے اور اگر آپ ممکن بالذات ہوں
تو آپ کا مساوی بھی ممکن بالذات ہو گا ۔ پیشہ بشر الدین قزوینی نے بھی کشف المہجہ میں پیش کیا ہے ۱۲ شرف قادری

گفتگو (امکانِ نظیر کا قول) حضور سید الاولین و الآخرین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شانِ
 بندگی کا اظہار ہے، یہ بھی بے معنی گفتگو اور خیالِ باطل ہے کیونکہ تمام کمالات میں
 حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مساوی کے ممتنع ذاتی ہونے کا قول آپ کے
 مخلوقِ خداوندی اور اس کا بندہ مکرم ہونے کے منافی نہیں ہے لیکن جاہلوں کو فریب
 دینے کے لئے حید تراشی کا رآمد ہے لہذا حید سازی اور صدق و اخلاص کی آبرو لٹانے
 پر مجبور ہے، اللہ تعالیٰ سچی فرماتا ہے اور وہی سیدھے راستے کی ہدایت دیتا ہے۔



مقام ثالث

اس امر کے بیان میں کہ یہ گمراہانہ اور گمراہ کن کلام اس ذات کریم کی توہین و تنقیص پر مشتمل ہے جن کی تعظیم فرض ہے اور جو بارگاہ الہی کے مقربین کے سردار ہیں، صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیہ وسلم۔

جاننا چاہیے کہ کسی کلام کا کسی کی توہین و تنقیص پر مشتمل ہونا اس کے صادق یا کاذب ہونے سے متعلق نہیں ہے، بسا اوقات کلام صادق تحقیر برادر کلام کاذب تعظیم و توقیر پر مشتمل ہوتا ہے، اسی طرح کلام کا کسی کی توہین و تنقیص پر دلالت کرنا اس سے متعلق نہیں ہے کہ کلام سے مضمون کے واقع ہونے پر صراحت یا اشارۃ دلالت کا پتہ چلے بلکہ ایک عبارت نقصان کے حال کے مطابق کبھی تعظیم پر دلالت کرتی ہے اور کبھی تحقیر و تذلیل پر، مثلاً جب کہا جائے کہ ”فلاں ایک انسان ہے“ اگر مقتضائے حال کے مطابق کلام کا سیاق و سباق تعظیم و توقیر کے مناسب ہو تو یہ کلام کمال تعظیم و تکریم پر دلالت کرے گا اور اس معنی پر دلالت کرے گا کہ فلاں شخص نوع انسان میں یکانہ زماں اور اپنے امثال میں منفرد ہے اور اگر حالی یا بعضی قرینہ اس شخص کی اہانت کا مقتضی ہو تو یہی کلام اس شخص کی تنقیص نشان پر دلالت کرے گا، اس کلام کا مطلب ہوگا کہ فلاں شخص عام انسان ہے جس کی کوئی وقعت نہیں۔

اسی طرح اگر کہا جائے کہ اگر فلاں خنزیر ہوتا تو نجاستیں کھاتا، یقیناً کلام اس شخص کی تحقیر پر دلالت کرے گا، اگرچہ یہ جملہ شرط یہ ہے اور اس کی شرط کا واقع ہونا

مزدوری نہیں ہے اور اگر کہا جائے کہ اگر فلاں شخص ہوتا تو ملائکہ مقربین کی طری میں ہوتا، یہ کلام اس شخص کی عظمت نشان پر دلالت کرے گا اگرچہ اس کا مقدم (پہلا جز) ممکن الوقوع نہیں ہے۔

جس طرح مقتضائے حال کے اعتبار سے توہین یا تعظیم پر دلالت کرنے میں کلام مختلف ہوتا ہے اسی طرح حالِ قائل کے مختلف ہونے سے کلام اس دلالت میں اختلاف پذیر ہوتا ہے مثلاً اگر کوئی بلند مرتبہ سردار کہے کہ میں ناچیز انسان ہوں، اس کی زبان سے یہ کلام کم مایہ ہونے پر دلالت نہیں کرتا بلکہ اس کا یہ کلام کمالِ تواضع پر دلالت کرتا ہے جو قابلِ تعریف و توصیف ہے، اور اگر کوئی کمینڈا ایسے سردار کے بارے میں کہے کہ وہ ناچیز انسان ہے، یہ گراں گراں اس ردِ ذیل کی زبان سے، اس معزز سردار کے لئے انتہائی تحقیر اور تذلیل ہے، اسی طرح اگر بادشاہ اپنے دربار کے انتہائی مقرب اور مکرم وزیرِ اعظم کو اپنی قدرت اور سلطنت کے اظہار کے لئے کہے کہ اگر میں چاہوں تو تم سے وزارت چھین لوں، رعایا کے کسی معمولی آدمی کو متعارف منصب پر فائز کر دوں اور تمہیں حبس بھیج دوں یا تمہیں تختہ دار پر لٹکا دوں، بادشاہ کی زبان سے یہ کلام وزیر کی شان کی تحقیف نہیں ہے اور اگر کوئی معمولی سا سپاہی کہے کہ اگر بادشاہ چاہے تو تم سے وزارت چھین لے، رعایا کے کسی معمولی انسان کو تمہارے مقام پر فائز کر دے اور تمہیں جیل بھیج دے یا پھانسی چڑھا دے، اس کلام میں قابلِ تحکیم وزیر کی انتہائی تذلیل ہے اور اس کا منکر بادشاہ کی عادلانہ رائے میں وزیر کی توہین کے نتیجے میں سخت سزا کا مستحق ہو گا کیونکہ اس عام سے سپاہی کا یہ مقام نہیں ہے کہ لائقِ تعظیم، بلند مرتبہ وزیر کے بارے میں ایسا کلام زبان پر لانا بلکہ اس کی حیثیت بھی نہیں ہے کہ تعظیمی کلمات ملائے بغیر وزیر کا نام لے، اربابِ عقل کو سمجھانے کے سلسلے میں مزید طوالت کی ضرورت نہیں ہے، مثلاً اللہ تعالیٰ کا ارشاد :

قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ

”اے حبیبِ اتم فرما دو کہ میں ظاہراً تمہاری طرح انسان ہوں۔“

حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تَخْفِيفِ شان پر مثل نہیں ہے، انبیاء و مرسلین کی دعوت کے جواب میں زمانہ ماضی کے کافروں کا یہ کہنا :

مَا أَنْتُمْ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا

”تم نہیں ہو مگر ہم جیسے انسان“

بلاشبہ ان حضرات علیہم السلام کی تنقیصِ شان پر مثل ہے۔

پس اگر آیاتِ قرآنیہ جو اللہ تعالیٰ کے کلامِ نفسی کی ترجمان ہیں، ایسے امور پر قدرتِ الہیہ کے شامل ہونے پر دلالت کرتی ہیں جن کا عدم وقوع، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں اسبابِ خارجیہ پر نظر کرتے ہوئے قطعی اور یقینی ہے مثلاً اللہ تعالیٰ کا ارشاد :

لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ

”اگر دبا فرض (تم) نے شرک کیا تو تمہارے عمل ساقط ہو جائیں گے۔“

وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِي

اور

أَوْ حِينَا إِلَيْكَ

”اور اگر ہم چاہتے تو یہ وحی جو ہم نے تمہاری طرف نازل

کی اسے لے جاتے۔“

وَلَوْلَا أَنْ تَبَتُّنَا لَقَدْ تَرَكْنَا الْيَوْمَ

اور

شَيْئًا قَلِيلًا إِذَا دَقُّنَا صِغْفَ الْحَيَوَةِ

وَصِغْفَ الْعَمَاتِ۔

”اور اگر ہم تمہیں ثابت قدمی نہ دیتے تو قریب تھا کہ تم انکی

طرف کچھ تھوڑا سا جھکتے اور ایسا ہوتا تو ہم تم کو دو فی عمر اور دو چہرہ موت

کا مزہ دیتے۔“

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تخفیف و تنقیص پر دلالت نہیں کرتا، مگر کسی امتی کا یہ مقام نہیں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں ایسے کلمات کہے جو ان آیات کریمہ کا مفہوم ادا کرتے ہوں کیونکہ مخلوق کی زبان سے ایسے کلمات اللہ تعالیٰ کے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تنقیصِ شان پر مشتمل ہیں۔

جب یہ معلوم ہو چکا ہے کہ متکلم کے مختلف ہونے سے تنقیص پر دلالت کرنے یا نہ کرنے میں کلام کا حال مختلف ہوتا ہے تو کسی شخص کو یہ گمان نہ کرنا چاہیے کہ اگر حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں ایسے کلمات کا زبان پر لانا تخفیف و تنقیص پر مشتمل ہو تو ایسے کلمات پر مثل آیات قرآنہ کی تلاوت اور ان کی تفسیر شرعاً جائز نہ ہوگی (یہ گمان اس لئے غلط ہے کہ تلاوت اور تفسیر اللہ تعالیٰ کے کلام کی ہے، بندہ اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتا) ہاں یہ پروہی گنہہ کرنے کے لئے اس قسم کی آیات کو جمع کرنا کہ سب کا سات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں اس قسم کے کلمات قرآن پاک میں واقع ہیں تاکہ جہلاد اور عوام ان آیات کو دلیل بنا کر حضور سرورِ موجودات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں ایسے کلمات کے استعمال کا جواز معلوم کریں اور ان آیات کی بنیاد پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تخفیفِ شان میں بیباک ہو جائیں اور اس بے ادبی کی بدولت تباہی اور ہلاکت کے مستحق ٹھہریں حضور اشرف الارشاد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں انتہائی بے ادبی پر مشتمل ہے اور عوام اور جہلاد کی زبانوں پر امر قبیح کی اشاعت ہے، نعوذ باللہ تعالیٰ من ذلک۔ یہ بھی جاننا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی تعریف و ثنا میں ایسا کلام کرنا ناجائز ہے جس میں کسی طرح بھی اللہ تعالیٰ یا کسی نبی اور رسول یا کسی ولی اور فرشتے کی تخفیف

شان پائی جاتی ہو، خواہ وہ کلام صادق ہو یا کاذب، مثلاً اگر کوئی شخص کہے کہ اللہ تعالیٰ ایسا بے نیاز ہے کہ ملائکہ اور شیاطین اس کی شان کی نسبت سے برابر ہیں یا کوئی شخص کہے کہ تمام اولین و آخرین اللہ تعالیٰ کی شان کے آگے چہارہ سے زیادہ ذلیل ہیں (جیسے کہ تقویۃ الایمان میں ہے) یہ قائل ملائکہ اور اولین و آخرین کی توہین کا مرتکب ہوا ہے اور یہ ناجائز ہے، اس کلام کا اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء پر مشتمل ہونا اسے ممنوع اور خلاف شرع توہین سے خارج نہیں کر سکتا۔

اسی لئے فقہا فرماتے ہیں ”خالق البقۃ و الخنزیر“ اللہ تعالیٰ کی حمد کے لائق نہیں ہے حالانکہ یقینی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی چیز کو پیدا نہیں کر سکتا، نفیس اشیا کے پہلو میں حقیر اشیا کا ذکر، اگرچہ نفی کے ضمن میں ہو، نفیس اشیا کی تخفیف پر مشتمل ہے، مثلاً اگر کوئی شخص بادشاہ کی تعریف کرتے ہوئے کہے کہ بادشاہ بھکاری نہیں ہے یا کہے کہ بادشاہ چہاروں سے بہتر ہے، یہ کلام بھی بادشاہ کی تخفیفِ شان پر مشتمل ہے۔

جس طرح غرضِ مقصود کے لئے کلام کے چلانے سے توہین پر دلالت ہوتی ہے اسی طرح مضمونِ کلام پر مرتب ہونے والے اثرات سے بھی توہین ہوتی ہے اور اس کلام میں پوشیدہ ہوتی ہے اگرچہ نظر ظاہر میں وہ آثارِ مقصود نہ ہوں مثلاً اگر بادشاہ کا کوئی نوکر کہے کہ بادشاہ کے دربار میں فلاں وزیر کی گفتگو فائدہ یا نقصان کا سبب نہیں ہو سکتی،

یہ کلام دو طرحِ شانِ وزیر کی توہین پر مشتمل ہے :

(۱) بادشاہ کے سامنے اس وزیر کا کوئی مقام نہیں ہے اس لئے اس کی بات کوئی وقعت نہیں رکھتی۔

(۲) وزیر کی تعظیم و تکریم کوئی ضروری نہیں کیونکہ وہ نہ کسی کو نفع دے سکتا ہے

نقصان، اس کی پروا کیوں کی جائے اور کسی کو فائدہ دینے یا ضرر دور کرنے میں اس کا کسی پر احسان نہیں ہے، اس کا شکر یہ کیوں ادا کیا جائے؟ یہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ کسی کی توہین چند طرح ہوتی ہے :

(۱) کسی کی توہین عمدہ اور ارادۃ کی جائے،

(۲) کسی کی توہین غلطی سے، زبان کی لغزش یا زبان کی کسالت کی بنا پر یا نادانستگی

میں، کہ قائل کو جہالت کے سبب خبر ہی نہیں کہ میرا کلام توہین پر دلالت کرتا ہے چنانچہ کسی ظریف نے ایک عام آدمی کو سکھا دیا کہ سادہ لوح، دانا کو کہتے ہیں، اس بیچارے نے یہ لفظ کسی بادشاہ کی خوشامد میں کہہ دیا اور اس لفظ کے کہنے پر سزا پائی۔

اس تمہید کے بعد سنئے کہ اس قائل کا بے فائدہ کلام حضور سیدنا و مولانا سید الاولین والآخرین، دیگر انبیاء و مرسلین، ملائکہ مقربین اور اولیاء عارفین صلوات اللہ تعالیٰ علی سیدنا و علیہم اجمعین کی انتہائی توہین و تنقیصِ شان پر مشتمل ہے اور اس قائل نے ان حضرات کی توہین و تنقیص کا از نکاب قصداً کیا ہے اور توہین کی بدترین وجوہ میں گرفتار ہوا ہے۔

اس کلام سے دل تا آخر قائل کا مقصد یہ ہے کہ انبیاء، اولیاء، ملائکہ پہلی وجہ اور مشائخ میں سے کسی کی شفاعت، آگ کے عذاب اور برے کردار کی سزا سے کسی گنہگار کی نجات کا سبب نہیں ہو سکتی اور وہ جو بہت سے لوگوں کا عقیدہ ہے کہ ان حضرات کی شفاعت، نجات اور گناہوں کی مغفرت کا سبب ہے، ان کی غلط فہمی ہے، اللہ خود رحم فرما کر او معافی دے کر اپنے آئینِ سلطنت کی مخالفت کسی کو بجائے نام شفیع بنا دے گا، کسی کی شفاعت، اللہ تعالیٰ کے رحم اور بخشش کا سبب ہو گز نہ ہوگی۔

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور دیگر ممدوح حضرات کی تنقیصِ شان اور توہین ہے کیونکہ قرآن پاک احادیث سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ائمہ دین کے اجماع سے ثابت ہے کہ ان حضرات کی شفاعت عموماً اور سید الاولین والاخرین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خصوصاً اللہ تعالیٰ کے رحم اور بخشش کا سبب اور عذابِ نار سے ہر گناہگاروں کی نجات کا ذریعہ ہے، اور ان کی دعائیں گناہ کبیرہ سے ترکیب افراد کے حق میں مقبول اور عذاب سے نجات کا سامان ہیں، اس حقیقت کا انکار بارگاہِ الہی میں ان حضرات کی قدرومنزلت کی تنقیص اور دربارِ ایزدی میں ان کے مراتب کی تخفیف ہے کیونکہ اس سے پہلے گزر چکا ہے کہ بارگاہِ الہی میں ان حضرات کی قدرومنزلت، گناہگاروں کی نجات کے لئے ان کی شفاعت کی مقبولیت کا سبب ہے پس گناہگاروں کی نجات کے لئے ان کی شفاعت کے دخل اور سبب ہونے کا انکار، بارگاہِ الہی میں ان کی عزت و کرامت کا انکار ہے، اگر تنقیصِ شان نہیں تو اور کیا ہے؟

جب اس قائل کا مقصد یہ ہو گیا تو اب یہ ذہن میں رکھتے ہوئے دوسری وجہ کہ اس کا کلام اسی مقصد کے لئے تیار کیا گیا ہے۔

جاننا چاہئے کہ اس مقصد کو مسلمانوں کے دل و دماغ میں راسخ کرنے کا تقاضا یہ ہے کہ اہل اسلام جن حضرات کو بارگاہِ الہی میں جرم و گناہ کی شفاعت کرنے والے سمجھتے ہیں اور انہیں حاجت روائی اور گناہوں کی سزا سے نجات کا وسیلہ اور شفیع کہتے ہیں، مسلمانوں کے دلوں سے ان کی وجاہت، عزت، محبوبیت اور مقبولیت ختم کر کے ان کی محبت و تعظیم اور بارگاہِ الہی میں مسلمانوں کے لئے ان کی دعا و شفاعت کی قبولیت اور ان کے مرتبہ و مقام میں فرق ڈالا جائے اور کم کیا جائے اور انہیں باوجود کرایا جائے کہ وہ عزت و محبوبیت جو قبول شفاعت کا سبب ہوتی ہے، بارگاہِ الہی

میں کسی کو حاصل نہیں حتیٰ کہ ان کی شفاعت کی امید رکھی جائے۔

یہ بھی مقصد ہے کہ شفاعت و جاہلیت کی نفی میں ایسے کلمات کہے جائیں جو عزت و جاہلیت کی نفی پر دلالت کریں مثلاً کہا جائے کہ :

”اس شہنشاہ کی تو یہ شان ہے کہ ایک آن میں ایک حکم کن سے چلبے تو کروڑوں نبی اور ولی اور جن اور فرشتہ جبریل اور محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے برابر پیدا کر ڈالے“

(تقویۃ الایمان)

اور یہ کہا جائے کہ :

”اور جو سب لوگ پہلے اور پچھلے اور آدمی اور جن (یہ تعمیم تمام کافروں، مشرکوں، اشقیار اور شیاطین کو شامل ہے) جبریل اور پیغمبر ہی سے ہو جائیں تو اس مالک الملک کی عظمت میں ان کے سبب کچھ رونق بڑھنے جائے گی اور جو سب (یہ تعمیم تمام انبیاء و مرسلین، سیدالاولین والآخرین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، تمام ملائکہ مقربین، شہداء و صالحین اور صالحین کو شامل ہے) شیطان اور وہال ہی سے ہو جائیں تو اس کی کچھ رونق گھٹنے کی نہیں“

(تقویۃ الایمان)

اس کلام کی غرض و نیت یہ ہے کہ حضور سید الانبیاء والمرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی انبیاء کرام، رسولان عظام، ملائکہ مقربین اور اولیائے کرام کی تنقیص شان کی جائے اور ان کی عظمت و اہمیت کو کم کیا جائے، اگر یہ مقصد اس عبارت میں مضمر اور قائل کے دل میں پوشیدہ نہیں ہے تو یہ کلام لغو ہو جائے گا اور اس کا مقصود برباد ہو جائے گا۔ اب منکشف ہوا کہ شفاعت و جاہلیت کی نفی کرتے ہوئے

اس کلام کے لانے کا باعث یہی تھا ورنہ صرف یہ کہہ دینے سے مقصد پورا ہو جاتا کہ کسی
 کو سلطنتِ ایزدی کے کارخانوں میں دخل نہیں ہے ورنہ ہم اس سے پہلے بتا چکے
 ہیں کہ یہ کلام مقصد کے ساتھ واضح تعلق اور مناسبت نہیں رکھتا۔

اس کلام کا سیاق و سباق عرفِ عام کے مطابق حضور سید کائنات
 تیسری وجہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تخفیفِ شان اور تنقیص پر دلالت کرتا ہے
 مثلاً ایک جماعت کسی صاحبِ اقتدار بادشاہ کے وزیر کے بارے میں یہ عقیدہ رکھتی ہے
 کہ اسے نوازشِ خسر و اندہ کی بدولت وہ عزت و کرامت حاصل ہے کہ وہ تمام معزز افراد
 میں امتیازی مقام رکھتا ہے، ایک شخص چاہتا ہے کہ اس وزیر کے بارے میں اس جماعت
 کا عقیدہ مخدوش کر دے اور کہتا ہے کہ بادشاہ کی یہ شان ہے کہ چاہے تو کروڑوں انسانوں
 کو ایک آن میں وزیر کے برابر بنا دے، بلاشبہ یہ کلام اس عالی مقام وزیر کی تنقیص
 پر دلالت کرتا ہے۔

اسی طرح اگر کسی جماعت کا عقیدہ ہے کہ فلاں عالم پوری دنیا میں بے نظیر اور
 یگانہ عصر ہے، ایسے علم و فضل والا بہت کم کوئی موجود ہو گا اور اس کے ہم مرتبہ کا پیدا ہونا
 بعید ہے، کوئی شخص کہتا ہے کہ :

”خدا چاہے تو ایک آن میں کروڑوں عالم اس کے برابر پیدا کر ڈالے“

یقیناً یہ اندازِ کلام اس عالم کا مرتبہ گھٹانے پر دلالت کرتا ہے، اگرچہ یہ بات سچ ہے لیکن
 اس کی سچائی تنقیص پر دلالت کرنے کے منافی نہیں ہے، جو شخص اس کلام کے استخفاف
 شان پر دلالت کرنے کا انکار کرتا ہے، تین حال سے خالی نہیں ہے :

(۱) یا تو زبان نہیں سمجھتا اور اندازِ کلام سے ناواقف ہے ،

(۲) یا بیچارہ تنقیص و توہین کا معنی ہی نہیں جانتا ،

(۳) یا بھڑک دھرم ہے کہ بدہیات کے انکار میں کوئی حرج محسوس نہیں کرتا۔

کلام کے مضمون اور اس کے حاصل مقصد پر ایک اثر مرتب ہو رہا ہے جو
 پختہ و جہ سیدان بنیاد و دیگر انبیاء اور اولیاء کی توہین اور ان کی شان سے بے اعتنائی
 کی طرف لے جاتا ہے اور وہ یہ ہے کہ جب کسی شخص کے ذہن میں یہ بات بلیڈ جائے کہ
 ان حضرات میں سے کوئی بھی نہ تو مجھے فائدہ دے نہ نکتہ ہے اور نہ نقصان پہنچا سکتا ہے
 تو وہ ضرور سوچے گا کہ ان سے محبت کیوں کی جائے؟ ان کی تعظیم و توقیر کیوں کی جائے؟
 ان کے آداب کی رعایت کیوں کی جائے؟ ان کے آثار کا احترام کیوں کیا جائے؟ ان
 کا میری گردن پر کونسا حق ہے جسے ان کی تعظیم کے ذریعے ادا کروں؟ ان کا میری جان
 پر کونسا احسان ہے کہ ان کی تنکیم سے اس کا شکر بجالاؤں؟ ان سے کونسی توقع اور
 کونسی امید ہے کہ میں ان سے عقیدت رکھوں؟ اس کلام نامتام کے مفاد پر اعتقاد
 رکھنے سے بہت سی بے باکیاں اور لاپرواہیاں پیدا ہونگی اور یہ اعتقاد خسارے
 کے اختیار کا سبب بنیگا اور بے ادبیوں اور لاپرواہیوں کا راستہ کھول دیگا۔
 اس کا یہ کہنا :

پانچویں وجہ "اوپر شہنشاہ کی توہین شان ہے کہ ایک ان میں ایک
 کلمہ کن سے چاہے تو کوڑوں نبی اور ولی اور جن اور فرشتہ بھر لی
 اور محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے برابر پیدا کر ڈالے"
 (آفتویۃ الامیان)

تخفیف شان پر مشتمل ہے کیونکہ مقام ثانی میں مذکور ہو چکا ہے کہ اس کلام کا مطلب
 یہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے برابر کوڑوں افراد سے تکوین (ایجاد) کا
 تعلق صحیح ہے کیونکہ حکم کن کا تعلق اسی شے سے ہو گا جس سے تکوین کا تعلق صحیح ہو،
 اس مطلب میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تقیص، شان ظاہر و باہر ہے جو ہم
 مخلوق، تمام کمکات اور جمیع ان افراد سے افضل و اعلیٰ ہیں جن سے تنکیم کا تعلق

ہو سکتا ہے، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے برابر سے تکوین کے تعلق کا صحیح ہونا اس
افضلیت کے منافی ہے جو آپ کو ان تمام افراد پر حاصل ہے جن سے تکوین کا تعلق ہو سکتا
ہے، یہ منافات محتاج بیان نہیں ہے۔

سینکڑوں، ہزاروں، لاکھوں، کروڑوں اور اس جیسے الفاظ کا کسی شے
چھٹی وجہ کی نظیر کے لئے استعمال اس شے کی تحقیر پر دلالت کرتا ہے، شے کے
امثال و نظائر جتنے زیادہ ہوں گے تحقیر اتنی ہی زیادہ ہوگی کیونکہ خوبی میں شے کی نظیر
کا ممتنع یا معدوم یا نادر ہونا اس شے کی عظمت اور جلالت شان پر دلالت کرتا ہے
اور کسی شے کی نظیر کا ممکن ہونا یا موجود ہونا یا بالقہ یا بالفعل بکثرت ہونا اس شے کی تقدیر
اور ارزانی پر دلالت کرتا ہے، نظیر کی کثرت کے مراتب کے مختلف ہونے سے بے قدری
کے مراتب بھی مختلف ہوں گے۔

پس جو کلام شے کی نظیر کے ممتنع ہونے یا معدوم ہونے یا نادر ہونے پر
دلالت کرے گا وہ درجہ بدرجہ اس شے کے اعزاز اور توقیر کے مراتب مختلفہ پر دلالت
کرے گا یعنی جو کلام نظیر کے ممتنع ہونے پر دلالت کرے وہ توقیر کے اعلیٰ مرتبے میں ہے
اس کے بعد وہ کلام جو نظیر کے معدوم ہونے پر دلالت کرے پھر وہ کلام کہ اس کے نادر
ہونے پر دلالت کرے اور جو کلام کہ وجود نظیر کے صحیح ہونے یا موجود ہونے یا بکثرت
ہونے پر دلالت کرے وہ اس شے کے استخفاف اور ارزانی کے مختلف مراتب پر
دلالت کرے گا، نظیر کی جتنی کثرت ہوگی اتنی ہی تخفیف ہوگی، مثلاً اگر کہا جائے کہ دو سو
افراد زید کی نظیر ہو سکتے ہیں اس میں تخفیف کم ہوگی نسبت اس کے کہ سینکڑوں افراد
زید کی نظیر ہو سکتے ہیں، سینکڑوں کے لفظ میں ہزاروں کی نسبت اور ہزاروں کے
لفظ میں لاکھوں کی نسبت اور لاکھوں کے لفظ میں کروڑوں کے اعتبار سے کم تخفیف
سمجھی جاتی ہے۔

اس قائل نے اپنی سرشت کے مطابق کروڑوں کا لفظ حواریوں کی زبان میں استعمال ہونے والے اعداد میں بہت بڑا عدد ہے، استعمال کیا ہے تاکہ روزِ محشر مقبول شفاعت کرنے والے تمام انسانوں کے سردار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیادہ سے زیادہ تخفیفِ شان کرے اور زیادہ سے زیادہ جہاد کو کفر اور گمراہی میں ڈالے۔

قائل مذکور نے حضور سید الانام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جن کی تعظیم ساتویں وجہ فرض ہے، کا نام پاک کمال بے باکی سے ذکر کیا ہے کہ اس کے ساتھ کوئی تعظیم و تکریم کا کلمہ اور صلوٰۃ و سلام نہیں لایا، ہاں! اس کی کلام کی غرض کے مناسب ہی تھا۔

اس بے باکی کو افضل الصدیقین، خیر البشر بعد الانبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ارشاد پر قیاس نہیں کیا جاسکتا، انہوں نے حضور سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال کے بعد خطبہ دیتے ہوئے فرمایا :

مَنْ كَانَ يَعْبُدُ مُحَمَّدًا فَإِنَّ مُحَمَّدًا
قَدْ مَاتَ وَمَنْ كَانَ يَعْبُدُ اللَّهَ فَإِنَّ اللَّهَ
حَيٌّ لَا يَمُوتُ۔

”جو شخص حضور کی عبادت کرتا تھا (وہ جان بے) کہ حضور صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلم وصال فرما چکے ہیں اور جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا تھا تو بے شک اللہ تعالیٰ زندہ ہے جسے کبھی موت نہیں آئے گی۔“

اس قول پر قیاس اس لئے درست نہیں کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قرآن کریم سے اقتباس کیا تھا، یعنی اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد :

وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ

السُّؤْلُ أَفَاضَنَ مَاتَ أَوْ قَتَلَ انْقَلَبْتُمْ عَلَى
 أَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَنْقَلِبْ عَلَى عَقْبَيْهِ فَلَنْ يَضُرَّ
 اللَّهَ شَيْئًا۔

اگر نام پاک کو تعظیم و توقیر کے کلمہ یا صلوة و سلام کے ساتھ لائے تو اقتباس
 فوت ہو جاتا اور ان کے کلام کا مقصد فوت ہو جاتا، ان کا مقصد غمگین اور پریشان حال صحابہ
 کو تسلی دینا تھا، ان میں سے بعض تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال ہی کا انکار کرتے
 تھے کیونکہ ایسے مقام اور عام پریشانی کی جگہ میں حضور سید الانام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
 کے نام پاک کے ساتھ تعظیم و اکرام کے کلمات ملانے اور صلوة و سلام کے اصراف سے
 یہ کلام اظہارِ نہ سچ و غم بن کر رہ جاتا، اہل اسلام کو اور زیادہ رلاتا اور خاک و خون میں لوٹا دیتا
 اس لئے مناسب یہی تھا کہ قرآن مجید کی آیت سے اقتباس کرتے اور اس پر کچھ اضافہ
 نہ کرتے، ہر بات کا ایک وقت اور سر نہکتے کا ایک مقام ہوتا ہے۔

البتہ یہ قائل کہہ سکتا ہے کہ اس جگہ غرض مقصود کے مناسب وہی تھا جو
 اس کی زبان سے نکلا ہے، اگر وہ کلمہ تعظیم یا صلوة و سلام کا اضافہ کر دیتا تو اس کے
 مقصدِ اصلی اور مرادِ دلی نیز سیاق و سباق کے مطابق نہ ہوتا، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ
 وسلم کے نام پاک کی تعظیم کا بیان انشاء اللہ تعالیٰ مقامِ رابع میں ہو گا، انتظار کیجئے۔

اردو میں ”کر ڈالے“ کا لفظ امانت اور استخفاف پر دلالت کرتا ہے
 اٹھوئیں وجہ مثلاً اگر کوئی شخص کہے کہ ”چاہوں تو فلاں کام کر ڈالوں“ یہ کلام
 اس کام کے خفیف اور ہلکا ہونے پر دلالت کرتا ہے، اور اگر کہے کہ ”چاہوں تو فلاں
 کام کروں“ اس میں وہ دلالت نہیں ہے۔

یہ فرق اردو زبان حضرات پر مخفی نہیں ہے کیونکہ اردو میں ”ڈالنا“ پھینکنے
 کے معنی میں آتا ہے، اس اعتبار سے اس لفظ سے مرتبہ کی پستی معلوم ہوتی ہے، اس

قائل کا دل یہ کہنے سے خوش نہیں ہوا کہ چاہے تو پیدا کرے، کیونکہ یہ عبارت اس کے مقصدِ دلی سے چننا مناسبت نہیں رکھتی اور کمال استخفاف پر دلالت نہیں کرتی ہاں ط

از کوزہ یہاں تراود کہ در دست
"کوزہ سے وہی ٹپکتا ہے جو اس میں ہو"

کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔
إِنَّ الْكَلَامَ لَفِي الْفَوَادِ قَدَامًا
جَعَلَ اللِّسَانُ عَلَى الْفَوَادِ دَلِيلًا
بے شک اصل کلام دل میں ہوتا ہے، زبان تو دل کی دلیل بنائی گئی ہے۔

اردو میں لفظ "کر ڈانا" وہاں استعمال ہوتا ہے جہاں اس کام کے جلدی سے کرنے پر دلالت مقصود ہو، اس جگہ بھی یہی دلالت قائل کا مقصود ہے۔

اس کے یہ الفاظ :
"ایک آن میں ایک حکم کن سے" جواب

سرعت اور تعجیل پر دلالت کرانے کے لئے کافی تھے، اگر کہ ڈالے "کے لفظ سے استخفاف پر دلالت مقصود نہ ہوتی تو اس لفظ کا اضافہ کیوں کیا؟

باوجودیکہ قائل اپنے کلام کی تاویل میں کہتا ہے کہ اس سے مقصود تکوین کا تعلق نہیں ہے پھر بھی اس عبارت سے ایجاد اور کام کرنے کی سرعت و تعجیل مراد لینا ایسی توجیہ ہے جسے خود قائل بھی پسند نہیں کرتا، ہاں! اپنے کئے کا علاج نہیں ہوتا۔

یہ الفاظ :

نہیں وجہ " اور سب لوگ اگلے اور پچھلے آدمی اور جن بھی سب ملکر

جبریل اور پیغمبر سے ہو جاویں تو اس مالک الملک کی سلطنت میں

اون کے سبب سے کچھ رونق بڑھ نہ جاوے گی "۔

کتے عجیب ہیں ! یہ الفاظ علامہ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زبان پر محض نقل کے طور پر ہزار دقت سے جاری ہوتے ہیں حالانکہ نقل کفر، کفر نہیں ہوتی، ورنہ مسلمان ایسے کلمات سن کر ہی لہز جاتا ہے نعوذ باللہ تعالیٰ من ذلک، چہ جائیکہ یہ کلمات خود کہے کہ :

"تمام اولین و آخرین جبریل اور پیغمبر سے ہو جائیں"

اپنے مقام پر مذکور ہو گا کہ ایسے قول کو قضیہ شرطیہ کا مقدم بنانا حضرت جبریل امین اور حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شانِ جلیلِ انتہائی تحقیر ہے کیونکہ اولین و آخرین (اگلے اور پچھلے) میں شیاطین، مشرکین، جابر و ملعون اور اشیاء بے دین سب داخل ہیں، ان سب کی برابری اور مماثلت کے الفاظ حضرت جبریل امین اور حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہما وسلم کی شان میں استعمال کبرنا، اگرچہ قضیہ شرطیہ کے ضمن میں ہو اسلام کے ان نام نہاد دعویداروں کی زبان پر کس طرح آجاتے ہیں ؟

قائل نے اس کلام میں چند وجہ سے دادِ بلاغت دی ہے :

(۱) اگلے اور پچھلے کی تعمیم کے باوجود اس نے آدمی اور جن کی تعمیم بھی ذکر کی ہے

حالانکہ صرف پہلی تعمیم اس کا مقصد ادا کر سکتی تھی، اس میں کھتہ یہ ہے کہ پہلی تعمیم مراحۃً، بلا تکلف شیطان کو شامل نہ تھی، مجتہد الغنیمت کی تصریح کی کہ اگرچہ تکرار کی ضرورت نہ تھی تاہم وہ اہل تلبیس کا رئیس یعنی ابلیس بھی اس تعمیم میں داخل تھا

داخل ہو جائے، ایک دفعہ سب اولین کی تعلیم میں دوسری دفعہ تمام بچپوں کی تعلیم میں اور (تیسری بار) جن کی تعلیم میں اس کا داخل ہونا سمجھا جاتا ہے کَانَ مِنَ الْحَجِّ (وہ جنوں میں سے تھا، اس نکتہ کو اس قائل کی تفسیر دانی کے آثار میں شمار کیا جاسکتا ہے، ایسے مقام پر ایسی رعایت معتقنائے حال کے مناسب واقع ہوئی ہے۔ اس نے اس جگہ فرشتوں کا ذکر نہیں کیا حالانکہ اس سے پہلے فرشتوں کا ذکر (۲)

کر چکا ہے، اس میں نکتہ یہ ہے کہ حضرت روح الامین اور حضرت سید المرسلین علیہما السلام کے ساتھ فرشتوں کی برابری اور ہمہری استخفاف کا فائدہ نہیں دیتی تھی اس لئے اس کی غرض پر کچھ زیادہ دلالت نہیں کرتی تھی۔

(۳) اس کے اس قول میں کلمہ حشر ہے :

”جبریل اور میکائیل سے ہو جاویں“

اس جگہ اس کی مراد کے چہرہ پر رنگ تازہ دکھائی دیتا ہے، ہاں اپنے دلی مقصد کو اسی طرح آراستہ کرنا چاہئے۔

اس کا یہ قول :

”سب لوگ مل کر شیطان اور دجال ہی سے ہو جاویں“

تو اس کی کچھ دہن گشتے کی نہیں،

ایسی گفت گوبے کہ اس کے سننے کے تصور ہی سے اہل ایمان کانپ جاتے ہیں اور سننے والا اگرچہ رنگِ اخلاص نہ رکھتا ہو، اس کلام کے سنتے ہی اس کا رنگ اڑ جاتا ہے، قربانِ بارگاہِ ذوالجلال کے ساتھ شیطان اور دجال کے ذکر سے اگرچہ مساوات کی نفی کے طور پر ہی ہو، روگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور اخلاص کی آبرور باد ہو جاتی ہے، صیغہ ہے اس شخص کے حال پر جو یہ کہنے کہ :

”سب لوگ مل کر شیطان اور دجال ہی سے ہو جاویں“

کیونکہ ”سب لوگ“ کا معنوم، سید کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور تمام انبیاء، ملائکہ، مقربین، اولیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کو شامل ہے، شیطان اور دجال، گمراہوں اور گمراہ سازوں کے سرغنہ ہیں، اگرچہ قائل اس بیان کو بطور تبلیغی قضیہ شریعیہ کہے، کوئی ایماندار ایسے پوشیدہ اور خیاہر کلمات کو گوارا اور جائز نہیں رکھتا، انہیں زبان پر لانا تو کجا، سوچ بھی نہیں سکتا۔

سبحان اللہ! اس شخص کا ایمان کیا خوب ہے کہ اپنے کو اہل اسلام کا مرشد جانتا ہے اور اپنے مخالفین کو کافر و مشرک کہتا ہے اور بغیر کسی داعیہ اور ضرورت شدیدہ کے ایسے ثقیل کلمات جو بارگاہ رب ذوالجلال کے مقربین کی سراپاستگی میں بے باکانہ زبان پر لاتا ہے، عوام اور بہلار کی تعلیم کے لئے انہیں اپنی کتاب میں درج کرتا ہے، کوچہ و بازار میں ان کی تشہیر کرتا ہے اور ان کی تلقین سے اپنے حلقہ بگوشوں کی گردن پر طوقِ لعنت رکھتا ہے۔

لیکن اس قائل نے اس کلام میں بھی دادِ بلاغت دی ہے کہ اپنے قول ”شیطان اور دجال ہی سے ہو جاویں“ میں کلمہ حصر لایا ہے، اس نے اس میں بھی ایک نکتہ رکھا ہے اور دونوں جملوں میں جبریل امین و نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور شیطان و دجال کے درمیان طباق (مطابقت) کی رعایت رکھی ہے، اگرچہ ایمان چلا گیا (تو کیا ہوا) رشتہ بلاغت کا دامن تو ہاتھ سے نہیں جانا چاہئے، ہاں دلی مقصد کو اسی طرح ظاہر کرنا چاہئے اور ایسے اہم مقصد کی تعبیر میں بلاغت کی ایسی ہی رعایت کرنا چاہئے۔

رہا شفاعت کی نفی کا مسئلہ جس کے لئے ایسے گونا گوں کلمات اور ”دقیق“ معنوں والی عبارتیں لایا ہے وہ اس عبارت سے حل نہیں ہوا، مقصد یہ تھا کہ قدرت الہی کے کارخانوں میں کسی کو دخل نہیں ہے حتیٰ کہ اس کی خوشی اور دلدادگی سے سلطنت

رواق میں اسناد ہو یا اس کی ناخوشی اور بے دلی سے رونق جاتی رہے (جب یہ مقصد ثابت نہیں ہوا تو) یہ عبارت آرائی اور بیودہ سرائی کس لئے ہے؟ لیکن یہ قائل اپنی عادت سے مجبور ہے کہ اکثر اپنی گفتگو میں انبیاء، ائمہ، اولیاء اور شہیدوں کا ذکر شیطانوں، بد بختوں، خبیثوں اور سرکشوں کے ساتھ لاتا ہے اور علم بدیع کی صنعت طباق (تطبیق) نہیں چھوڑتا اور پاس ادب اس طریقے کے لئے سرمایہ بلاغت صرف کرنے سے باز نہیں آتا کہ رشتہ بلاغت کا دامن نہ چھوٹ جائے اگر چہ ایمان برباد ہو جائے، اگر اس کی عبارت پر علمی مواخذہ کیا جائے تو جواب دیتے ہوئے جان بچاتا ہے اور مبلغ علم کی نمائش کرتا ہے حالانکہ بیودہ گوئی اور ہرزہ سرائی کے علاوہ کچھ نہیں کر سکتا۔

اب سنئے: اس کا یہ قول :

”اوس شہنشاہ کی تو یہ شان ہے کہ چاہے تو ایک آن میں

ایک حکم کن سے“ (الیٰ آخرہ)

اگر قضیہ حملیہ ہے تو دو وجہ سے باطل ہے :

(۱) اس قضیہ میں حکم حملی نہیں ہے تاکہ قضیہ حملیہ ہو،

(۲) اگر اسے حمید فرض کر لیا جائے تو یہ قضایا بقیہ (جن میں موضوع محقق فی

نفس الامر پر حکم لگایا جاتا ہے) میں سے نہیں ہے کیونکہ اس کا مصداق کبھی

بھی نفس الامر میں واقع نہیں ہے لہذا یہ قضایا غیر بقیہ میں سے ہے اور

قضایا غیر بقیہ شرطیات کے مساوی ہوتے ہیں (تفصیل کے لئے حمد اللہ

شرح سلم ملاحظہ ہو) پس اس کا بطلان شق ثانی میں مذکور ہوگا۔

اور اگر یہ قول قضیہ شرطیہ ہے تو اس کا معنی یہ ہوگا کہ ”اگر اللہ تعالیٰ

چاہے کہ کرداروں انبیاء، اولیاء، جن اور فرشتے حضرت جبریل امین اور نبی

اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے برابر پیدا کرے اور واقع میں لائے، پس
 دو حال سے خالی نہیں، اس شرطیہ کا مقدم واقعی ہے یا غیر واقعی اور فرضی، اگر
 مقدم واقعی ہے تو لازم آئے گا کہ کروڑوں افراد ہر دو مدوح کے برابر
 نفس الامر میں موجود ہوں کیونکہ مقدم موجود ہو تو تالی لازم موجود ہوگا اور تالی
 کے وقوع کا قول کفر صریح ہے اور اگر مقدم غیر واقعی ہے تو ممکن بالذات
 ہے یا ممکن بالغیر اور دونوں میں مقدم مذکور کہ ممکن بالذات ہے یا ممکن
 بالغیر کا، تالی کو مستلزم ہونا یقینی نہیں ہے (کیونکہ جب مشیت ایزدی کا تعلق
 اس مساوی سے ممکن بالذات یا ممکن بالغیر ہونے کی بنا پر نہ ہو سکے گا تو اس
 مساوی کا وجود کہاں سے ہو سکے گا؟)

اگر اس قائل کا عقیدہ یہ ہو کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے برابر
 کروڑوں افراد سے مشیت کا تعلق ممکن بالذات ہے اور ممکن ذاتی اگرچہ ممکن بالغیر
 ہو محال بالذات کو مستلزم نہیں ہو سکتا اور جس شے کے ساتھ مشیت ایزدی کا تعلق
 ہو اس کا واقع نہ ہونا محال بالذات ہے تو اس کے لئے معاملہ اور مشکل ہو جائیگا
 کیونکہ مقام ثانی میں گزر چکا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مساوی کا موجود ہونا
 کذب الہی کو مستلزم ہے اور اللہ تعالیٰ کا کذب محال بالذات ہے پس اس
 اعتقاد پر لازم آئیگا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے برابر کا موجود ہونا محال بالذات
 ہو، اس تقدیر پر بے چارے کو جلد الزام آ جائیگا (کیونکہ جب تالی کا محال بالذات
 ہونا ثابت ہو گیا تو ماننا پڑے گا کہ مقدم بھی ممکن بالذات نہیں ہے ورنہ محال بالذات
 کو مستلزم نہ ہوتا)

اسی قیاس پر وہ دو قضایا شرطیہ جو اس قول میں ہیں :
 "اور سب لوگ اگلے پچھلے (سے) رونق گھٹنے کی نہیں (تک)"

تضایا فرضیہ تقدیر یہ ہیں یا تضایا واقعیہ نفس الامریہ یعنی یا تو کہا جائے گا کہ ان دونوں شرطیوں کا مقدم غیر واقعی ہے، یا کہا جائے گا کہ ہر دو شرطیہ کا مقدم واقعی ہے، دوسری شق باطل ہے کیونکہ تمام اگلے اور پچھلے افراد کا حضرت جبریل امین اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہما وسلم کے برابر ہونا یا شیطان اور دجال کے برابر ہونا فی نفسہ اجتماع نقیضین ہے کیونکہ ہر ایک کے پیغمبر ہونے سے لازم آتا ہے کہ ان میں سے بعض پیغمبر نہ ہوں بلکہ امتی ہوں کیونکہ امت کے پیغمبر غیر کا کوئی مطلب نہیں اور ہر کسی کا شیطان ہو جانا اس طرح کہ کوئی بھی ایسا فرد نہ ہو جو ان سے گمراہی حاصل کرے، خلاف عقل ہے (یعنی بعض افراد لازماً ایسے ہوں گے جو گمراہی حاصل کریں گے ورنہ شیطان کیسے گمراہ کرے گا؟) پس وہ بعض شیطان نہیں ہو سکتے بلکہ اس کے خد متنگا را اور فرمانبردار ہوں گے لہذا ہر دو شرطیہ کا مقدم جو اجتماع نقیضین پر مشتمل ہے، محال ہے اور مقدم محال ہو تو اس کا تالی کو مستلزم ہونا یقینی نہیں ہوتا کیونکہ مقدم محال نقیض تالی کو مستلزم ہونا ممکن ہے۔ یہ بھی معلوم نہیں ہے کہ سلطنت الہی اور اس کی رونق سے قائل کی مراد کیا ہے؟ اگر سلطنت سے مراد ملک و ملکوت میں مشیت کے مطابق اللہ تعالیٰ کا تصرف ہے اور رونق سے مراد حکمتوں اور مصلحتوں کے مطابق تصرف کا جاری ہونا ہے جیسے کہ تمام عالم اللہ تعالیٰ کی مشیت شاملہ اور حکمت کاملہ کے مطابق بہترین نظام پروا تلع ہے پس اس بہترین نظام کا باقی رہنا کہ اس میں بعض گمراہ ہیں، بعض مقرب، بعض مردود ہیں، بعض بارگاہ ایزدی میں مقبول، بعض نجات پانے والے اور بعض بدکرداری کی پاداش میں سزا یافتہ اور جہنمی ہیں، بعض بلند درجات پر فائز اور بعض جہنم کے نچلے طبقوں میں، بعض شفیق اور بعض سعید، بعض فائدہ دینے والے اور بعض فائدہ لینے والے ہیں، تقدیر مذکورہ (کہ ہر دو شرطیہ کا مقدم واقعی ہو) کے منافی ہے۔

اور اگر اس کی مراد کوئی اور چیز تھی تو اسے بیان کرنا چاہئے تھا تاکہ اس کے

کلام کا مطلب۔ سامنے آتا، دیکھنا چاہئے کہ قائل نے ایسا بے فائدہ کلام جس کا معنی ہی صحیح نہیں ہے، کس مقام میں؟ کس مقصد کو ثابت کرنے کے لئے؟ کیسے ذہنوں کے لئے؟ اور کیسے عوام کو خطاب کرتے ہوئے استعمال کیا ہے، یوں معلوم ہوتا ہے کہ اس کی دانست میں شانِ ہدایت، تعلیمِ ایمان اور عقائدِ دینیہ کے بیان کے لئے یہی طریقہ مناسب تھا۔ بعض خود پرست، نامنصف جو خبردار اور ہوشیار ہونے کے باوجود غرور کی شرت سے مدہوش ہیں جب دیکھتے ہیں کہ اردو جانتے

عذرِ گناہ

والے ان ناروا کلمات اور بے سرو پا گفتگو سے سیدالانام، ویکرا نبیاء، ملائکہ علیہم السلام، اولیاءِ کرام اور مشائخِ عظام کی تضحیف اور تنقیضِ شان سمجھتے ہیں، اسے سن کر کانپ جاتے ہیں اور انہیں اپنے ایمان کا خطرہ چڑھ جاتا ہے تو ان کلمات سے ہزار زبان سے اپنی برائت پیش کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ انہیں کوئی فریب دینا چاہئے اور ان کی وحشت (و نفرت)، دور کرنے کے لئے کوئی حیلہ سامنے لانا چاہئے اس لئے کبھی تو کہتے ہیں کہ ان کلمات میں شانِ الہی کی تعظیم ہے، ان سے گریز نہ کرنا چاہئے اور دل میں نفرت نہ لانی چاہئے ورنہ شانِ الہی سے بداعتقاد دی لازم آئے گی اور ایمان و توحید برباد ہو جائیں گے۔

یہ الفاظ
WWW.NAFSEISLAM.COM

جواب

”اوس شہنشاہ کی تو یہ شان ہے (الی آخر)“

کذبِ الہی کے جائز ہونے پر دلالت کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ بہت بلند ہے اس سے جو یہ کہتے ہیں، جیسے کہ مقامِ ثانی کی وجہ اول میں مذکور ہوا، وہ کلمات کہ اللہ تعالیٰ کے ناممکن کذب کے جائز ہونے پر دلالت کرتے ہوں ان سے تعظیم و تکریم کا سمجھنا کچھ فہمی نہیں تو اور کیا ہے؟

اس کے دوسرے قول :

”اور سب لوگ اگلے اور پچھلے (الی آخرہ)“

کامنی ہی صحیح نہیں ہے، پہلے اس کا معنی درست کرنا چاہئے پھر جلالِ شانِ الہی کی بات زبان پر لائی جائے اور اگر یہ مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ متقین کی نیکیوں اور بدکرداروں کی برائیوں سے بے نیاز ہے تو یہ آیاتِ کریمہ :

مَنْ شَكَرَ فَإِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهِ وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ حَمِيدٌ۔

”جو شکر کرے وہ اپنے فائدے کے لئے ہی شکر کرتا ہے اور جو کفر کرے تو بے شک اللہ تعالیٰ بے نیاز اور محمود ہے۔“

إِن تَكْفُرُوا أَنتُمْ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا فَإِنَّ اللَّهَ لَغَنِيٌّ حَمِيدٌ۔

”اگر تم اور زمین کے تمام باشندے کفر کریں تو بے شک اللہ تعالیٰ بے نیاز اور محمود ہے۔“

قائل کے اس مقصد کا فائدہ نہیں دیتا جس کے لئے یہ قائل بھی عبارتِ اراتی کے درپے ہے۔

اور اگر ان دو جملوں (اور سب لوگ اگلے اور پچھلے، الی آخرہ) سے مقصد (صرف) یہ ہے کہ کسی کا قدرتِ الہی کے کارخانوں میں دخل نہیں ہے تو یہ عبارت اس مقصد کے بیان سے قاصر ہے کہ اللہ تعالیٰ کارکنوں اور کارندوں کا محتاج نہیں ہے اور ہر چیز کو اپنی قدرتِ کاملہ اور حکمتِ شاملہ سے پیدا فرماتا ہے۔

صاف کیوں نہیں کہا جاتا کہ انبیاء و اولیاء کی شان کی تخفیف اور بارگاہِ الہی میں ان حضرات کی وجاہت کی نفی اس کا مقصود ہے اور اس کے بیان کے لئے کوئی دوسری عبارت موزوں نہیں تھی، اس مقام کی ابتداء میں گزرا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا میں

جو کلام حضرات انبیاء و ملائکہ کی توہین پر مشتمل ہو، ثنائے الہی پر مشتمل ہونے کے سبب انبیاء و ملائکہ کی توہین پر دلالت کرنے سے خارج نہیں ہو سکتا۔ بالفرض اگر یہ دو جملے تعظیمِ شانِ الہی پر مشتمل ہوں اگرچہ فرضِ خلاف واقع ہے تاہم یہ اشمال حضرات انبیاء و اولیاء کی تعظیمِ شان کے لئے وجہ جواز نہیں بن سکتا۔

کبھی اس کے ہوا خواہ یہ کہتے ہیں کہ ان کلمات سے حضرت سرورِ ایک اور قلابازی کائنات، دیگر انبیاء اور ملائکہ علیہم السلام کی تنقیصِ شان اللہ تعالیٰ کی شان کی نسبت سے ہے اور ایسی تنقیص میں کوئی قباحت نہیں ہے۔

معلوم نہیں کہ اس توجیہ کا کیا مطلب ہے، کیا یہ مقصد ہے کہ اللہ تعالیٰ جواب کی شان سے ان حضرات کی شان کا کم ہونا ان کلمات کا مدلول ہے، یہ واضح غلط فہمی ہے کیونکہ ہم بیان کر چکے ہیں اور پابہ ثبوت تک پہنچا چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان حضرات کو جو مراتب عطا فرمائے ہیں، ان کلمات سے ان مراتب سے کمی دکھائی گئی ہے اور اس کی قباحت کسی ایماندار پر مخفی نہیں اور انشاء اللہ تعالیٰ مقامِ رابع میں مذکور ہوگی۔

بائیں ہم حضرات ممدوحین کی شان کا شانِ الہی سے کم ہونا کلام کی روش پر منطبق نہیں، اس کا مقصد یہ تھا کہ شفاعت، گنہگاروں کی نجات کا سبب نہیں ہے جو لوگ عقیدہ رکھتے ہیں کہ ان حضرات کی شفاعت نجات کا سبب ہوگی وہ بھی ان حضرات کو اللہ تعالیٰ کے بندے ہی مانتے ہیں (معاذ اللہ! اللہ تعالیٰ کے برابر نہیں مانتے) معلوم ہوا کہ شانِ الہی سے ان حضرات کی شان کی کمی کا بیان اس قائل کے مقصد کے بیان میں کچھ دخل نہیں رکھتا۔

انصاف شرط ہے، کلامِ الہی، احادیثِ طیبہ، صحابہ، تابعین، ائمہ مجتہدین، علماء دین اور عرفاء عابدین کے اقوال، شانِ الہی کی تعظیم و تکریم سے پُر اور حد شمار سے

باہر میں کسی بیان میں کسی وقت کسی جگہ کسی ایماندار سے ایسے کلمات صادر نہیں ہوئے
جیسے کہ اس قائل سے دلی عقیدہ کی بنا پر بے تابانہ سرزد ہوئے ہیں، کیا وہ تمام حضرات
نظیم شان الہی میں تقصیر کے روادار تھے کہ انہوں نے ایسے کلمات پر حبارت نہ کی
اور ایسا سراپا تقیص کلام زبان پر نہ لائے؛ شاید اس قائل نے اس کلام کو کس
شَرِّكَ الْاَقَوْلِ لِلْاٰخِرِ (بہت کچھ پہلے، پچھلوں کے لئے چھوڑ گئے) کے زمرے
میں شمار کیا ہے۔

اس کا یہ قول :
گیارہویں وجہ ”اور وہ مالک الملک اپنے بندوں کو بہتیرا ہی
نوازے (الی آخرہ)“

روش کے اعتبار سے استغناء پر دلالت کرتا ہے کیونکہ اس کلام کا مقصد یہ ہے کہ حضور
نبی اکرم اور دیگر حضرات انبیاء علیہم السلام کو بارگاہ الہی میں شفاعتِ محبت کا مقام
حاصل نہیں ہے اور یہ مقصد اس وقت تک حاصل نہیں ہوتا جب تک بارگاہ الہی
میں ان حضرات کی محبوبیت کی نفی نہ کی جائے کیونکہ اگر محبوبیت پائی جائے گی تو اس کے
آثار بھی پائے جائیں گے، فائدہ ہے کہ :

اَلشَّيْءُ اِذَا شَبَّ ثَبَتَ بَلَوًا غَرِيبًا وَ اَثَارًا

”شے جب ثابت ہوتی ہے تو اپنے آثار و لوازم سمیت

ثابت ہوتی ہے“

یعنی بارگاہ الہی میں ان حضرات کی شفاعت کی پذیرائی اور گناہوں کے محو کرنے میں اس کا
فائدہ اور اللہ تعالیٰ کا ان حضرات کی رضا چاہنا کہ یہ سب محبت و محبوبیت کے آثار ہیں جو اس
قائل کے زعم میں مترتب نہیں ہیں ورنہ شفاعتِ محبت متحقق ہو جائے گی، جب محبوبیت
کے آثار و لوازم منتفی ہوئے تو محبوبیت بھی منتفی ہوگی اگرچہ ظاہر اور برائے نام حضور صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلم کو حبیب اللہ کا لقب دیا جائے کیونکہ اعتبار معنی کا ہوتا ہے نہ کہ لفظ کا۔

اس کا ہم سے محبوبیت کے آثار کی نفی مقصود ہے جسے محبوبیت کی نفی لازم ہے اور اس طریقے سے محبوبیت کی نفی تصریح سے زیادہ ملین ہے (کیونکہ اس طرح صرف محبوبیت کی نفی نہیں کی بلکہ اس نفی پر دلیل بھی دیدی ہے) خصوصاً مقام استغفار میں عیب تعمیریں اور اشارہ ہے یہ تنقیض شان حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس مقام کے لحاظ سے ہے جو آپ کو بارگاہ رب العزت میں حاصل ہے اس کا کچھ حصہ اس سے پہلے بیان کر چکا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے تمام محبوبوں سے زیادہ محبوب ہیں اللہ تعالیٰ آپ کی رضا کا طالب ہے، آپ کی شفاعت کو قبول کرے بغیر الہ ہے اور آپ کی شفاعت کی مقبولیت کا سبب آپ کی محبوبیت ہے، یقیناً آیات قرآنیہ اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے جیسا کہ مقام اول میں تفصیلاً گذرا (یہ بھی قابل غور ہے کہ) ایسے مقام میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تکریم (تسبیح کے بغیر) کے ساتھ تحقیر کا فائدہ دینا ہے، چنانچہ وہ کہتا ہے :

”اور کسی کو حبیب کا“

یہ قول، مراد قائل (تحقیر) کا فائدہ دینے میں اہمیت رکھتا ہے۔

اس قائل نے تیسری صورت میں بیان کیا اور اس قسم کو اللہ تعالیٰ کے بارہویں وجہ حق میں جائز رکھا ہے اس سے صراحت یہ ہوتا ہے کہ جو گنہگار بخشے جائیں گے اور نجات پائیں گے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں طلب شفاعت اور التجا نہیں کریں گے اور آپ کی پناہ نہیں لیں گے حالانکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مقام یہ ہے کہ تمام اولین و آخرین مجبور و ناچار ہو کر اور دیگر انبیاء کرام علیہم السلام سے نامید ہو کر مخلوقات کے ملأ و مآوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پناہ لیں گے اور آپ سے شفاعت طلب کریں گے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رحمت ہے پائیاں سے ان

کے لئے بارگاہ النبی جل شانہ میں شفاعت کریں گے، یہ بیچارے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فیضِ توجہ سے مصائب و مشکلات سے نجات پائیں گے، تمام انبیاء و رسل علیہم السلام حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جھنڈے کے نیچے ہوں گے اور حضرت ابراہیم و حضرت موسیٰ علیہما السلام آپ کی امت میں آجائیں گے، یہ حقیقت احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔ کیا یہ کلام محمور سید الکرام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تنقیص شان نہیں ہے؟

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

أَنَا سَيِّدُ النَّاسِ يَوْمَ الْقِيَمَةِ

”میں قیامت کے دن تمام انسانوں کا سردار ہوں گا“

علماء دین نے اس حدیث صحیحہ کے بیان میں فرمایا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دنیا اور آخرت میں تمام انسانوں کے سردار ہیں لیکن روز قیامت کی تخصیص اس لئے کی کہ سید (سردار) وہ ہے کہ لوگ اپنی حاجتوں میں اس کی پناہ لیں، اس سے التجار کریں، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قیامت کے روز اس صفت میں منفرد ہوں گے کہ تمام اولین و آخرین جب سرملین سے التجار کریں گے تو سوائے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کوئی جائے پناہ نہیں پائیں گے، گویا یہ حدیث اس حکم میں درج ذیل آیت کے مشابہ ہے:

لَسَنَ الْمُلُكِ الْيَوْمَ لِلَّهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ

”آج کس کی شاہی ہے؟ اللہ واحد قہار کی!“

کیونکہ برآن اور بر زمانہ میں بادشاہی اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے مگر خصوصی بادشاہی کا ظہور اس طور پر کہ کوئی شخص بادشاہی کا دعویٰ جسوں نے منہ سے بھی نہیں کر سکے گا قیامت کے دن ہی گا۔

اس کا قول :

تیرہویں وجہ : اوس امیر نے اوس چور کی سفارش اس واسطے نہیں کی کہ اوس کا قزاقی ہے یا آشنا یا اوس کی حمایت اوس نے اٹھائی بلکہ محض بادشاہ کی مرضی سمجھ کر کیونکہ وہ تو بادشاہ کا امیر ہے نہ چوروں کا تھا نگے :

حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان رفیع کی انتہائی تنقیض پر دلالت کرتا ہے، اس کا بیان یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان یہ ہے کہ آپ امت کے حال پر انتہائی رحمت و شفقت رکھتے ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں رحمت و رأفت سے آپ کی نعت فرمائی ہے اور ارشاد فرمایا ہے :

لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ
عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُم بِالْمُؤْمِنِينَ
رَءُوفٌ رَّحِيمٌ۔

”تحقیق تمہارے پاس تم میں سے رسولِ عظیم آئے، ان پر تمہاری

مشقت گراں ہے، تم پر پھر رخص میں، مومنوں پر مہربان اور رحیم ہیں۔“

حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی امت کے حال پر رحمت و رأفت کے سبب ان کے بارے میں متفکر رہتے تھے اور ان کی مغفرت کے لئے بارگاہِ الہی میں دعا کیا کرتے تھے،

چنانچہ شکوۃ شریف میں ہے :

إِنَّ السَّيِّئَ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا
قَوْلَ اللَّهِ فِي سُورَةِ إِبْرَاهِيمَ رَبِّ اذْهَبْ
أَضْلَلَن كَثِيرًا مِّنَ النَّاسِ فَمَنْ تَبِعَنِي فَإِنَّهُ

مِثْنِي وَ قَالَ عِيسَى اِنْ تُعَذِّبُهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ
فَرَفَعَ يَدَيْهِ فَقَالَ اَللّٰهُمَّ اُمَّتِيْ اُمَّتِيْ وَ بَكِي
فَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى يَا حَبْرَئِيْلُ اِذْهَبْ اِلَى مُحَمَّدٍ
وَ سَلِّمْ عَلَيْهِ مَا يُنْكِيْهِ فَاَتَاهُ حَبْرَئِيْلُ
فَسَاَلَهُ فَاَخْبَرَهُ بِرِسْوَالِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى
عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ بِمَا قَالَ فَقَالَ اللّٰهُ لِحَبْرَئِيْلُ
اِذْهَبْ اِلَى مُحَمَّدٍ فَقُلْ اِنَّا سَرَرْنَا بِكَ
فِيْ اُمَّتِكَ وَ لَا نَسُوْعُكَ -

اس حدیث کا ترجمہ مقام اول میں گزر چکا ہے، اسی طرح دوسری حدیثوں میں
وارد ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قیامت کے روز بھی امتی امتی فرمائیں گے، اس
حدیث اور دوسری حدیثوں سے ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم امت کی
شفاعت، فطرت رحمت و رافت کی بنا پر فرمائیں گے اور ان کی مغفرت کے لئے اللہ
تعالیٰ کی رضا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شفاعت کے سبب ہوگی، یہ رحمت و
رافت جو امت کی شفاعت کا سبب ہے یہ قائل اسے طاق نسیان میں رکھ کر بغضائے
رحمت و رافت گنہگاروں کی حمایت کو چروں کی جانبداری سے تعبیر کرتا ہے، اگر یہ
استغناء و تنہا نہیں تو کیا ہے؟

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس طرح بارگاہ النبی جل مجدہ کے مقرب ہیں اسی
طرح امت اگرچہ گنہگار اور بدکردار ہے، مگر اُس کے حال پر رُوف و رحیم بھی ہیں، یہ سراپا گمراہی
کلام دجہ سے حضور سید الانام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تفتیضِ شان ہے۔

(۱) اس قائل نے صفتِ رافت و رحمت کو جو سبب شفاعت ہے، جان بوجہ کہ
طاق نسیان میں رکھ دیا۔

(۲) بتقاضائے رحمت و رأفت گنہگاروں کی شفاعت کو چوروں کی جانباری قرار دیا۔ ہاں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے انعام رحمت و رأفت کا شکریہ اسی طرح ادا کرنا چاہئے لہ
اس کا یہ قول :

چودھویں وجہ ”اور جو چور کا حمایتی بن کر اس کی سفارش کرتا تو آپ ہی چور ہو جاتا“

بیچ تعریض ہے اس کا بیان یہ ہے کہ پہلے ”چور کے حمایتی“ سے قائل کی مراد سمجھنا چاہئے۔
”چوروں کے حمایتی“ کے دو مطلب ہو سکتے ہیں :

(۱) وہ ہے جو چوری کو پسندیدہ فعل اور چور کو بگناہ خیال کر کے چور کی حمایت میں بادشاہ کے مقابلہ اور مزاحمت کے لئے اٹھے اور کہے چور سزا کا مستحق نہیں ہے یا کہے بادشاہ اتنی طاقت نہیں رکھتا کہ چور کو سزا دے اس لئے کہ میں اس کا حامی ہوں۔

چور کا ایسا حمایتی واقعی خود گنہگار ہے اور بدکرداروں کا ایسا حامی خود بدکردار ہے لیکن ایسے شخص کو چور کا شفیع نہیں کہہ سکتے کیونکہ بادشاہ کے حضور چور کی شفاعت اور چیز ہے، بادشاہ سے بغاوت اور باغیوں کی پشت پناہی اور دیگر ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس معنی کی نفی اس مقام سے کوئی تعلق اور مناسبت نہیں رکھتی کیونکہ اس معنی کی نفی سے شفاعت کا بے دخل ہونا اور

لہ اعلیٰ حضرت امام محمد رضا بیوی قدس سرہ فرماتے ہیں یہ

اور تم پر مرے آقا کی عنایت نہ سی

نجد لو کہڑھانے کا بھی احسان گیا؟

مجرموں کی نجات کا سبب نہ ہونا ثابت نہیں ہوتا لہذا اس معنی کا ارادہ قائل کی مراد سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔

(۲) وہ شخص کہ گرفتاری کے بعد ناچاری، شرمساری، ذلت و خواری اور غم و گریہ کے سبب چور کے حال پر ترس کھا کر چور کو امید دلاتا ہے کہ میں تمہارے لئے بادشاہ کے حضور سفارش کروں گا اور تیری بخشش چاہوں گا، بادشاہ کی بے حد عنایت اور اس کے وعدہ کی بنا پر یقین رکھتا ہوں کہ میری شفاعت قبول فرمائے گا اور گناہ بخش دے گا، بادشاہ کی عنایت اور اس کے وعدہ کی بنا پر میں تیری شفاعت کا ذمہ لیتا ہوں، پھر وہ بادشاہ کے پاس جا کر شفاعت پیش کرتا ہے، بادشاہ نے اپنی بارگاہ میں اس کے مرتبہ اور اس کی عزت و محبوبیت اور اپنے اس وعدہ کی بنا پر کہ میں تمہاری سفارش نہ نہیں کرے گا شفاعت قبول کر لی اور وہ بیچارہ چور نجات پا گیا۔

قائل اسی معنی کے اعتبار سے ”چور کے حمایتی“ کی نفی کرتا چاہتا ہے کیونکہ اس معنی کے اعتبار سے حمایتی ہونا، اس کے دل کو زخمی کرتا ہے اور چور کے حمایتی کا یہی معنی ہونا چاہیے تاکہ قائل کی مراد (منقوص انبیاء و اولیاء) پوری ہو سکے اور عوام الناس اور فریب خوردہ بہلار ایسے حمایتی کے ثابت کرنے سے اجتناب کر کے اس کا حلقہ اطاعت کان میں اور تلبیس (مکہ) کا پردہ کاندھے پر رکھیں۔

اہل ایمان کا عقیدہ | اب پہلے ایمانداروں کا عقیدہ حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں سنتے، بعد ازاں اس قائل کے کلام کو اس پر منطبق کر کے معلوم کریں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تنقیصِ شان کہاں تک پہنچی ہے؟

ہم مومنوں کا عقیدہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ازراہ غایت

رحمت و رافت اپنی امت کے حال پر پڑوس کھا کر اور ان بے چاروں کو مجبور و ناچار
دیکھ کر اور انہیں اپنی بارگاہ کے پناہ جو اور سدا پناہ اختیار پا کر میدانِ محشر میں
ان کے حال پر شفقت و رحمت فرما کر ان کے حامی ہوں گے آپ نے
فرمایا ہے :

شَفَاعَتِي لِأَهْلِ الْكِبَايَرِ مِنْ أُمَّتِي

”میری شفاعت میری امت کے کبیرہ گناہ والوں

کے لئے ہوگی :

اور قیامت کے میدان میں فرمائیں گے :

أَنَا لَهَا

”شفاعت (کبریٰ) کے لئے میں ہوں“

چونکہ امت کے حق میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دعا و تہی مقبول دعا ہے جس کے
مقبول ہونے کا آپ کو یقین ہے :

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد :

وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شفاعت کی نذر پرانی کے یقین کا فائدہ دیتا ہے
آپ ان کی شفاعت کا ذمہ لیں گے اور اللہ تعالیٰ سے ان کی بخشش طلب
کریں گے، اللہ تعالیٰ آپ کی محبوبیت اور عزت و منزلت کے سبب آپ کی
درخواست کو مقبول اور آپ کی شفاعت کو منظور فرمائے گا اور حضور صلی اللہ
تعالیٰ علیہ وسلم کی شفاعت کے سبب، رحمت و مغفرت الہی ان بے چاروں کے
شامل حال ہو کر نجات بخش دے گی۔

اب غور کرنا چاہئے کہ چوروں اور گنہگاروں کے ایسے حمایتی کو چور اور

ان کا حصہ دار کتنا صریح تو بین اور کفر نہیں ہے تو اور کیا ہے ؟ العیاذ باللہ تعالیٰ
 سن ذلک ! چور کا ایسا حمایتی بارگاہ شاہی کا سب سے زیادہ قریب اور اہل
 منزلت میں سب سے زیادہ بند ہے کہ اس کی عرض مقبول اور اس کی درخواست
 منظور ہوتی ہے اور بادشاہ ان کی محبوبیت کے سبب ان کی دل شکنی روا نہیں
 رکھتا اور بمطابق آیہ کریمہ :

وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ

اور حدیث قدسی :

إِنَّا سَنَرْضِيكَ فِي أَمْتِكَ وَلَا تَسُوْءُكَ

ہر طرح ان کی رضا پناہ کر، ان کی دل داری کے لئے مجرموں کو معاف فرماتا ہے
 اور ان کے متوسلین پر غضب اور عذاب نہیں فرماتا چنانچہ جہنم کا دار و غم نبی اکرم
 صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کرے گا :

يَا مُجْتَمِدُ! مَا تَرَكْتُ لِعُضْبِ رَبِّكَ
 فِي أَمْتِكَ مِنْ تَقَمُّرٍ

”یا رسول اللہ ! صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم آپ نے تو اپنے
 رب کے غضب کا کوئی انتقام اپنی امت میں نہیں رہنے دیا۔“

اللہ تعالیٰ ہمیں بد اعتقادی سے پناہ دے، زندہ اور الحاد کے

اسباب سے محفوظ رکھے، اپنے حبیب پاک اور آپ کی آل امجاد کے طفیل، بیشک
 وہی حفاظت و رہبایت کا مالک ہے۔

چوتھا مقام

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور دیگر حضرات انبیاء علیہم السلام کی تھخیف شان کے ارتکاب کا حکم اور فقہاء اور علماء شریعت کے نزدیک اس جرم شنیع کے ترک کے حال میں۔

چونکہ آلا شیعہ تعترف باضداد ہا اشیاء کے احوال، اضداد کے احوال کے مقابلہ سے برآسانی معلوم ہو سکتے ہیں اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے حضور سید الانام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم شان جواز روئے قرآن واجب اور صحابہ کرام، اہل بیت عظام، علماء مجتہدین اور ائمہ اسلام کا معمول رہی ہے کا مختصر بیان بطور مشقہ از ضرورے تحریر کیا جائے، پھر استحقاق اور استحقاق کرنے والے کا حال شرعی طور پر فقہی روایات کی روشنی میں پیش کیا جائے تاکہ ذہن میں زیادہ راسخ ہو اور طالب ہدایت کے لئے زیادہ مفید ہو۔

جاننا چاہئے کہ ایمان یہ ہے کہ دل سے اس امر کی تصدیق کی جائے کہ اللہ تعالیٰ موجود ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے مکرّم بندے اور رسول ہیں، ظاہر کی باطن سے موافقت، شہادت کے دو کلموں (اشھدان لا الہ الا اللہ واشھدان محمدًا عبده ورسوله) ان دو چیزوں (توحید و رسالت کی تصدیق) سے ایمان تام ہوتا ہے، ان کے بغیر ایمان ناقص ہے، پس جو شخص نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رسالت کی تصدیق کرے اور جو کچھ آپ لائے ہیں، اسے

مومن ہے اور جس کے دل میں اس کی تصدیق نہیں ہے وہ ایماندار نہیں ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

وَمَنْ لَّمْ يُؤْمِنْ بِآلِهِ وَرَسُولِهِ فَإِنَّا أَعْتَدْنَا
لِلْكَافِرِينَ سَعِيرًا

”جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان نہیں لائے
بے شک ہم نے کافروں کے لئے دوزخ کی آگ تیار کی ہے“

و منقطع کے بغیر ایمان متصور نہیں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت کے
بغیر آپ پر ایمان لانا منقول نہیں ہے مومن

کے لئے ضروری ہے کہ وہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنی جان، باپ بیٹے
اور تمام مخلوق سے زیادہ محبوب رکھے، جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے :

الَّتِي أَوْلَىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنفُسِهِمْ
”نبی، مومنوں کے لئے ان کی جانوں سے بہتر ہیں“

اور سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں :
لَنْ يُؤْمِنَ أَحَدُكُمْ حَتَّىٰ أَكُونَ أَحَبَّ
إِلَيْهِ مِنْ نَفْسِهِ

”تم میں سے کوئی ایک ہرگز ایماندار نہیں ہوگا جب تک میں
اسے اس کی جان سے زیادہ محبوب نہ ہوں“

یعنی فرمایا :

لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّىٰ أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ
مِنْ وَالِدِهِ وَوَلَدِهِ وَالتَّائِسِ أَجْمَعِينَ

”تم میں سے کوئی ایماندار نہیں ہوگا جب تک میں اسے باپ،

بیٹے اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہوں :

علاماتِ محبت | حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت کی بہت سی علامتیں اور آثار ہیں جو آپ کی محبت کے امتحان کے لئے کسوٹی کی حیثیت رکھتے ہیں، ان میں سے ایک علامت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بیشتر ذکر کرنا ہے۔ حدیث شریف میں ہے :

مَنْ أَحَبَّ شَيْئًا أَكْثَرَ ذِكْرَهُ

”جو شخص کسی شے سے محبت رکھتا ہے اس کا ذکر بیشتر

کرتا ہے“

کثرتِ ذکر کے ساتھ ساتھ ایک علامت یہ بھی ہے کہ تعظیم و تکریم کا کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کیا جائے اور حضور سید الانام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نام پاک کمالِ تعظیم و تکریم اور صلوة و سلام کے ساتھ لے اور نام پاک لیتے ہی ثور و خشیت، عجز و انکسار اور خضوع و خشوع کا اظہار کرے،

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

لَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا

”تم آپس میں رسول کو اس طرح نہ بلاؤ جس طرح ایک دوسرے

کو بلاتے ہو“

تفسیر میں ہے :

لَا تُنَادُوا كَمَا ينادي بعضكم بعضًا لا تقولوا
يَا مُحَمَّدُ يَا أَبَا الْقَاسِمِ وَلَكِنْ قُولُوا يَا رَسُولَ
اللَّهِ يَا سَيِّدِي اللَّهُ

”نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس طرح نہ پکار دیجیے
 تم ایک دوسرے کو پکارتے ہو، یوں نہ کہو یا محمد یا ابا القاسم! بلکہ عرض
 کرو یا رسول اللہ یا نبی اللہ!“ (یعنی نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
 کو نام یا کنیت سے نہ پکارو بلکہ اوصاف اور القاب سے یاد کرو)
 اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ
 فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ
 كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَن تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ
 وَأَنتُمْ لَا تَشْعُرُونَ۔

”اے ایمان والو! اپنی آوازیں نبی کی آواز سے بلند نہ کرو
 اور ان سے اونچی آواز میں بات نہ کرو جیسے تم ایک دوسرے
 سے اونچی آواز میں بات کرتے ہو اس خوف سے کہ تمہارے
 اعمال ساقط ہو جائیں اور تمہیں خبر ہی نہ ہو۔“
 ابو محمد مکی فرماتے ہیں :

أَمْ لَا تَسْأَلُونَكَ بِالْكَلَامِ وَلَا تَعْتَفُونَ بِالْخَطَا
 وَلَا تُنَادُونَكَ بِأَسْمَاءٍ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ وَ
 لَكِنَّ عَظَمَتَكُمْ وَقِسْرُوكُمْ وَنَادُوكُمْ بِأَشْرَفِ
 مَا يَحِبُّ أَنْ يَنْتَادِي بِهِ يَا رَسُولَ اللَّهِ !
 يَا نَبِيَّ اللَّهِ۔

”یعنی کلام میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سبقت نہ
 کرو اور آپ سے ہم کلام ہوتے ہوئے سختی سے بات نہ کرو اور

آپ کا نام لے کر نہ بچاؤ جس طرح تم ایک دوسرے کو بچا رہے ہو
بلکہ آپ کی تعظیم و توقیر کو اور اشرف ترین اوصاف سے آپ کو نثار کر دو
جن سے نثار کئے جانے کو آپ پسند فرمائیں اور یوں کہو یا رسول اللہ
یا نبی اللہ! صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم۔

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بے ادبی کفر ہے | اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان
کو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
کی آواز پر آواز بلند کرنے اور تعظیم و توقیر کے بغیر بلائے سے منع فرمایا اور حضور صلی اللہ تعالیٰ
وسلم کی اس بے ادبی کو روا نہیں رکھا اور اس عظیم جرم کے ترکیب کو اعمال کے برباد
ہو جانے کی وعید سنائی، معلوم ہوا کہ بارگاہ رسالت کی بے ادبی اعمال کے ضائع ہو جانے
کا سبب ہے اور تمام علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ کفر کے سوا کوئی گناہ اعمال کے
ضائع ہو جانے کا سبب نہیں ہے اور جو چیز اعمال کے ضیاع کا سبب ہے،
کفر ہے۔

اب غور کرنا چاہئے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بے ادبی، اعمال کے
ضائع ہو جانے کا سبب ہے اور جو چیز ضیاع اعمال کا سبب ہو، کفر ہے، نتیجہ یہ ہوا
کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بے ادبی کفر ہے، یہ بھی پیش نظر رہے کہ حیاتِ ظاہری
میں اور وصال کے بعد نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شانِ تعظیم و تکریم کے
سلسلے میں یکساں ہے۔

امام مالک کا ابو جعفر منصور سے مکالمہ | ابو جعفر منصور بادشاہ، مسجد نبوی میں جو ست امام
مالک سے ایک سلسلہ میں گفتگو کر رہا تھا، امام
مالک نے اسے فرمایا :

يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ لَا تَرْفَعْ صَوْتَكَ فِي

هَذَا السَّجْدِ فَإِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ آذَبَ
 قَوْمًا فَقَالَ لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ
 النَّبِيِّ الْآيَةُ وَمَنْ دَخَلَ قَوْمًا فَقَالَ إِنَّ الَّذِينَ
 يَغْضُتُونَ أَصْوَاتَهُمُ الْآيَةُ وَذَمَّ قَوْمًا إِنَّ الَّذِينَ
 يَسَادُونَكَ مِنْ قَرَارِ الْحُجُرَاتِ الْآيَةُ وَإِنَّ
 حُرْمَتَهُ مِثْلَ الْحُرْمَةِ حَيًّا فَاسْتَكَنَ لَهَا أَبُو جَحْضٍ
 وَقَالَ يَا أَبَا عَبْدِ اللَّهِ اسْتَقِيلِ الْقِبْلَةَ وَادْعُوا
 أُمَّ اسْتَقِيلِ رَسُولَ اللَّهِ؟ فَقَالَ وَلِمَ تَصْرِفُ
 وَجْهَكَ عَنْهُ وَهُوَ وَسِيلَتُكَ وَوَسِيلَةُ إِبْنِكَ
 آدَمَ يَوْمَ الْقِيَمَةِ بَلِ اسْتَقِيلُهُ وَاسْتَشْفِعُ بِهِ
 فَيُشْفِعَكَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ۔

”اے مسلمانوں کے امیر! اس مسجد میں آواز بلند نہ کر کیونکہ اللہ
 تعالیٰ نے ایک جماعت کو ادب سکھایا اور فرمایا لَا تَرْفَعُوا
 أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ اور ایک جماعت کی تعریف
 کرتے ہوئے فرمایا إِنَّ الَّذِينَ يَغْضُتُونَ أَصْوَاتَهُمُ الْآيَةُ
 (وہ لوگ، کہ رسول اللہ کے سامنے اپنی آوازیں پست رکھتے ہیں، اللہ
 تعالیٰ نے ان کے دلوں کو تقویٰ کے لئے منتخب فرمایا ہے)
 اور ایک جماعت کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا إِنَّ الَّذِينَ
 يَسَادُونَكَ مِنْ قَرَارِ الْحُجُرَاتِ الْآيَةُ (جو لوگ
 تمہیں محجروں کے باہر سے پکارتے ہیں، ان میں سے اکثر بے عقل
 ہیں) بے شک بعد از وصال حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عزت ایسی

سچی جیسی آپ کی حیاتِ ظاہرہ میں تھی۔

(یہ سنکر) ابو جعفر نے فروتنی کا اظہار کیا اور کہا اے ابو عبد اللہ (امام مالک کی کنیت) قبلہ ہو کر دعا کروں یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف رُخ کروں؟ امام مالک نے فرمایا تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کیوں رخ پھیرتا ہے حالانکہ حضور قیامت کے دن بارگاہِ الہی میں تیرے اور تیرے جدِ امجد آدم علیہ السلام کے وسیلہ ہیں تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف رُخ کر اور شفاعت کی درخواست کر، اللہ تعالیٰ تیرے لئے شفاعت قبول فرمائے گا۔“

امام اسحاق نجیبی فرماتے ہیں :

ذکرِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم

صحابہ کرام، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر کرتے تو ڈرتے تھے ان کا جسم لرز جاتا ان پر کچپی طاری ہو جاتی اور وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت اور شوق کی بنا پر اور بعض صحابہ ہیبت اور تعظیم کے سبب روٹتے تھے۔

ابراہیم نجیبی فرماتے ہیں کہ :

”ہر مومن پر لازم ہے کہ جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر کرے یا اس کے سامنے آپ کا ذکر کیا جائے تو خضوع و خشوع اور فروتنی اختیار کرے، وقار اور سکون سے رہے اور اپنے آپ کو حرکت سے باز رکھے اور اس کی ہیبت میں محو ہو جائے اور اس کی تعظیم میں اس طرح کوشش کرے جس طرح نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ادب کی کوشش کرتا اگر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس کے روبرو ہوتے۔“

صحابہ کرام اور پیغمبر تعظیم مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم | شرف صحابیت پر فائز ہونے والوں کا حال سنئے !

حضرت عمرو بن العاص فرماتے ہیں کہ مجھے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے زیادہ نہ تو کوئی محبوب تھا اور نہ ہی میری نگاہ میں آپ سے زیادہ کوئی محترم تھا اس کے باوجود آپ کے احترام کے سبب میں آنکھ بھر کر آپ کے جمال کی زیارت نہ کر سکتا تھا، اگر مجھ سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صفت پوچھی جائے تو میں بیان نہیں کر سکوں گا کیونکہ میں آنکھ بھر کر آپ کے جمال سے بہرہ ور نہیں ہو سکتا تھا حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ اسے عنہ فرماتے ہیں کہ میں بارگاہ رسالت میں اس حال میں حاضر ہوا کہ صحابہ کرام آپ کے گرد اس طرح بیٹھے ہوئے تھے گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوئے ہیں یعنی وہ اپنے سروں کو حرکت نہیں دے رہے تھے کیونکہ پرندہ اس جگہ بیٹھا ہے جو ساکن ہو۔

قَالَ حُرَّةُ بْنُ سَعْدٍ حِينَ وَجَّهَتْهُ
قُرَيْشٌ عَامَ الْقَضِيَّةِ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَأَى مِنْ تَعْظِيمِ أَصْحَابِهِ
لَهُ مَا رَأَى وَأَنَّكَ لَا يَتَوَضَّأُ إِلَّا ابْتَدَأَ وَادُّوهُ
وَكَادُوا يَقْتَتِلُونَ عَلَيْهِ وَ لَا يَبْصُقُ بِصَاقٍ وَلَا
يَنْخُمُ نَخْمَةً إِلَّا تَلَقَّوْهَا بِأَكْفِهِمْ فَدَلَّكُوا
بِهَا وَجُوهَهُمْ وَأَجْسَادَهُمْ وَلَا تَسْقُطُ مِنْهُ
شَعْرَةٌ إِلَّا ابْتَدَرُوهَا وَإِنْ أَمَرَ بِأَمْرٍ ابْتَدَرُوا
أَمْرَهُ وَإِذَا تَلَمَّ خَفَضُوا أَصْوَاتَهُمْ عِنْدَكَ مَا
يُجِدُونَ إِلَيْهِ النَّظَرَ تَعْظِيمًا لَهُ

”عروہ بن مسعود کہتے ہیں کہ جب قریش نے انہیں صلح حدیبیہ کے سال نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا، انہوں نے صحابہ سے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بے پناہ تعظیم دیکھی، انہوں نے دیکھا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب بھی وضو فرماتے تو صحابہ کرام وضو کا پانی مائل کرنے کے لئے بے حد کوشش کرتے حتیٰ کہ قریب تھا کہ وضو کا پانی نہ ملنے کے سبب لڑ پڑیں، اس نے دیکھا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دین مبارک یا ناک مبارک کا پانی ڈالتے تو صحابہ کرام اسے ہاتھوں میں لیتے، اپنے چہرے اور جسم پر ملتے اور آبرو پاتے، آپ کا کوئی بال جسدِ اطہر سے جدا نہیں ہوتا تھا مگر اس کے حصول کے لئے جلدی کرتے، جب آپ انہیں کوئی حکم دیتے تو فوراً تعمیل کرتے اور جب نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم گفتگو فرماتے تو آپ کے سامنے آہستہ بولتے اور زراہِ تعظیم آپ کی طرف آنکھ اٹھا کر نہ دیکھتے۔“

فَلَمَّا رَجَعْنَا إِلَى قُرَيْشٍ قَالَ يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ
إِنِّي جِئْتُكُمْ بِرُحْمَىٰ فِي مُلْكِكُمْ وَفِيْكُمْ فِيْ مُلْكِكُمْ
وَالْتَجَاسِيْ فِيْ مُلْكِكُمْ إِنِّي وَاللّٰهِ مَا سَأَلْتُ مُلْكًا
فِيْ قَوْمٍ قَطُّ مِثْلَ مُحَمَّدٍ فِيْ أَصْحَابِهِ

”جب عروہ بن مسعود قریش کے پاس واپس گئے تو انہیں کہا اے قوم قریش! میں کسریٰ قیصر و رنجاشی یعنی شاہِ فارس شاہِ روم اور شاہِ حبشہ کے پاس ان کی حکومت میں گیا ہوں، بخدا میں نے ہرگز کوئی بادشاہ اپنی قوم میں اتنا محترم نہیں دیکھا جس قدر

محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے اصحاب میں معزز ہیں۔“

ایک روایت میں ہے :

إِنَّ عَرَأَيْتُ مَلِكًا قَدْ تَعَظَّمَهُ أَصْحَابَهُ مَا
تَعَظَّمَهُ مُعَمِّدًا أَصْحَابَهُ۔

”میں نے کبھی ایسا بادشاہ نہیں دیکھا کہ اس کے ساتھیوں نے

اس کی اس قدر تعظیم کی جو حق بنی محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اصحاب نے
آپ کی تعظیم کی ہے۔“

وَقَدْ رَأَيْتُ قَوْمًا لَا يُسْلِبُونَهُ

”تحقیق میں نے ایسی قوم دیکھی ہے جو کبھی بھی نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وسلم کو نہیں چھوڑیں گے، ہمیشہ آپ کی تعظیم کرتے رہیں گے۔“

یہ بھی روایات میں ہے :

لَسْنَا إِذْ بَنَتْ قُرَيْشٌ لِعُثْمَانَ رَحِمَى اللَّهِ تَعَالَى

عَنْدَ فِي الطَّوَافِ بِأَلَيْتِ حَيْنَ وَجْهَهُ الشَّيْءُ

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فی الْقَضِيَّةِ اِجْ

وَقَالَ مَا كُنْتُ اِلَّا فَعَلْتُ حَتَّى يَطُوفَ بِهِ رَسُولُ

اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

”جب نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت عثمان رضی اللہ

تعالیٰ عنہ کو صلح حدیبیہ کے سال قریش کے پاس بھیجا تھا، قریش نے

انہیں بیت اللہ شریف کے طواف کی اجازت دے دی تو آپ

نے انکار کر دیا اور فرمایا میں اس وقت طواف نہیں کروں گا جب تک

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم طواف نہیں کرتے۔“

حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں :

لَقَدْ كُنْتُ أُرِيدُ أَنْ أَسْأَلَ رَسُولَ اللَّهِ
صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْأَمْرِ فَأُخْبِرُ
سَنَتَيْنِ مِنْ هَيْبَتِهِ۔

” میں چاہتا تھا کہ کسی امر کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلم سے سوال کروں لیکن آپ کی ہیبت کے سبب دو
سال تک مؤخر کر دیتا تھا۔“

وَبَلَّغْتُمُوهُمَا إِلَى أَنَا كَالْبُسْبُونِ بَيْنَ رَجُلَيْنِ
شَبِيهِمَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
فَلَمَّا دَخَلَ عَلَيَّ مِنْ بَابِ الدَّارِ قَامَ عَنْ
سَرِيرِهِ وَتَلَقَّاهُ وَقَبَّلَ بَيْنَ عَيْنَيْهِ وَ
أَقْطَعَهُ الْمِرْغَابَ لِشَبِيهِهِ صُورَةً رَسُولِ اللَّهِ
صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

” حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اطلاع ملی کہ کالس

بن ربیعہ، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے (صورتہ) مشابہ ہیں جب
حضرت کالس حضرت امیر معاویہ کے گھر کے دروازے سے داخل ہوئے تو حضرت امیر

اپنے تخت سے اٹھ کھڑے ہوئے، ان کا استقبال کیا، ان کی آنکھوں کے درمیان
بوسہ دیا اور انہیں مرغاب (ایک مقام) عنایت فرما دیا (یہ سب کچھ
اس لئے تھا کہ ان کی صورت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے
ملتی جلتی تھی)۔“

اگر اجداد صحابہ کرام کی تعظیم اور اس بابرکت بارگاہ کے احترام میں مبالغہ

کرنے اور ہر باب میں آداب کی رعایت کرنے کی روایات کا احاطہ کیا جائے تو کلام طویل ہو جائے گا، تمام صحابہ کرام اس ذات کریم کو بہترین العقاب، کمال تواضع اور مرتبہ مقام کی انتہائی رعایت سے خطاب کرتے تھے اور ابتداء کلام میں صلوة و سلام کے بعد **هَذَا يَسْكُنُهُ بِيَّتِي وَأَقْرَبِي مِيرَءِ وَالِدِيْنَ** آپ پر فدا ہوں، یا **يَنْقُصِيْ أَنْتَ يَا رَسُولَ اللَّهِ** یا رسول اللہ میری جان آپ پر نثار ہے، جیسے کلمات استعمال کرتے تھے اور فیض صحبت کی ذرا فانی کے باوجود محبت کی شدت کے تقاضے کی بنا پر تعظیم و توقیر میں کوتاہی اور تفسیر کے ترکاب نہیں جوتے تھے بلکہ ہمیشہ خصوصاً سیدنا مصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم و اجلال میں ضابطہ کرتے تھے۔

تابعین اور **مستطعم** **صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم** اسی طرح تابعین اور تبع تابعین

صحابہ کے آثار کی اقتدار اور ان کے انوار سے ابتداء کرتے تھے، حضرت صعوب بن عبد اللہ فرماتے ہیں کہ جب امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر کیا جاتا تو ان کے چہرے کا رنگ متغیر ہو جاتا اور ان کی پشت جھک جاتی، یہاں تک کہ یہ امر ان کے ہمشینوں پر گراں گزرتا، ایک دن حاضرین نے امام مالک سے ان کی اس کیفیت کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا جو کچھ میں نے دیکھا ہے تم دیکھتے تو مجھ پر اعتراض نہ کرتے، میں نے قاریوں کے سردار حضرت محمد بن منکدر کو دیکھا کہ میں نے جب بھی ان سے کوئی حدیث پوچھی تو وہ رو دیتے یہاں تک کہ مجھے ان کے حال پر رحم آتا تھا۔

امام مالک فرماتے ہیں کہ میں حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھتا تھا کہ وہ بہت خوش طبع اور خندہ رُوس تھے، جب نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر ان کے پاس کیا جاتا تو ان کا رنگ زرد پڑ جاتا، میں نے انہیں بے وضو نبی اکرم

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔ ایک عرصہ تک ان کے پاس میری آمد و رفت رہی، میں نے انہیں تین صفات کے علاوہ کسی صفت پر نہیں دیکھا یا تو نماز ادا کر رہے ہوتے، یا خاموش رہتے یا قرآن پاک کی تلاوت کرتے، کبھی بے فائدہ گفتگو نہ کرتے، وہ خدا ترس، عبادت گزار علماء میں سے تھے۔

حضرت عبدالرحمن بن قاسم، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر کرتے تو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بیعت سے یوں معلوم ہوتا کہ جیسے ان کا خون کھینچ لیا گیا ہو اور ان کی زبان خشک ہو جاتی، میں حضرت عمار بن عبداللہ کے پاس جاتا تو انہیں اس حال میں دیکھتا کہ جب ان کے پاس کوئی شخص نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اسم گرامی لیتا تو وہ اٹھ اٹھاتے کہ ان کی آنکھ میں کوئی آئینہ نہ جاتا، میں نے حضرت زہری کو دیکھا وہ بہت ہی نرم مزاج اور تمام لوگوں سے نہ زیادہ نزدیک تھے جب ان کے سامنے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر کیا جاتا تو وہ اس طرح ہو جاتے کہ گویا وہ تمہیں اور تم انہیں نہیں پہچانتے۔

حضرت صفوان بن سلیم جو بہت ہی عبادت گزار تھے، میں ان کی خدمت میں حاضر ہوتا، جب ان کے پاس کوئی شخص نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر شریف کرتا تو وہ رو دیتے اور اٹھ اٹھاتے کہ لوگ ان کے پاس سے اٹھ جاتے اور انہیں رونا رہنے دیتے۔

یہ امام مالک کے کلام کا ترجمہ ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے منسوب یا رکھا صحابہ کی نظر میں احترام | صحابہ کرام

تعالیٰ علیہ وسلم کا اس قدر ادب و احترام کرتے تھے کہ آپ کے رشتہ داروں، آپ کے سارے سامان، آپ کی منازل و مجالس اور مہینہ طیبہ و مکرمہ میں آپ کے کاتناہٹا

مبارک کی تنظیم کرتے، جس چیز کی آپ نے تعریف فرمائی یا جس چیز کی نسبت آپ کی طرف معروف ہوتی اس کی بھی تنظیم کرتے تھے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں :

لَقَدْ سَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْحَلَّاقُ يَخْلُقُهُ وَأَطَافَ بِهِ أَصْحَابُهُ
فَمَا يَرِيدُونَ أَنْ تَقَعَ شَعْرَةً إِلَّا فِي يَدِ رَسُولِهِ
”تحقیق میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھا کہ جب آپ کی جماعت بنا رہا تھا، صحابہ کرام آپ کے گرد معلق بنائے ہوئے
تھے، وہ نہیں چاہتے تھے کہ آپ کے بال کسی صحابی کے ہاتھ کے
علوہ کہیں واقع ہوں۔“

وَمَا لِي ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا
وَإِضْعَايَدًا عَلَى مَقْعَدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْمُنْبَرِ شَحَّ وَضَعَهَا
عَلَى وَجْهِهِ۔

”حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو دیکھا گیا کہ انہوں
نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بیٹھنے کی جگہ منبر پر ہاتھ رکھا پھر
اسے اپنے چہرے پر پھیر لیا۔“

حضرت ابو مخذومہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پشتانی میں بال تھے، جب وہ
بیٹھ کر انہیں کھولتے تو زمین تک پہنچ جاتے۔

فَقِيلَ لَهُ أَلَا تَخْلُقُهَا فَقَالَ لَمَّا كُنْ بِالَّذِي
أَخْلَقَهَا وَقَدْ مَسَّهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى

علیہ وسلم بیحد ۵۔

”حضرت ابو بکر و رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کہا گیا کہ آپ ان بالوں کو منڈوا کیوں نہیں دیتے؟ انہوں نے فرمایا میں ان بالوں کو کیسے منڈاؤں جب کہ انہیں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے چھوا افتخار؟
وَكَانَتْ شَعْرَاتٌ مِّنْ شَعْرِهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي قَلَنْسُوَةِ خَالِدِ بْنِ الْوَلِيدِ فَلَمَّا
يَشْهَدُ بِهَا قَتَلَ إِلَّا الْمُرْسِيَّ النَّصْرَ۔

”نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چند بال حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ٹوپی میں تھے وہ اس ٹوپی کے ساتھ جس جنگ میں بھی گئے انہیں فتح و نصرت عطا کی گئی۔“

ہاں جب تابوت سکینہ جس میں آل حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کے تبرکات تھے کی برکت سے بنی اسرائیل کو فتح و ظفر حاصل ہوتی تھی تو اگر حضرت سید البشر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مبارک بالوں کی بدولت یہ برکت اور یہ اثر بلکہ اس سے ہزار ہا درجہ زیادہ خیر و برکت حاصل ہو جائے تو کیا بعید ہے۔

وَكَانَتْ فِي قَلَنْسُوَةِ خَالِدِ بْنِ الْوَلِيدِ
شَعْرَاتٌ مِّنْ شَعْرِهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
فَسَقَطَتْ قَلَنْسُوَةُ فِي بَعْضِ حُرُوبِهِ فَشَدَّ عَلَيْهَا
شِدَّةً اَنْكَرَ عَلَيْهَا اصْحَابُ الدِّيَارِ مِنْ كَثَرَةِ
مَنْ قَتِلَ فِيهَا فَقَالَ لَمَّا كُنْ اَفْعَلُهَا بِسَبَبِ
الْقَلَنْسُوَةِ بَلْ مَا تَضَمَّتْ مِنْ شَعْرِهِ عَلَيْهِ
الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ لَمَّا اُسْلِبَ بِرَكَّتِهَا وَتَقَعَّ فِي

آبِ دِی الْمُسْتَرِکَرِیْنَ -

”حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ٹوپی میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چند بال تھے، ایک جنگ میں وہ ٹوپی اتر گئی، حضرت خالد نے اسے حاصل کرنے کے لئے اتنا سخت حملہ کیا کہ صحابہ کرام نے اس پر انکار کیا کیونکہ اس حملے میں بہت سے افراد شہید ہو گئے تھے حضرت خالد نے فرمایا : میں نے یہ حملہ ٹوپی کے لئے نہیں کیا تھا بلکہ اس میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بال تھے، میں نہیں چاہتا تھا کہ ان کی برکت مجھ سے چھین لی جائے اور وہ بال مشرکوں کے ہاتھ لگ جائیں۔“

اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ جو شخص نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مبارک بالوں کی تعظیم نہیں کرتا اور ان کی تعظیم کو کوئی اہمیت نہیں دیتا اور اس بے ادبی سے اس کے دل میں کوئی خوف پیدا نہیں ہوتا اس کے دل میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت نہیں ہے اگرچہ آپ کی محبت کا دعویدار ہوا اور اس بے باکی کی تاویل میں لاف و گراف سے کام لیتا ہو جن لوگوں کے دلوں میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت اور ایمان ہے، وہ آپ کے ایک بال مبارک کے مقابل تمام دنیا کو ایک جو کی اہمیت نہیں دیتے، صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ :

لَشَعْرَةٍ مِّمَّتْ أَحَبُّ إِلَيْنَا مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا -

”نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ایک بال ہمیں دنیا و ما فیہا

سے زیادہ محبوب ہے۔“

لے بیساکر راجیرت دہلوی نے ”حیات علیہ“ میں پھیل دہلوی کے بارے میں لکھا ہے ۱۲ شرف قادری

کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے :

اگرچہ دوست بچیزے نمی خرد مارا

بہ عالمے نفرو شمیم ہوئے از سر دوست

”اگرچہ دوست ہمیں کسی چیز کے بدلے نہیں خریدتا، ہم اس کے

ایک بال کو پوری دنیا کے عوض بھی فروخت نہیں کرتے۔“

وَفِي الصَّحِيحِ عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ

رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا أَنَّهَا أَخْرَجَتْ جُبَّةً

طَيِّبَةً لِسَيِّئَةٍ وَقَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ

تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَلْبَسُهَا فَتَحْنُ نَعْسِلُهَا

لِلْمَرَضِ ضَى لَسْتُ شَفِئِي بِهَا لَه

”حدیث صحیح میں حضرت اسماء بنت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ

عنها سے مروی ہے کہ انہوں نے طیالی جبہ نکالا اور فرمایا نبی اکرم

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اسے زیب تن فرماتے تھے، ہم اسے بیماروں

کے لئے دھوتے ہیں اور اس سے شفا طلب کرتے ہیں۔“

حضرت فاضل العیاض رضی اللہ عنہ نے اپنی سند روایت کیا ہے کہ ابوالقاسم بن یونس نے فرمایا بیمار سے

پس نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ایک پیالہ تھا ہم بیماروں کے لئے اس میں پانی

ڈالتے تھے پس اس سے شفا طلب کرتے تھے۔

أَخَذَ جَعَجَاةُ الْغِفَارِ مِثْقَالَ قَضِيبِ السَّجِي

مِنْ يَدِ عُثْمَانَ وَتَنَاوَلَهُ لِيَكْسِرَهُ عَلَى رُكْبَتَيْهِ

فَصَاحَ بِرِ الثَّاسِ فَآخَذَتْهُ الْإِكْلَةُ فَقَطَعَهَا
وَمَاتَ، قَبْلَ الْحَوْلِ -

”حجاء غفاری نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا عصا سے
مبارک حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ سے لیا تاکہ اسے
اپنے گھٹنے پر رکھ کر توڑ دے تو لوگوں نے بڑی شدت سے اسے
منع کیا کہ اسے مت توڑنا، اسی وقت اس کے گھٹنے پر ایک زخم پیدا
ہو گیا، بعد ازاں اس نے گھٹنا کٹوا دیا اور سال گزرنے سے پہلے مر گیا۔“

اس باب میں احادیث و آثار بکثرت ہیں، ان آثار صحیحہ اور تفصیل صریحہ
سے ثابت ہو گیا کہ جو چیز نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے نسبت کا شرف رکھتی ہے
اور جو چیز آپ کے اعضا اور قدموں سے مس ہو چکی ہے، اس کی تعظیم و تکریم تمام
مسلمانوں پر ہموار بول یا خواص واجب اور لازم ہے اور جو شخص ان اشیاء شریفہ کی
توہین سے اپنی زبان آلودہ کرے یا ان کی اہانت کی امداد بر ملا یا پوشیدہ، قول یا فعل
سے کرے، اس نے ایمان کو برباد کیا اور حسن اعتقاد کی جگہ ارتداد کو اپنے دل میں رکھا،
چنانچہ بعض ملعون اور بے دین زندیق کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نشان
قدم اس لائق ہے کہ اسے ایسی جگہ رکھا جائے کہ ہر کس و نا کس اس پر پاؤں رکھے،
یا کہتے ہیں کہ اگر میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا لباس مل جائے تو ہم اسے
پہننے کا پڑا بنالیں اور اگر آپ کے فعلین مبارک مل جائیں تو انہیں پاؤں میں پہن لیں،
نعوذ باللہ تعالیٰ من ذلک! یہ کفر، الحاد، بے ایمانی اور ارتداد ہے، اس سے اور
اس جیسے دیگر ہلکات سے اللہ تعالیٰ ہمیں پناہ عطا فرمائے۔

جس طرح ان تمام اشیاء کی تعظیم واجب اور فرض ہے اسی طرح حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے رشتہ داروں اور صحابہ کرام کی تعظیم بلا شک و شبہ بطریق اولیٰ فرض عین ہے چونکہ مبسوط کتابیں ان عقائد اور مقاصد پر مشتمل ہیں اس لئے اس فتوے میں طوالت اور تفصیل کی ضرورت نہیں ہے۔

سنگ و شجر کی سلامی | سورہ کائنات، مفسر موجودات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت اور تعظیم کا وجوب اور اس کی فرضیت اس حد تک ہے کہ حیوانات خشک اور تر نباتات اور بے زبان جمادات، رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں سلام عرض کرتے اور سجدہ کرتے تھے اور محبت کی شدت کی بنا پر گریہ و زاری کرتے تھے۔

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ صَاحِبِ اللَّهِ تَعَالَى
عَنْهُمْ قَالَ لَمْ يَكُنِ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمُرُّ بِحَجَرٍ وَلَا شَجَرٍ إِلَّا سَجَدَ لَهُ۔
”حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی کریم
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جس پتھر یا درخت کے پاس سے گزرتے
وہ آپ کو سجدہ کرتا“

عَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
قَالَ لَمَّا اسْتَقْبَلَنِي جِبْرِائِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ
بِالنِّسَاءِ سَأَلَنِي جَعَلْتُ لَا أَمُرُّ بِحَجَرٍ وَلَا شَجَرٍ إِلَّا
قَالَ السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ۔

حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت
ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرمایا جب جبریل امین علیہ السلام

رسالت کے ساتھ میری طرف متوجہ ہوئے تو میں جس پتھر یا درخت
کے پاس سے گزرتا، وہ کہتا السلام علیک یا رسول اللہ!

کھجور کے تنے کا، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ
فراقِ حضور میں استن حنا کی آہ و زاری
علیہ وسلم کی محبت میں رونا ہوتا رہے

اور اس کی حدیث مشہور ہے :

قَالَ جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى
مَسْقُوقًا عَلَى الْجَذْوِ نَحَلَ النَّبِيُّ صَلَّى
اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا خُطِبَ لِيَقُومَ إِلَى
جَذْوٍ مِنْهَا فَلَمَّا صَنِعَ لَهُ الْمَنْبَرُ سَمِعْنَا
لِذَلِكَ الْجَذْوِ صَوْتًا كَصَوْتِ الْعِشَائِرِ -

”حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ
مسیح بنوی کی چھت کھجور کے تنوں پر بنائی گئی تھی، نبی اکرم صلی اللہ
تعالیٰ علیہ وسلم جب خطبہ فرماتے تو ان میں سے ایک کے پاس
کھڑے ہوتے، جب آپ کے لئے منبر بنایا گیا تو ہم نے اس تنے
سے حاملہ اونٹنیوں یا چھوٹے بچوں کو الی اونٹنیوں جیسی آواز سنی۔“
وَفِي رِوَايَةِ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ
حَتَّى ارْتَجَمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - ۴

”حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ (وہ
ستون اتنی شدت سے رویا کہ اس کی آواز سے مسجد گونج اٹھتی۔“
وَفِي رِوَايَةِ سَهْمَيْلٍ وَكَثَرُ بَكَاءُ النَّاسِ
لِمَا رَأَوْا بِهِ -

”حضرت سہیل کی روایت میں ہے کہ صحابہ کرام اس ستون کی حالت دیکھ کر بہت روئے۔“

وَفِي سِرَاوَاتِ الْمُطَلَبِ حَتَّى تَصَدَّعَ وَانْشَقَّ
حَتَّى جَاءَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
فَوَضَعَ يَدَهُ عَلَيْهِ فَسَكَتَ.

”حضرت مطلب کی روایت میں ہے وہ تھا اس قدر رویا کہ بچپٹ گیا، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس کے پاس تشریف لائے اور اپنا دست کرم اس پر رکھا تو وہ چپ ہو گیا۔“

وَنَرَاذَ غَيْرُهُ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ هَذَا بَكَى لِمَا فَقَدَ مِنَ الذِّكْرِ
”مطلب کے علاوہ راوی نے اس حدیث میں اضافہ کیا کہ نبی اکرم

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا یہ تھا اس لئے رویا ہے یہ ذکر سے محروم ہو گیا ہے۔“

وَنَرَاذَ غَيْرُهُ وَالَّذِي لَفْسِي بِيَدِهِ لَوْ
لَمْ أَلْتَزِمْهُ لَمْ يَرْجِعْ إِلَى يَوْمِ الْقِيَمَةِ تَحَرُّمًا
عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

”ایک اور راوی نے اس حدیث میں اضافہ کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: قسم اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں

میری جان ہے، اگر میں اس تنے کو آغوش میں نہ لیتا تو وہ رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فراق میں قیامت تک روتا رہتا۔“

وَذَكَرَ الْإِسْفِرَ اسْنِيَّ إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ

تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَعَاكَ إِلَى نَفْسِهِ فَجَاءَهُ
يَخْرِقُ الْأَرْضَ فَالْتَزَمَهُ ثُمَّ أَمَرَهُ فَعَادَ
إِلَى مَكَانِهِ -

”استاذِ سفر اُسی نے بیان کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
نے اس تنے کو اپنی طرف بلایا وہ زمین کو چیرتا ہوا خدمتِ اقدس میں
حاضر ہو گیا، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسے آغوش میں لیا
پھر فرمایا واپس جا تو وہ اپنی جگہ واپس چلا گیا۔“

فَكَانَ الْحَسَنُ إِذَا حَدَّثَ بِهَذَا بَكَى وَ
قَالَ يَا عِبَادَ اللَّهِ الْخَشَبَةُ تَحِنُّ إِلَى
رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَوْقًا
إِلَى لِسَانِهِ فَأَنْتُمْ أَحَقُّ أَنْ تَشْتَاقُوا
إِلَى لِقَائِهِ -

”حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب یہ واقعہ بیان کرتے
تو رو پڑتے اور فرماتے اے بندگانِ خدا! کھجور کا تنہا نبی اکرم صلی اللہ
تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں آپ کی محبت کے سبب رونا تھا کیونکہ
آپ اس کے پاس کھڑے ہو کر خطبہ فرمایا کرتے تھے، تم اس امر کے
زیادہ مستحق ہو کہ آپ کے دیدار کا شوق رکھو۔“

ان آثار سے کہ بڑی مقدار میں سے چند بلکہ ہزار میں سے ایک کی حیثیت
رکھتے ہیں، معلوم کیا جاسکتا ہے کہ سید الانام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا احترام اور
اعزاز اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق پر فرض فرمایا ہے، درختوں، پتھروں اور حیوانات کا
سجدہ جو بہت سی احادیث سے ثابت ہے، سجدہ تعظیم تھا نہ کہ سجدہ عبادت کیونکہ نبی اکرم

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم معبود نہیں ہیں، یہ سچا وہی اسی طرح تھا جس طرح فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کو یا حضرت یوسف علیہ السلام کے والدین اور بھائیوں نے انہیں سچا کیا تھا، پس جو لوگ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم و تکریم میں کوشش نہیں کرتے یا دیدہ و دانستہ اس قسم کی نصوص سے چشم پوشی کرتے ہیں یا نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے محبت نہیں رکھتے اور آپ کے شوق کے سبب ان کے دلوں میں رقت پیدا نہیں ہوتی، بے زبان حیوانات اور پتھروں اور خشک لکڑیوں سے گئے گزرے ہیں۔

صحابہ و تابعین کے پیرو کا مخلص مومنوں کی شان یہ ہے کہ مباح چیزوں اور نفس کی خواہشوں میں بھی نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت کی رعایت کرتے ہیں اور جو چیز آپ کو پسند تھی تقاضائے محبت کی بنا پر اسے پسند رکھتے ہیں، شریہ (شرع) میں ڈالے ہوئے روٹی کے ٹکڑوں کو، اور کدو کو بہترین طعام شمار کرتے ہیں۔

نبی رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جو شخص نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بہترین شائل و خصائل، اخلاق حمیدہ، عادات شریفہ، بے شمار انعامات، ہزاروں احسانوں و رحمت و رأفت کی فراوانی میں غور کرے وہ معلوم کر سکتا ہے کہ ہم گنہ گار، سیہ کار جو ہر قسم کے گناہ اور سیہ کاری کا ارتکاب کر چکے ہیں اور کرتے ہیں پھر بھی دنیا اللہ تعالیٰ کے قہر و غضب سے محفوظ ہیں گناہوں اور جرائم کے ارتکاب کے سبب عذاب کے مستحق ہوتے ہوئے بھی امن میں ہیں حالانکہ پہلی امتوں کو زمین میں دھنسا دیا گیا ان کی شکلیں مسخ کر دی گئیں، ان پر پتھر برسائے گئے، اس کے علاوہ کئی طرح کے عذاب نازل کئے گئے اور انہیں ہلاک کیا گیا، یہ صدقہ ہے رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اور آپ، مقبول دعا کی برکت ہے کہ ہم امن میں ہیں

جو اس حقیقت کا انکار کرتا ہے اور اس کے قبول کرنے سے گریز کرتا ہے وہ کافر
نعت (ناشکر) اور مفکر رحمت ہے۔

یہ بھی جاننا چاہئے کہ نبی اکرم صلی اللہ
تبارع رسول تقاضائے محبت ہے

تعالیٰ علیہ وسلم کی کامل ترین محبت یہ
ہے کہ اوامر، نواہی اور سنن میں تہ دل سے آپ کی اطاعت کو لازم سمجھ جائے پس
جو شخص تمام امور میں صدق اور اخلاص کے ساتھ آپ کی اطاعت پیروی کرتا ہے
اس کی محبت کامل ہے اور جو شخص آپ کی اطاعت اور پیروی میں کوتاہی روا رکھتا
ہے، اس کی محبت ناقص ہے لیکن اس سے آپ کی محبت کی نفی نہیں کی جاسکتی
کیونکہ نافرمانی کا ارتکاب ایمان اور اسلام سے خارج نہیں کرتا حتیٰ کہ گنہگاروں سے
نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت کی نفی درست ہو کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
کی محبت کے بغیر ایمان متصور نہیں ہے اور گناہگار اور کبار کے مرتکب بلاشبہ ایماندار
ہیں جیسے کہ اہل سنت و جماعت کے عقائد کی کتابوں میں مذکور اور ثابت ہے، اگر
یہ مومن نہ ہوں تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شفاعت کے مستحق نہیں ہوں گے
حالانکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ :

شَفَاعَتِي لِأَهْلِ الْكِتَابِ مِنْ أَقْبَتِي
”میری شفاعت، میرے ان امتیوں کے لئے ہوگی جو کبار
کے مرتکب ہوں گے“

یہ بھی فرمایا کہ :

وَلِكُنْهَا لِلْمُذْنِبِينَ الْخَطَايَا

”لیکن شفاعت ان کے لئے ہوگی جو بہت ہی گنہگار ہوں گے“

نیز نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک صحابی پر شراب پینے کی حد جاری

فرمائی۔ بعض صحابہ نے ان پر لعنت کی اور کہا کہ شراب نوشی کی کثرت کا سبب کیا ہے جنو
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا :

لَا تَلْعَنُوا قِيَاتَ، يُحِبُّ اللَّهُ وَرَسُولَهُ

”اس پر لعنت نہ کرو کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے

محبت رکھتا ہے۔“

یہ بھی مروی ہے کہ :

إِنَّ رَجُلًا أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ فَقَالَ مَتَى السَّاعَةُ يَا رَسُولَ اللَّهِ؟
قَالَ مَا أَعَدَدْتُ لَهَا قَالَ مَا أَعَدَدْتُ لَهَا
مِنْ كَثْرَةٍ صَلَوَةٍ وَلَا صَوْمٍ وَلَا صَدَقَةٍ
وَالِكُنِّي أُحِبُّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَالَ أَنْتَ مَعَ
مَنْ أَحَبَبْتَ۔

”ایک صحابی بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا اور عرض کی یا رسول اللہ! قیامت کب ہے؟ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا تو نے اس کے لئے کیا تیار کیا ہے؟ اس نے کہا میں نے اس کے لئے بہت نمازیں، روزے اور صدقے تیار نہیں کئے لیکن میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے محبت رکھتا ہوں آپ نے فرمایا تو اپنے محبوب کے ساتھ ہو گا۔“

جو شخص بظاہر نماز پڑھتا ہے، روزہ رکھتا ہے اور پرہیزگار ہے اور اس کا باطن نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت سے خالی ہے اور آپ کی تعظیم شان اور تکریم میں کوتاہی کا مرتکب ہے وہ مومن نہیں ہے جیسے کہ اہل شام کے شکر نے میدان

کرب و بلا میں امام اہل اسلام سیدنا امام حسین علیٰ ہمدہ و علیہ السلام سے ناسحق المجروحہ
حضرت امام کا خون بہایا اور اپنے ایمان کی آبرو ضائع کر کے اپنے سر پر زلت و رسوائی
کی خاک ڈالی اور بدترین کفار اور اشقیاء اہل ناپسند سے ہوئے یہ ظاہر مسلمانوں کی عقلیں
رکھتے تھے اور ظاہری اتباع سے باہر قدم نہ رکھتے تھے لیکن ان کے دلوں میں نبی اکرم
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت ہرگز نہ تھی ورنہ ان سے آپ کے اہل بیت پر ایسا ظلم
کیسے صادر ہوتا۔

بے حجب مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اتباع مغتبر نہیں | اس سے معلوم
ہو سکتا ہے کہ

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ظاہری پیروی کا سبب آپ کی کامل محبت میں مختصر نہیں
ہے بلکہ محبت و فدا آپ کی شاعت اور پیروی میں دوسری اغراض ملیں پوشیدہ ہوتی
ہیں جو ظاہری تقویٰ اور صوری نیکی کے اختیاء کرنے کا سبب بن جاتی ہیں بعض لوگوں
کے سر میں شہرت، عزت اور عامۃ الناس کی راہبری ایسے بلند مقام کی ہوس سہا جاتی
ہے اور اس حیلہ سازی سے یہ مراد پوری ہو جاتی ہے، بے ریا محب اور باضغاض
دنیا میں بہت کم ہیں، محبت کے مذکورہ آثار (ظاہری تقویٰ و پرہیزگاری) عجائبِ مخلص
کے امتحان کے لئے کسوٹی نہیں بن سکتے، اگر وہ آثار (اطاعت و فرمانبرداری) کسی
شخص میں بے تکلف پائے جائیں تو وہ حجب صادق ہے ورنہ ریاکار و
منافق ہے۔

تنقیص شان کے مرتکب کا حکم | جب بارگاہِ ایزدی کے مقربین کے سردار صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم کا کچھ حال تحریر ہو چکا تو اب
سید الخلق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں تخفیف کرنے والے کا حال سنئے !
شرح و قایم پر علیٰ مرطبی کے حواشی میں ہے :

قَدْ اجْتَمَعَتِ الْأُمَّةُ عَلَى أَنَّ الْإِسْتِخْفَافَ
بِنَبِيِّنَا صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَبِآيِ
نَبِيِّ مِّنَ الْأَنْبِيَاءِ كَانَ كُفْرًا سَوَاءً فَعَلَهُ فَاعِلُ
ذَلِكَ اسْتِخْلَافًا أَمْ فَعَلَهُ مُعْتَقِدًا الْحَقَّ مَتَرٍ
وَلَيْسَ بَيْنَ الْعُلَمَاءِ خِلَافٌ فِي ذَلِكَ وَ
الَّذِينَ نَقَلُوا إِلَّا جَمَاعَ فِيهِ أَكْثَرُ مِنْ
أَن يُحْصَى.

”بے شک تمام امت کا اس پر اتفاق ہے کہ نبی اکرم یا کسی اور
نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تخفیف شان کفر ہے عام انہیں کہ
تخفیف کرنے والا اسے حلال جانتا ہو یا حرام، اس مسئلہ میں علماء کا
کوئی اختلاف نہیں ہے اس مسئلہ پر اجماع نقل کرنے والے علماء
سے باہر ہیں“

قَالَ الْقَاضِي فِي الشِّفَاءِ إِنَّ جَمِيعَ مَنْ
سَبَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوْ عَابَهُ
أَوْ أَلْحَقَ بِهِ نَقْصًا فِي نَفْسِهِ أَوْ نَسَبِهِ أَوْ دِينِهِ
أَوْ خَصْلَةٍ تَمُنُّ خِصَالِهِ أَوْ عَرَضَ بِهِ أَوْ شَبَّهَهُ
بِشَيْءٍ عَلَى طَرِيقِ السَّبِّ أَوْ الْإِثْرَاءِ عَلَيْهِ أَوْ
التَّصْفِيرِ لِشَيْءٍ أَوْ الْغَضَنِ مِنْهُ أَوْ الْعَيْبِ لَهُ
فَهُوَ سَابٌّ لَهُ وَحُكْمُهُ حُكْمُ السَّابِّ يُقْتَلُ
كَمَا نُسَبِّتُهُ إِنْ شَاءَ اللَّهُ وَلَا نُسَبِّتُنِي فَضْلًا
مِّنْ فَضُولِ هَذَا الْبَابِ عَلَى هَذَا الْمَقْصِدِ

وَلَا نَسْمَعُ مِنْ رَفِيعٍ تَضَرَّيْحًا كَانَ أَوْ تَكْلُوِيْحًا۔

”حضرت قاضی عیاض رضی اللہ تعالیٰ عنہ شفاہ شریف میں فرماتے ہیں کہ جو شخص نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو گالی دے یا عیب لگائے آپ کی ذات شریف یا آپ کے نسب یا آپ کے دین یا آپ کی کسی خصلت کی طرف نقص کی نسبت کرے۔ یا آپ کی طرف تعریض کرے (اشارۃ عیب جوئی کرے) یا آپ کو کسی نئے سے گالی یا توہین یا شان کی کمی کرنے یا آپ سے چشم پوشی کرنے یا عیب لگانے کے طور پر تشبیہ دے تو وہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو گالی دینے والا ہے، اس کا حکم وہی ہے جو آپ کو گالی دینے والے کا حکم ہے یعنی اسے قتل کیا جائے گا جیسے کہ ہم بیان کریں گے، اس مقصد (قتل کرنے) سے ہم کسی قسم کا استثناء نہیں کرتے اور نہ ہی ہم اس میں شک کرتے ہیں خواہ مراحۃ ہو یا اشارۃ“

وَكَذَلِكَ مَنْ لَعَنَ أَوْ دَعَا عَلَيْهِ أَوْ تَسَمَّى بِمَضْرُوءَةٍ لَمْ يَنْسَبْ إِلَيْهِ مَا لَا يَلِيقُ بِمَنْصِبِهِ عَلَى طَرِيقِ الدِّعْوَى أَوْ عِبْنَتٍ فِي جِهَتِهِ الْعَرَبِيَّةِ يَسْخَفُ مِنَ الْكَلَامِ وَهُجْرٍ وَمُسْكَوٍ مِنَ الْقَوْلِ وَنَمَافٍ أَوْ عَتِكَ بِشَيْءٍ مَا جَرَى مِنَ الْبَلَاءِ وَالْمِحْنَةِ عَلَيْهِ أَوْ غَمَصَةٍ بَعْضُ الْعَوَارِضِ الْبَشَرِيَّةِ الْجَائِزَةِ عَلَيْهِ السُّعُودَةِ لَدَيْهِ۔

”اسی طرح وہ شخص کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف

لغت کی نسبت کرتے یا آپ کے لئے بددعا کرے یا آپ کے نقصان کی آرزو کرے یا آپ کی طرف ایسی چیز کی نسبت کرے جو آپ کے شایانِ شان نہیں ہے بطورِ بدعت یا آپ کی جانب عزیزیت کھیلے ہوئے ہلکے کلام یا سبھو یا جھوٹے کلام سے یا آپ کو عیب لگائے اس آزمائش اور مشقت کی بنا پر جو آپ پر گزری یا آپ کو عیب لگائے بعض ان عوارض بشریہ سے جو آپ کے لئے جائز اور معلوم تھے۔

وَهَذَا كُلُّهُ أَجْمَاعُ مَنْ الْعُلَمَاءُ وَأُمَّةُ
الْفِتْنَى مِنَ الْمُجْتَهِدِينَ مِنْ لَدُنِ الصَّحَابَةِ
رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمْ حَرَّالِي هَلُمَّ جَرًّا۔

”یہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے زمانہ سے اس وقت تک کے تمام علماء اور ائمہ فتوے کا اجماعی فیصلہ ہے۔“

یہ بھی شفا شریف میں ہے :

قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ سَعْنُونٍ أَجْمَعَ الْعُلَمَاءُ
عَلَى أَنَّ شَاتِمَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
وَالسُّتْقَصَ لَهُ كَافِرٌ وَالْوَعِيدُ لَهُ رَعِيَّةٌ
يُعَذِّبُ اللَّهُ تَعَالَى لَهُ وَحُكْمُهُ عِنْدَ الْأُمَّةِ
الْقَتْلُ وَمَنْ شَكَكَ فِي كُفْرِهِ وَعَذَابِهِ فَقَدْ كَفَرَ۔

”حضرت محمد بن سعنون نے فرمایا علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو گالی دینے والا اور آپ کی تنقیصِ شان کرنے والا کافر ہے اور اللہ تعالیٰ کے عذاب کی وعید اس پر جاری ہے اور امت یعنی تمام ائمہ کے نزدیک اس کا حکم قتل ہے اور“

جو شخص اس کے کفر میں شک کرے وہ بھی کافر ہے۔“

شفا شریف اور حواشی چلی ہیں :

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ الْكِتَابُ وَالسُّنَّةُ
مُوجِبَانِ أَنْ مَنْ قَصَدَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِأَذَى أَوْ نَقْصٍ مُعَرِّضًا أَوْ مُصَرِّحًا
وَأِنْ قَلَّ فَقَتْلُهُ وَاجِبٌ -

”حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ تحقیق قرآن و حدیث اس امر
کو واجب کرتے ہیں کہ جو شخص نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اذیت
دینے یا آپ کی نقیصہ شان کا ارادہ کرے تعزیراً ہو یا تصریحاً، اگرچہ
قلیل ہو، اس کا قتل واجب ہے۔“

حواشی چلی ہیں :

وَأَعْلَمُ أَنَّ الْمُتَقَرَّرَ مِنْ تَتَبُعِ الْمُغْتَبَرِ
أَنَّ السُّخْتَاءَ أَنْ مَنْ صَدَرَ يَسُّ مَا يَدُلُّ
عَلَى تَخْفِيفِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ بِعَمْدٍ وَقَصْدٍ
مِنْ عَامَّةِ الْمُسْلِمِينَ يَكُوبُ قَتْلُهُ وَ
لَا تُقْبَلُ تَوْبَتُهُ بِمَعْنَى الْخَلَاصِ عَنِ
الْقَتْلِ وَإِنْ أَتَى بِكَلِمَتِي الشَّهَادَةِ وَالرُّجُوعِ
وَالْتَوْبَةِ الْكِنُ لَوْ مَاتَ بَعْدَ التَّوْبَةِ أَوْ قُتِلَ
حَدًّا مَمَاتَ مِيتَةَ الْإِسْلَامِ فِي غُسْلِهِ وَصَلْوَتِهِ
وَدَفْنِهِ -

”معتبر کتابوں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مذہب مختار

یہ ہے کہ عامۃ المسلمین میں سے جس شخص سے قصدِ اِرادۃ ایسا
کلام صادر ہوا جو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تَخْفِیفِ شان
پر دلالت کرتا ہو اس کا قتل واجب ہے اور اس کی توبہ بایں معنی
مقبول نہیں ہے کہ وہ قتل سے بچ جائے اگرچہ وہ شہادت کے
دو کلمے پڑھے اور اس جرمِ عظیم سے توبہ کرے لیکن اگر وہ توبہ کے
بعد مر جائے یا اس جرم کی سزا میں قتل کر دیا جائے تو اس کی موت
اہل اسلام کی طرح ہوگی، غسل، نماز، جنازہ اور دفن میں یعنی نجسین
اور نمازِ جنازہ میں اس کا حکم تمام مسلمانوں کی طرح ہوگا اور اگر معاذ
اللہ توبہ سے پہلے مر گیا تو کافر مرا اور اس کے ساتھ اہل اسلام
والا معاملہ نہیں کیا جائے گا۔

بلا اِرادۃ تنقص کے متحرک کا حکم | جاننا چاہئے کہ اس قائل نے قصدِ انبی اکرم صلی اللہ
تعالیٰ علیہ وسلم کی تَخْفِیفِ شان کی ہے اور اپنا
ایمان برباد کیا ہے جبکہ مقامِ ثالث میں بیان ہوا ہے، جو شخص اس بڑے جرم کا
قصدِ متحرک نہ ہوا ہو بلکہ کسی اور سبب سے عظیم جرم اس سے سرزد ہوا ہو اس کے
حال کا بیان اگرچہ ہماری گفتگو سے متعلق نہیں ہے تاہم مکمل بیان کے لئے مناسب
معلوم ہوتا ہے کہ اس کا حال بھی ذکر کر دیا جائے لہذا سنئے !

شفا شریف اور حواشی چلیپی میں ہے :

وَالْوَجْهُ الثَّانِي لَا حُجَّةَ بِيْهِ فِي الْبَيَانِ وَالْحِجْلَةِ
وَهُوَ أَنْ يَكُونَ الْقَاتِلُ لِمَا قَالَتْ فِي جِهَتِهِ
عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ غَيْرَ قَاصِدٍ لِلشَّبِّ وَ
الِإِسْهَاءِ وَلَا مُعْتَقِدٍ لَهُ -

”دوسری وجہ بیان اور ظہور میں پہلی وجہ سے ملتی ہے اور وہ یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں یہ کلام کہنے والے کا ارادہ گالی اور توہین کا نہیں ہے اور نہ ہی وہ اس کلام کے مضمون کا عقیدہ رکھتا ہے“

وَالْكَيْهَاتُكَلَّمُ فِي جِهَتِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ بِكَلِمَةِ الْكُفْرِ مِنْ لَعْنِهِمْ أَوْ سَبِّهِمْ أَوْ تَكْذِيبِهِمْ أَوْ إِضَافَةِ مَا لَا يَجُوزُ عَلَيْهِمْ أَوْ نَفْيِ مَا يَجِبُ لَهُمْ سَاهُو فِي حَقِّهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ تَقِيصًا مِثْلُ أَنْ يَنْسُبَ إِلَيْهِ إِثْمَانٌ كَبِيرٌ أَوْ مُدَاهَنَةً فِي تَبْلِيغِ الرِّسَالَةِ أَوْ فِي حُكْمِ بَيِّنَاتِ النَّاسِ أَوْ لِيَغُصَّ مِنْ مَرْتَبَتِهِ أَوْ شَرَفِ نَسَبِهِ أَوْ وَفُورِ عَلَيْهِ أَوْ نُزْهِدِهِ أَوْ يَكْذِبَ بِمَا اشْتَهَرَ بِهِ مِنْ أُمُورٍ أَخْبَرَهَا عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ وَتَوَاتَرَ الْخَبَرُ بِهَا عَنْهُ عَنْ قَصْدٍ لِيَرِدَ خَبَرُهُ أَوْ يَأْتِيَ بِسُفْهِاءٍ مِنَ الْقَوْلِ أَوْ بِقَبِيحٍ مِنَ الْكَلَامِ وَلَوْ بِإِسَارَةٍ وَنَوْعٍ مِنَ السَّبِّ فِي جِهَتِهِ وَإِنْ ظَهَرَ بِدَلِيلٍ حَالِهِ أَنَّ لَمْ يَتَعَمَّدْ ذَمًّا وَلَمْ يَقْصُدْ سَبًّا إِمَّا الْجِهَالَةُ حَمَلًا عَلَى مَا قَالَهُ أَوْ بِضَجَرٍ أَوْ بِسُكْرِ أَوْ قِلَّةِ مُرَاقَبَتِهِ وَضَبْطِ لِسَانِهِ وَعَبَثِ زُفَّةٍ وَتَهَوُّرٍ فِي كَلَامِهِ

”لیکن اس نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں کلمہ کفر

کہا یعنی لعنت یا تکذیب یا گالی یا ناروا چیز کی نسبت کی یا ایسی چیز کی نفی کی کہ آپ کے لئے ضروری ہے وغیرہ بلکہ کہ آپ کے حق میں نقص نہیں ملتا آپ کی طرف گناہ کبیرہ کی نسبت کی یا تبلیغ احکام یا لوگوں کے درمیان فیصلہ کرنے میں ممانعت (ملاحظہ کی نسبت کی یا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مقام، شرف، نسب، افراد فی علم یا زہد میں کمی کی یا آپ کی خبر کی تردید کے ارادے سے ان امور کی تکذیب کی جو آپ سے مشہور اور متواتر ہیں یا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف کم عقلی یا برے کلام یا کسی قسم کی گالی کی نسبت کرے اگرچہ اس کے حال سے ظاہر ہو کہ اس نے آپ کی مذمت یا آپ کو گالی دینے کا ارادہ نہیں کیا بلکہ یا تو جہالت نے اسے اس کلام پر برا سمجھنا کیا ہے یا بے چینی یا نشہ نے اسے ابھارا ہے یا زبان کے ضبط اور اس کی حفاظت کی کمی اور اس کلام میں جلدی اور بے باکی کی بنا پر کہہ گیا ہے۔

فَعُكِّهٖ هٰذَا الْوَجْهَ حُكْمُ الْوَجْهِ اَلَا قَوْلِ
الْقَتْلِ دُونَ تَلْعِغِهِ اِذْ لَا يُعْذَرُ اَحَدٌ فِي الْكُفْرِ
بِالْجِهَالَةِ وَلَا بِدَعْوَى نَرَلِ الْبَلْسَانَ وَلَا شَيْئًا
يَمْتَدَّ كَرَنَاهُ اِذَا كَانَ عَقْلُهُ فِي فِطْرَتِهِ سَلِيمًا
اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْاِيْمَانِ -

”پس وجہ ثانی کا حکم وہی ہے جو وجہ اول کا حکم ہے کہ اسے بغیر کسی تاخیر کے قتل کر دیں کیونکہ تپیدائشی طور پر کسی کی عقل درست ہو تو کسی شخص کے لئے کفر کے معاملہ میں جہالت یا زبان کی لغزش یا اشیاء مذکورہ (بے چینی یا نشہ وغیرہ) کو عذر قرار نہیں دیا جائیگا سوائے اس شخص کے

جسے عبور کیا گیا ہو اور اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو۔“

اگر کوئی سچا کلام نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تنقیصِ شان پر دلالت کرتا ہو تو اس کا قائل کافر ہو جائے گا چنانچہ علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ جو شخص عوارضِ بشریہ سے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تخفیفِ شان کرے، کافر ہو جائے گا حالانکہ وہ عوارضِ بشریہ آپ کے لئے جائز اور معلوم ہیں اسی لئے علماء نے اس شخص کے قتل کا فتوٰی دیا ہے جو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خُسر سے تعبیر کر کے آپ کی تخفیفِ شان کا ارادہ کرے جیسا کہ کتبِ فقہ میں مذکور ہے اس مسئلہ کی جزئیات حد و حساب سے خارج ہیں، جو کچھ ہم نے بیان کیا وہی کافی ہے۔

اعتراض کتبِ عقائد میں مذکور ہے کہ اہل سنت کے متفقین کے نزدیک اہل قبلہ کی تکفیر ممنوع ہے پس اہل قبلہ میں سے جو شخص تنقیصِ شان کی قباحت کا مرتکب ہوا ہو اس کے کفر کا حکم کس طرح لگایا جاسکتا ہے؟

جواب کتبِ عقائد میں مذکور ہے کہ:

وَلَا تُكْفِرُ أَحَدًا مِنْ أَهْلِ الْقِبْلَةِ
”ہم اہل قبلہ میں سے کسی کی تکفیر نہیں کرتے“

قاعدہ کلیہ نہیں ہے بلکہ ان اہل قبلہ کے ساتھ مخصوص ہے جو ضروریاتِ دین (وہ امور جو دین میں برہمی اور یقینی طور پر معلوم ہوں) کا انکار نہ کرتے ہوں اور ان سے کفر کی کوئی علامت اور کفر کا کوئی سبب صادر نہ ہو اور جو شخص ضروریاتِ دین میں سے کسی کا انکار کرے یا اس سے کفر کی کوئی علامت ظاہر ہو یا کفر کا کوئی سبب صادر ہو اسے بلا تامل کافر قرار دیا جائے گا اور وہ بلاشبہ کافر ہے اور جو شخص اس کے کفر میں شک کرے وہ

بھی کافر ہے کیونکہ ایسے شخص کی تکفیر میں شک کرنے کا مطلب ضروریاتِ دین میں شک کرنا ہے اور جو شخص ضروریاتِ دین میں شک کرے وہ بلا شک و شبہ کافر ہے۔

حضرت ملا علی قاری شرح فقہ اکبر میں فرماتے ہیں :

شَتَا عَلِمَ أَنَّ الْمُرَادَ بِأَهْلِ الْقِبْلَةِ الَّذِينَ
اتَّفَقُوا عَلَى مَا هُوَ مِنْ ضُرُورَاتِ دِينِ
كَحُدُوثِ الْعَالَمِ وَحَشْرِ الْأَجْسَادِ وَعِلْمِ اللَّهِ
بِالْكُلِّيَّاتِ وَالْجُزْئِيَّاتِ وَمَا أَشْبَهَ ذَلِكَ
مِنَ الْمَسَائِلِ الْمُرْتَمَاتِ فَمَنْ وَاطَبَ طَوْلَ
عُنُوقِهِ عَلَى الطَّاعَاتِ وَالْعِبَادَاتِ مَعَ الْقَوْلِ
بِقِدْمِ الْعَالَمِ أَوْ نَفْيِ الْحَشْرِ أَوْ نَفْيِ عِلْمِهِ
سُبْحَنَهُ بِالْجُزْئِيَّاتِ لَا يَكُونُ مِنْ أَهْلِ الْقِبْلَةِ
وَأَنَّ الْمُرَادَ بِعَدَمِ تَكْفِيرِ أَحَدٍ مِنْ أَهْلِ
الْقِبْلَةِ عِنْدَ أَهْلِ الشُّكِّ أَنََّّهُ لَا يَكْفَرُ مَا لَمْ
يُوجَدْ شَيْءٌ مِنْ أَمَارَاتِ الْكُفْرِ وَعَلَامَاتِهِ
وَلَمْ يَكُنْ دَلِيلًا مِنْهُ شَيْءٌ كَمِنْ مُؤْجِبَاتِهِ

”اہلِ قبلہ سے مراد وہ لوگ ہیں جو ضروریاتِ دین پر متفق ہوں“

مثلاً عالم کا حادثِ عدم کے بعد موجود ہونا، قیامت کے دن اجسام کا (مع ارواح) کے اٹھایا جانا، اللہ تعالیٰ کا تمام کلیات اور جزئیات کو جاننا اور اس جیسے دیگر اہم مسائل، پس جو شخص طویل عمر طاعت و عبادت پر عمل پیرا رہا اس کے ساتھ ساتھ عالم کے قدیم (بے ابتداء) ہونے یا حشر جسمانی یا اللہ تعالیٰ کے جزئیات کو نہ جاننے کا قائل تھا

وہ اہل قبلہ سے نہیں ہوگا، اہل سنت کے نزدیک اہل قبلہ میں سے کسی کی تکفیر نہیں کی جائے گی، اس سے مراد یہ ہے کہ جب تک کفر کی کوئی علامت نہ پائی جائے اور اس سے کفر کا کوئی سبب صادر نہ ہو،

شرح مواقف میں ہے :

وَلَا يَكْفُرُ أَهْلُ الْقِبْلَةِ إِلَّا بِمَا فِيهِ نَفْيٌ
لِلضَّائِعِ الْقَادِرِ الْعَلِيمِ أَوْ شَرِّكَ أَوْ نَكَارٍ لِلنَّبَوَاتِ
أَوْ إِنْكَارٍ مَا عَلَيْهِ سَمِعْتُمْ عَلَيْهِ السَّلَامُ بِ
ضُرُورَةٍ أَوْ الْمُجْمَعِ عَلَيْهِ كَأَسْتَحْلَالِ الْمُحَرَّمَاتِ
الَّتِي أُجْمِعَ عَلَى حُرْمَتِهَا فَإِنْ كَانَ ذَلِكَ الْمُجْمَعُ
عَلَيْهِ مِمَّا عَلَيْهِ ضُرُورَةٌ مِنَ الدِّينِ فَذَلِكَ
ظَاهِرٌ وَدَاخِلٌ فِيمَا تَقَدَّمَ ذِكْرُهُ وَإِلَّا فَإِنْ
كَانَ إِجْمَاعًا ظَاهِرًا فَلَا كُفْرَ بِهِ مَخَالَفَتِهِ وَإِنْ
كَانَ قَطْعِيًّا فَفِيهِ خِلَافٌ اِنْتَهَى

”اہل قبلہ کی تکفیر نہیں کی جائے گی مگر ایسے کلام سے جس میں قدرت والے علم والے خالق کی نفی یا شرک یا تمہوت سے متعلق امور کے انکار

یا ایسی اشیاء کے انکار ہے جن کے بارے میں بدالمتہ ثابت ہے کہ

انہیں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لائے ہیں یا جن پر امت مسلمہ کا اتفاق ہے مثلاً ان محرمات کو حلال جاننا جن کے حرام ہونے پر اجماع ہے اگر وہ متفق علیہ ضروریات دین سے ہے تو اس کے انکار کا کفر جو ظاہر ہے اور وہ ماقبل میں داخل ہے ورنہ اگر اجماع ظنی ہے تو اس کا انکار کفر نہیں ہے اور اگر اجماع قطعی ہے تو اس کے

انکار کے کفر ہونے میں اختلاف ہے۔

اسی طرح دوسری کتابوں میں ہے۔

جب ثابت ہو گیا کہ امت مسلمہ کا اس پر اتفاق ہے کہ نبی اکرم اور دیگر
انبیاء علیہم السلام کی تہذیبِ شان کفر ہے اور یقیناً یہ مسئلہ ضروریاتِ دین سے ہے
پس جو شخص اس مسئلہ میں شک کرے وہ کافر ہے، تہذیبِ شان کے مرتکب کا
کیا حال ہوگا؟

اس مقام میں گفت کو ختم ہوئی۔

NafseIslam



نفس اسلام

WWW.NAFSEISLAM.COM

خلاصہ فتوے

جب چاروں مقام مکمل ہو گئے تو اب خلاصہ فتوے اور استفتاء

کا جواب سنئے !

سائل نے تین سوال کئے تھے :

(۱) یہ کلام حق ہے یا باطل ؟

(۲) اس کا یہ کلام حضرت سید الاولین والآخرین افضل الانبیاء والمرسلین آپ پر

صلوٰۃ بھیجنے والوں کی پاکیزہ ترین صلوٰۃ، سلام بھیجنے والوں کا بہترین سلام،

فرشتوں اور مسلمانوں کا پسندیدہ ترین تحفہ ہو کی شانِ عالی اور قدرِ جلیل و جلیل کی

تنقیص و تخفیف ہے یا نہیں ؟

(۳) اگر یہ کلام نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تنقیصِ شان کی قباحت پر مشتمل

ہے تو اس کے مرتکب کا حال اور حکم شرعی کیا ہے اور وہ دین و ملت کے

محافظ سے کون ہے ؟

پہلے سوال کا جواب یہ ہے کہ قائل کا کلام مذکور ستر یا پانچھوٹ دروغ، فریب

اور دھوکہ ہے کیونکہ وہ گناہگاروں کی نجات کے لئے شفاعت کے سبب ہونے

کی نفی کرتا ہے اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، دیگر انبیاء و ملائکہ علیہم السلام

اور اصغیاء سے شفاعت و دعا اور شفاعتِ محبت کی نفی کرتا ہے۔ اس کا یہ عقیدہ کتابِ مبین

احادیثِ سید المرسلین اور اجماعِ مسلمین کے خلاف ہے جیسے مقامِ اول میں تفصیلاً

ثابت ہوا اور مقامِ ثانی میں اس کلام کے کچھ حصوں کا بطلان دلائل سے واضح ہوا۔

دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ اس کا کلام بلاشبہ بارگاہِ انبی کے مقربین کے سردار، دیگر انبیاء، ملائکہ، اصفیاء، مشائخ اور اولیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نقیصہ شان پر مشتمل ہے اور استخفاف پر دلالت کرتا ہے جیسے مقامِ ثالث میں مذکور ہوا اور اس سے پہلے دلائل سے ثابت ہوا۔

تیسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ اس بیہودہ کلام کا قائل از روئے شریعت کافر اور بے دین ہے اور ہرگز مسلمان نہیں ہے اور شرعاً اس کا حکم قتل اور کھنجر ہے جو شخص اس کے کفر میں شک و تردید لائے یا اس استخفاف کو معمولی جانے کافر و بے دین اور نامسلمان و لعین ہے مگر کفار اور بے دینی میں اس شخص سے کم ہے جو اس گمراہانہ کلام کو قابلِ تحسین جانتا ہے اور اس کلام کے اعتقاد کو ضروریاتِ دین میں سے شمار کرتا ہے، ایسا شخص کفر میں قائل کے برابر ہے بلکہ استخفاف میں اس سے بھی بڑھ کر ہے کیونکہ اس نے نبی اکرم، دیگر انبیاء، ملائکہ اور اولیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے استخفاف کو مستحسن جانا اور اسے ضروریاتِ دین میں سے گمان کیا، اسی طرح جو شخص ظاہراً یا باطناً ایسے مسائل میں اس قائل کی طرفداری روا رکھتا ہے اور اہل علم میں اس کی عزت کے تحفظ کے لئے دو راز کار تاویلات اختیار کرتا ہے وہ بھی نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تحقیرِ شان کا مرتکب ہوا ہے کہ ایک بے دین کی طرفدار کو سید الانام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عزت و حرمت پر ترجیح دی اور ملامت کے خوف بلکہ بقا ضائع پذیر بنی اس کلام کے ثابت کرنے کے درپے ہوا جو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تحقیرِ شان پر دلالت کرتا ہے اور یہ سب کفار اور الحاد ہے اللہ تعالیٰ ہمیں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ کی آل پاک کے طفیل اس سے محفوظ رکھے، چوتھے مقام میں ان مقاصد کے ثابت کرنے سے فراغت حاصل ہوئی، پس ظالم قوم کی جڑ کاٹ دی گئی، والحمد للہ رب العالمین۔

خاتمہ

اب کفر کی گہری ظلمت چھٹ گئی اور ایمان کا نور جگمگا اٹھا، جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے، ہدایت کے پیروکاروں پر سلام ہو۔ یہ تحریر ہدایت دینے والے بے نیاز رب کی طرف محتاج بندے محمد فضل حق بن محمد فضل امام فاروقی حنفی خیر آبادی کی ہے، اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں ان دونوں پر بطف و کرم فرمائے اس ذات کریم کے طفیل جو مجالس کو زینت دینے والوں میں سب سے بہتر ہیں، جن کی عنایت نے پکارنے والے کی پکار کا جواب دیا اور وسیع کرم سے دشمن کو جو دو سخا سے نوازا، شہری اور دیہاتی کو اپنی بروقت نوازش، عطا و عطا اور بے انداز نعمتوں سے مالا مال کیا مقابلہ کرنے والوں کو ہلاک کیا، دشمنوں کی روحیں قبض کر لیں اور جنہیں ایک ماہ کی مسافت کے قبضوں اور بیہاتوں تک ہیبت سے مدد دی گئی، اللہ تعالیٰ آپ پر اور آپ کے آل و اصحاب پر رحمتیں نازل فرمائے جو بیا بانوں کے ستارے اور روز قیامت کے شفیع ہیں جس دن (رحمت الہی کے بغیر) کوئی قیدی نجات نہیں پائے گا اور راہِ راست پر چلنے والا قی نہیں

کیا جائیگا (یہ بالانِ رحمت) اس وقت تک رہے جب تک
 حُدُری سوانوں کا سردار اونٹنیوں کو وجہ میں لاتا رہے، بلند آواز اور
 خوشنوائی سے شوق والوں کو گرانا رہے اور آفاقِ عالم میں انعامات
 اور حوادث کے بادل پرستے رہیں، میں نے اس تصنیف کا نام

تحقیقِ اُفتویٰ فی البطلانِ الطغویٰ

(طغیان اور سرکشی کے رد و ابطال میں فتوے کی تحقیق) رکھا۔
 مجھے اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ اسے میرے لئے ذخیرۂ
 آخرت اور معاند کے لئے تنبیہ بنائے گا کیونکہ مخالفِ تحریر سے میرا
 ارادہ احباب میں فخر کرنے کا نہیں ہے، میں تو حسبِ استطاعت
 اصلاح چاہتا ہوں، اللہ تعالیٰ ہی مجھے توفیق دینے والا ہے اسی پر
 مجھے اعتماد ہے اور اسی کی طرف میں رجوع کرتا ہوں، اے ہمارے
 رب! ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان حق کو واضح فرما، تو ہی سب
 سے بہتر حق کو واضح فرمانے والا ہے۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِهِ مُحَمَّدٍ
 وَآلِهِ وَصَحْبِهِ أَجْمَعِينَ۔

۱۸ رمضان المبارک ۱۴۴۰ھ

محمد فضل حق ۱۲۳۷

(۳)

حاجی محمد قاسم

(۲)

المستقل علی اللہ محمد شریف ۱۴۴۰ھ

(۵۱) کیم اللہ

(۵۲) فقیر محمد حیات الاری

(۵۳) محمد رشید الدین

(۵۴) محمد رحمت

(۵۵) مخصوص اللہ

(۵۶) عبدالحق

(۵۷) محمد موسیٰ

(۵۸) محمد عبد اللہ

(۵۹) خادم محمد

(۶۰) محمد شریف

(۶۱) احمد سعید مجددی

(۶۲) محمد حیات

(۶۳) حسیم الدین

(۶۴) صدر الدین (۱۸۱) جب میں نے اس کتاب کے دعاوی اور ان کے

دلائل کی عنایت اور مخالفت کے بغیر نظر انصاف سے دیکھے، اسے ایسا حق پایا جسے باطل کی جانب سے لاحق نہیں ہو سکتا تو میں نے اس پر ہر تصدیق ثبت کر دی۔

محبوب علی

(بخدمت تالی ۸ رمضان المبارک ۱۳۸۸ گ ۱۹۷۶ء کو ترجمہ مکمل ہوا۔ محمد عبد الکیم شرف صادی)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تحریر ازل

از: بطل حریت علامہ محمد فضل حق خیر آبادی رحمہ اللہ تعالیٰ

مولوی محمد اسماعیل دہلوی نے ”تقویۃ الایمان“ میں مسئلہ شفاعت پر گفتگو

کرتے ہوئے ایک قبیح عبارت لکھی، علامہ محمد فضل حق خیر آبادی نے اس پر رد کرتے ہوئے چند صفحات تحریر کئے، ان کا ترجمہ آئندہ صفحات میں پیش کیا جا رہا ہے۔

مولوی محمد اسماعیل دہلوی نے اس کے جواب میں ایک رسالہ ”یک روزہ

لکھا، حضرت علامہ نے اس کے رد میں ”تحقیق الغتوی فی إبطال الطغوی“ (شفاعت مصطفیٰ ﷺ) لکھی اور جب مولوی محمد اسماعیل دہلوی کے شاگرد مولوی حیدر

علی ٹوکنی نے اس کے جواب میں ایک کتاب لکھی تو علامہ نے اس کے جواب میں ”امتناع السطور“ لکھی، اور وہ کتاب خود اپنے نظیر واقع عمارت ہوئی، آج تک کسی کو

اس کے جواب میں زبان کھولنے کی جرات نہیں ہو سکی۔

محمد عبدالکحیم شرف قادری

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

(ترجمہ: محمد عبدالحکیم شریف)

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ رب العالمین کے لیے ہیں اور اچھی عاقبت متیقین کے لیے اور دود و سلام ہو اللہ تعالیٰ کے رسول حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ کی تمام آل اور صحابہ کرام پر۔

صاحب تقویۃ الایمان نے (اپنی کتاب کی) تیسری فصل میں شرک کا رد کرتے ہوئے وجاہت کا معنی بیان کرنے کے بعد کہا :
اوس شاہنشاہ کی تو یہ شان ہے کہ ایک آن میں ایک کُن سے چاہے تو کروڑوں بنی اور دلی اور حرق اور فرشتے جبریل اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر پیدا کر ڈالے۔

یعنی اللہ تعالیٰ اس امر پر قادر ہے کہ ایک آن میں ایک امر کن سے کروڑوں افراد حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے برابر عدم سے وجود میں لے آئے اور یہ جہور مسلمانوں کے متفقہ عقیدے کے خلاف ہے، کیونکہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مثال متمتع الوجود ہے (یہ صغریٰ ہے) اور جس چیز کا وجود متمتع اور محال ہو وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے تحت داخل نہیں ہے (یہ کبریٰ ہے)

صغریٰ کا بیان یہ ہے کہ اگر نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مثل کوئی شخص ممکن ہو تو وہ لازماً نبی ہوگا، کیونکہ غیر نبی، نبی کی مثل نہیں ہو سکتا، لیکن آپ کے مماثل نبی ممکن نہیں ہے، کیونکہ آپ خاتم الانبیاء ہیں اور خاتمت کا معنی یہی ہے کہ آپ کی مثل کا وجود ممکن نہ ہو، اس لیے کہ انسانی کمالات کی انتہا مرتبہ نبوت ہے اور اس مرتبہ کا کمال یہ ہے کہ خواص ثلاثہ کے قوی ترین مراتب پر مشتمل ہو جس سے زیادہ قوی مرتبہ

لے علامہ عبد العزیز پرہاروی فرماتے ہیں کہ حکماء اسلام (باقی اگلے صفحہ پر)

عالم امکان میں تصور نہیں ہے، لہذا ختم نبوت سے بلند مرتبہ ممکن ہی نہیں ہے۔

دو مرتبہ کہ وجود امکانی کے مراتب میں اس سے بلند تر کوئی مرتبہ نہیں ہے وجود خاتم الانبیاء کا مرتبہ ہے، جب نبوت اس مرتبہ تک پہنچتی ہے تو ختم ہو جاتی ہے، ابتدا کے سلسلے میں معلول اول کا مرتبہ اور (انتہاء و) رجوع کے سلسلے میں خاتم النبیین کا مرتبہ یکساں ہے (ابتدا و انتہا کی) قوس نزولی اور صعودی اس جگہ اکٹھی ہو جاتی ہیں اور دائرہ وجود اس جگہ مکمل ہو جاتا ہے جس طرح سلسلہ آغاز میں اول سلسلہ اور واجب الوجود کے درمیان کوئی فرد تصور نہیں ہے، اسی طرح سلسلہ انتہا میں آخر سلسلہ اور واجب الوجود کے درمیان کوئی مرتبہ تصور نہیں ہے جس طرح وجود کا آغاز واجب الوجود سے ہے اسی طرح وجود کا انجام بھی وہی ہے، مبداء بھی وہی اور معاد بھی وہی ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ اگر خاتم الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا محال ممکن ہو تو یقیناً اس کے واقع ہونے سے محال لازم نہیں آئے گا، کیونکہ ممکن کے واقع اور متحقق ہونے سے محال لازم نہیں آیا کرتا، جبکہ اس جگہ خاتم النبیین کے مماثل کے واقع ہونے سے آیہ کریمہ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ کے منطوق کا کذب لازم آتا ہے، یہ آیت حنیفرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مثل کے بالفعل موجود ہونے کے

(صفحہ گذشتہ سے آگے) کہتے ہیں کہ نبی میں تین شرطیں (خواص) کا پایا جانا ضروری ہے (۱) مُنِيبَات پر مطلع ہونا اور یہ اس لیے کہ ان کی روح کا مقرب فرشتوں کے ساتھ اتصال ہوتا ہے (۲) عناصر کا بیرونی ان کی اطاعت کرتا ہے اور وہ اس میں تصرف کرتے ہیں مثلاً ہوا کو پانی بنا دینا (۳) فرشتوں کو محسوس صورت میں دیکھتے ہیں اور ان کا کلام بھلا دہی سنتے ہیں (نبرا س ص ۲۹ مختصراً) خواص ثلاثہ سے علامہ خیر آبادی کی مراد یہی تین خواص ہیں ۱۲ شرف قادری

متنع ہونے پر صراحت دلات کرتی ہے، وجود مثل کو ممکن ماننا اللہ تعالیٰ کے بارے میں جھوٹ کو جائز قرار دینا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ کا جھوٹ محال ہے کیونکہ وہ نقص ہے اور نقص اللہ تعالیٰ کے بارے میں محال ہے، آیات و عید، دیگر آیات اور احادیث کے پیش نظر شروط معلومہ کے ساتھ مشروط ہیں، ظاہر ہے کہ آیت مذکورہ ان آیات کی طرح نہیں ہے تاکہ اس آیت کو قوت شرطیہ میں قرار دے کر لزوم کذب کے استحالة کو دفع کیا جاسکے۔

کبریٰ کی دلیل یہ ہے کہ قدرت کا معنی ہے فعل اور ترک کا صحیح ہونا جیسے کہ محقق دوانی کی شرح عقائد عقیدہ میں ہے یا قدرت کا معنی دو صفت ہے جو ارادہ کے مطابق موثر ہو جیسے کہ شرح مواقف اور تجرید کی شرح جدید میں ہے اور لازمی بات ہے کہ ایسی صفت فاعل کی نسبت سے صحت کا تقاضا کرے گی کیونکہ قادر وہی ہے جس کے لیے کسی کام کا کرنا اور ترک دونوں صحیح ہوں فاعل کی نسبت کی قید اس لیے لگائی ہے کہ فعل فی نفسه ممکن اور صحیح ہے، قدرت نے اسے ممکن اور صحیح نہیں بنایا ورنہ قلب مواد (واجب یا محال کا ممکن بنا دینا) لازم آئے گا، ہاں یہ کہہ سکتے ہیں کہ قدرت نے فعل کو فاعل موجود کی نسبت سے صحیح اور ممکن بنا دیا ہے، ماننا پڑے گا کہ قدرت ممکن پر ہی ہوتی ہے اور اس معاملے میں تمام ممکنات برابر ہیں، قدرت کی مقتضی اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور مقدور ہونے کو صحیح قرار دینے والا امکان ہے ذات باری تعالیٰ کی نسبت تمام ممکنات کی طرف برابر ہے۔

جب بعض پر قدرت ثابت ہوئی تو تمام ممکنات پر قدرت ثابت ہوگی، کیونکہ امکان تمام ممکنات میں مشترک ہے، اللہ تعالیٰ ہر اس چیز پر قادر ہے جو ممکن ہو۔ متنع اور واجب اس کی قدرت کے تحت داخل نہیں ہیں۔ اس سے بجز لازم نہیں آتا جو قدرت کے مقابل ہے، کیونکہ متنع کے ایجاد پر قدرت کا نہ ہونا بجز نہیں ہے اہں

یہ کہ متمتع وجود کے قابل ہی نہیں ہے، آیہ کریمہ اِنَّ اللہَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ اور وَاللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ کا معنی مفسرین نے بیک زبان ہی بیان کیا ہے کہ ہر شے مراد ہر ممکن ہے، کیونکہ محال بالاتفاق شے نہیں ہے اور واجب و محال پر قدرت نہیں ہوتی، بیضاوی میں ہے کہ قدرت کا معنی شے کو پیدا کر سنا ہے۔

صاحب کشف جو اکابر معتزلہ میں سے ہیں آیہ کریمہ اِنَّ اللہَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ کی تفسیر میں کہتے ہیں :

قادر کے حق میں شرط یہ ہے کہ فعل محال نہ ہو، جب تمام اشیاء پر قادر کا ذکر ہو تو محال خود مستثنیٰ ہے، گویا کہا گیا ہے کہ ہر اس چیز پر قادر ہے جو ہو سکتی ہے، اس کی نظیر یہ ہے کہ کہا جاتا ہے فلاں شخص انسان کا امیر ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ اپنے ماسوا کا امیر ہے وہ شخص بھی اگرچہ انسانوں میں سے ہے لیکن اس وقت وہ ان میں داخل نہیں ہے۔

اس عبارت سے صراحت معلوم ہوتا ہے کہ معتزلہ بھی اس امر کے قائل ہیں کہ واجب تعالیٰ متمتع پر قادر نہیں ہے پس ثابت ہوا کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نظیر متناہات میں سے ہے اور اللہ تعالیٰ رحمۃ اللعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مثل ایک شخص کے پیدا کرنے پر بھی قادر نہیں ہے، چہ جائیکہ ایک آن میں آپ کی مثل ہزاروں افراد پیدا فرمادے۔

اس جگہ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ اگر دیں بے صغریٰ میں امتناع سے مراد امتناع ذاتی ہے تو ہم صغریٰ تسلیم نہیں کرتے، کیونکہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وسلم کی نظیر متمتع بالذات نہیں ہے، بلکہ نظیر اس لیے محال ہے کہ آپؐ کا خاتم النبیین ہونا اللہ تعالیٰ کے خبر دینے سے ثابت ہے اور اللہ تعالیٰ کی خبر میں کذب متمتع بالذات نہیں ہے اور متمتع بالذات ہونا امکان ذاتی کے منافی نہیں ہے اور اگر امتناع سے مراد امتناع بالذات ہے تو صغریٰ مسلم ہے، لیکن کبرئ میں کلام ہے کہ اس جگہ متمتع کس معنی میں ہے؟ اگر اس جگہ بھی متمتع بالذات ہے تو وحدہ اوسط ضرور مکر ہے لیکن کبرئ ممنوع ہے کیونکہ ہمیں یہ تسلیم نہیں ہے کہ جس چیز کا وجود متمتع بالذات ہو وہ بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت کے تحت داخل نہیں ہے جب کبرئ میں متمتع سے مراد متمتع بالذات ہو تو کبرئ کی صحت میں شک نہیں ہے لیکن حد اوسط مکر نہ ہوئی اور (اصغر کا اکبر کے تحت) اندراج لازم نہ آیا۔ اس گفتگو سے واضح ہو گیا کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مثل کے واقع ہونے سے جو محال لازم آیا ہے وہ امتناع بالذات کی وجہ سے ہے نہ کہ امکان ذاتی کی بنا پر۔

عنفی نہ رہے کہ یہ جواب ہمارے مقصد کے منافی نہیں ہے، کیونکہ ایسا ممکن بالذات جس کا واقع نہ ہونا نص قرآنی سے ثابت ہو اس کے وقوع کے ساتھ تین صفات کا تعلق برابر ہے۔ ۱۔ قدرت کا تعلق۔ ۲۔ ارادہ کا تعلق جس کا مطلب ہے دو مقدمہ دروں میں سے ایک کو وقوع کے ساتھ خاص کرنا۔ ۳۔ خلق کا تعلق جس کا معنی ہے شے کا عدم سے فعلیت اور وجود کی طرف نکالنا۔ خلاصہ یہ کہ جس ممکن کے واقع نہ ہونے کی خبر خود اللہ تعالیٰ نے دی ہے اس کا واقع ہونا متمتع بالذات کی طرح قدرت سے خارج ہے اور اگر فرض کیا جائے کہ امتناع بالذات بھی قدرت کے متعلق ہونے کے منافی نہیں ہے اور بہت سے افراد مظہر تجلیات افضل المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات اقدس کے مثال، امکان ذاتی اور تصور عقل کے پیش نظر صرف اس اعتبار سے کہ وہ ممکن ذاتی ہیں، قطع نظر امور خارجہ اور

موانع سے ، اللہ ذوالجلال کی قدرت سے موجود ہو سکتے ہیں ، تو قابل غور بات یہ ہے کہ ایسے ممکن اور متصور محض امور جن کے وقوع کو عقل مجھن ان کے امکان ذاتی من حیث ہونے کو پیش نظر رکھتے ہوئے جائز قرار دے۔ ان پر اللہ تعالیٰ کی قدرت کا اظہار ، عوام کا لالعام کو حیران اور پریشان کرنے کے مترادف اور ان کے عقائد کمزور کر دینے کے برابر ہے۔ کیونکہ تقویۃ الایمان کی عبارت میں جو مطلب بیان کیا گیا ہے اسے عوام ہرگز نہیں سمجھ سکتے ہیں صرف خواص ہی سمجھ سکتے ہیں جو امکان ذاتی ، امتناع بالغیر اور مرتبہ مابیت من حیث ہی اور من حیث الخلق کے مطلب و مفہوم سے آگاہ ہونگے وہ ضرور صاحب رسالہ (تقویۃ الایمان) کی مذکورہ عبارت کے مطلب تک رسائی حاصل کر سکیں گے۔

صاحب تقویۃ الایمان نے اس عقیدے کو دین کے بڑے اصول میں سے قرار دیا ہے ، عوام اس عقیدے کو ذہن نشین اور خالی ذہنوں میں نقش کرنے کے بعد حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات اقدس کی مثل آن گت افراد انبیاء کے وجود کو دوسرے انسانی وجود کی طرح قابل وقوع ہی جانیں گے ، اس کے علاوہ ان کے لیے کسی دوسری ہدایت کی توقع نہیں ہو سکتی۔

اس صورت میں اگر کوئی شخص کسی عام آدمی کو یہ سمجھائے کہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ کے جوئے ہونے کے عقیدے کو اس کے سچے ہونے کے عقیدے کے برابر جانو تو کیا حرج اور کیا نقصان ہوگا ، کیونکہ موضوع و محمول کی خصوصیت سے قطع نظر یہ فیض بھی بلاشبہ صدق و کذب کا احتمال رکھتا ہے۔

مقام حیرت ہے کہ قطع نظر اس بات سے کہ اس مثال سے حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں بے ادبی ، گستاخی اور زبان درازی لازم آتی ہے اور اس کے سننے سے ممکن نبوت کے بھی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں ، یہ رسالہ عوام کو سمجھانے کے لیے اردو میں لکھا گیا ہے (سوال یہ ہے کہ) اللہ تعالیٰ کی قدرت عامہ شاملہ کے سمجھانے کیلئے یہی مثال لگائی تھی کہ حضرت

محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مثل کر ڈر د افراد کا وجود ممکن ہے۔ اس کے علاوہ کوئی
 مثال نہیں تھی؟

اے اللہ! ہمیں حق کو حق ماننے اور اس کی پیروی کی توفیق عطا فرما اور باطل کو باطل ماننے اور اس
 سے بچنے کی توفیق عطا فرما۔

Nafse Islam

ہدیہ شکر

حضرت علامہ محمد فضل حق خیر آبادی قدس سرہ کی یہ
 فارسی تحریر ہمیں جناب رئیس الاطباء حکیم نصیر الدین (برادر زادہ)
 علامۃ الہند مولانا معین الدین اجمیری سے دستیاب
 ہوئی جس کے لئے ہم ان کے شکر گزار ہیں۔

WWW.NAFSEISLAM.COM